صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آں حضرت

بحیثیت سپہ سالار



رئیس احمد جعف

آں حضرتؐ بحیثیت سپہ سالار

آں حضرتؐ

بحیثیت سپہ سالار

تصنیف : محمود خطاب شیت

ترجمہ : سیّد رئیس احمد جعفری (ندوی)

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

لاہور ٭ حیدرآباد ٭ کراچی

طابع .... شیخ نیاز احمد
مطبع .... عامی پرنٹنگ پریس لاہور
اشاعت اوّل ۱۹۶۹ء
اشاعت دوم ۱۹۷۵ء
قیمت .... روپے

ناشرین
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ادبی مارکیٹ۔ چوک انارکلی، لاہور

فہرس

۱

حرفِ آغاز

کوئی تین سال پہلے کی بات ہے ایک بار میں جسٹس سردار محمد اقبال کے دولت کدے پر گیا ہُوا تھا، وہاں انھوں نے اپنے ایک قریبی عزیز بریگیڈیر (ا) نوازش علی سے میرا تعارف کرایا۔ پھر ہم دونوں میں گرم جوشی کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہونے لگی۔

بریگیڈیر نوازش علی صاحب، اس سے پہلے کافی مدت تک عراق میں پاکستانی سفارت خانے سے متعلق رہ چکے تھے یہ وہ زمانہ تھا، جب مسٹر شعیب قریشی وہاں پاکستان کے سفیر تھے۔ شعیب صاحب کو میں عرصے سے جانتا تھا۔ وہ مجلس مرکزیہ خلافت (ہند) کے جنرل سیکرٹری رہ چکے تھے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے رُکن رہ چکے تھے، وفد خلافت یورپ میں اپنی تعلیم منقطع کر کے عملی حصّہ لے چکے، اور زعمائے خلافت کی خدمت کر چکے تھے۔ مولانا محمد علی نے ڈاکٹر انصاری کی سرکردگی میں جو وفد ترکیہ بھیجا تھا، اس کے اہم ترین رکن رہ چکے تھے۔ گاندھی جی کے اخبار ینگ انڈیا YOUNG INDIA کے (جب وہ جیل میں تھے) ایڈیٹر اس شان سے رہ چکے تھے کہ ان کی غیر موجودگی قارئین کو محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ راجہ غلام حسین مرحوم، کی شرکت میں ایک نہایت کامیاب اخبار نیو ایوا NEW EVA نکال چکے تھے۔ یہ راجہ غلام حسین وہ شخص تھے جو غالباً جھنگ کے رہنے والے تھے۔ لیکن محمد علی کے فدائی اور جاں نثار، انگریزی اتنی اچھی لکھتے تھے کہ محمد علی نے بڑے

فخر اور مسرت کے ساتھ انھیں کامریڈ COMRADE کا اسسٹنٹ ایڈیٹر بنالیا تھا۔ اور جب ایک حادثے کے باعث ان کا عین نوجوانی میں انتقال ہوا تو محمد علی نے ان کا بڑا پُر درد مرثیہ لکھا تھا ؎

ابھی مرنا نہ تھا غلام حسین
کام کچھ اور بھی کیے ہوتے

شعیب صاحب میں سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ خلافت سے وابستہ رہے ہوں یا کانگریس سے، وقت انھوں نے پورا دیا، اور ان قومی اداروں سے اپنی ذاتی ضروریات کے لیے ایک پیسہ لینا بھی گوارا نہ کیا۔ جو آبائی جائیداد تھی اسی کو بیچ بیچ کر کام چلاتے رہے، اور جب وہ ختم ہو گئی اور نہرو رپورٹ کے بعد ——— جس کے وہ ایک رکن تھے ——— ہندوؤں کی ذہنیت ان پر آشکار ہو گئی تو وہ سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے ایک انتہائی مخلص دوست عبدالرحمٰن صدّیقی مرحوم (سابق گورنر مشرقی پاکستان) کی شرکت میں تجارت کو اپنا ذریعۂ معاش بنالیا۔ ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی انھی دوستوں کی سعی و محنت سے عالمِ وجود میں آئی تھی، بعد میں نواب صاحب بھوپال نے جو اُن کے علی گڑھ کے دوست اور ساتھی تھے بھوپال بلالیا، اور منصبِ وزارت پر مامور کر دیا، تقسیمِ ہند تک وُہ وہیں رہے، پھر پاکستان آ گئے، یہاں لیاقت علی خاں نے انھیں پاکستان کا پہلا سفیر بنا کر روس بھیجا، پھر ہندوستان میں ہائی کمشنر کے منصب پر فائز ہوئے، بعدازاں پاکستانی کابینہ میں بہ حیثیت وزیر مختلف اور متعدد محکموں کی تطہیر کرتے رہے۔ آخر میں عراق میں پاکستان کے سفیر بنا کر بھیج دیئے گئے۔ بریگیڈیر نوازش علی خاں کا ان سے وہیں رابطہ پیدا ہوا تھا اور آخر وقت تک قائم رہا۔

بریگیڈیر صاحب نے دوسرے روز مجھے اپنے دولت خانے پر بُلایا،

چائے نوشی کے بعد ہم مختلف مسئلوں پر بحث و گفتگو کرتے رہے۔ پھر موصوف نے یہ کتاب جس کا ترجمہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں مجھے نکال کر دی کہ اسے اُردو میں منتقل کردوں، میں نے وعدہ کر لیا انہیں ترجمے کی اتنی جلدی تھی کہ وہ چاہتے تھے، یہ کام جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، لیکن میں کچھ ایسے مکروہات میں گرفتار رہا کہ اپنی عادت اور طبیعت کے خلاف فوراً ترجمہ نہ کر سکا۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آتی رہی اور اب کوئی تین سال کے بعد صاحب موصوف سے دلی معذرت پیش کرنے کے بعد یہ ترجمہ قارئین کے سامنے لانے کی جسارت کر رہا ہوں۔

کتاب کے مصنف، ہمارے بریگیڈیر صاحب کے دوست ہیں، عراق میں دونوں کے مابین خاصے تعلقات ہو گئے تھے، پھر ایک مرتبہ وہ پاکستان آئے تو یہ کتاب تحفے کے طور پر انھیں دے گئے اور اردو میں ترجمے کی اجازت بھی دیتے گئے۔

کتاب کے موضوع کے بارے میں مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ بالکل اچھوتا، اور حد درجہ محققانہ ہے۔ ایک ایک لفظ پوری تحقیق کے بعد قلمبند کیا گیا ہے، مجھے امید ہے یہ کتاب سند قبول حاصل کرے گی، اور شمعِ رسالت کے پروانے اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے!

سیّد رئیس احمد جعفری (ندوی)
۸۹ - ٹیگور پارک ......لاہور

۲

افتتاحیہ

قدیم وجدید قائدین جنگ کے احوال وسوانح، اور بہت سی مؤلفاتِ عسکریہ پڑھنے کے بعد، میرے دل میں اس کتاب کے لکھنے کا خیال پیدا ہُوا۔

میں نے ان عسکری مؤلفات کا امعان نظر سے مطالعہ کیا، بڑے بڑے جنگی معرکوں کی داستانیں پڑھیں، قائدینِ جنگ کے کارناموں کے منطقی تسلسل کو مدنظر رکھ کر مطالعہ کیا، پھر دُنیا کی عظیم لڑائیوں اور جنگوں کے نقشے دیکھے، چالیں نظر میں رکھیں، ان میں جو کٹھنائیاں پیش آئیں، اور بات بنتے بنتے جب بگڑی، اور بگڑتے بگڑتے جب بنی تو ان سب پہلوؤں میں سے کسی کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ اس مطالعہ سے میں نے پُورا پورا فائدہ اٹھایا اور مردانِ جنگ کے آزمائے ہُوئے حالات وسوانح کا گہرائیوں کے تعلق کے ساتھ مطالعہ کر کے سبق حاصل کیے اور نتائج مرتب کیے۔

میں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، اس اسلوب بحث کو سامنے رکھ کر، اور مسلمان سالارانِ افواج کے کارناموں اور معرکوں کو پیشِ نظر رکھ کر ہر دو کے مابین جو ما حصل نکل سکتا تھا اسے بھی سامنے رکھا۔ اس تحقیق اور مطالعہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض قائدین فوج کی حیرت انگیز اور ناقابلِ فراموش جنگی چالوں اور کارروائیوں سے بھی میں نے کچھ نتیجے اخذ کیے اور سبق حاصل کیے۔ جنگوں اور لڑائیوں سے متعلق جو لٹریچر دستیاب ہو سکا، اس کے پڑھنے سے بعض نئے گوشے نظر کے سامنے آئے اور ماہرینِ حرب کی ذہانت وفراست کے ایسے پہلو نظر سے گزرے کہ ان کے عُجب اور

عظیم وجلیل اور لافانی کارگزاریوں کا ایک نقش سا قائم ہوگیا۔

سیرت سے متعلق بہت سی کتابوں کا میں نے امعانِ نظر سے مطالعہ کیا ہے، اس مطالعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ عسکری مجھے بہت زیادہ بلکہ سب سے زیادہ گراں بہا، اور گراں مایہ نظر آئی۔ تاریخِ حربیات میں آپؐ کا مقام قدیم وجدید تمام سپہ سالاروں اور امیرانِ عسکر سے کہیں زیادہ بلند وبالا ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ آپؐ کی حیاتِ عسکری کے لازوال اور غیر فانی پہلوؤں کو اب تک اجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، تاکہ آپؐ کی حیاتِ عسکری کے حقیقی اور اصلی پہلو نمایاں ہو کر نظر کے سامنے آسکتے اور لوگ بطورِ خود آپؐ کے کارناموں کی عظمت اور اہمیّت سے واقف ہو سکتے۔ چنانچہ مجھے یہ عرض کرنے میں ذرا باک نہیں کہ آپؐ کی حیاتِ گرامی کا یہ پہلو، جو حد درجہ عظیم اور وقیع ہے چشمِ مردم سے اب تک نہاں ہے یا کم از کم اپنے اصل آب ورنگ کے ساتھ نظروں کے سامنے نہیں آسکا ہے۔

مؤرخینِ سیرتِ نبویؐ نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی کارناموں اور حربی معرکوں کو یا تو بہت مختصر طور پر بیان کیا ہے یا اس طرح کے بیانات میں دوسری چیزیں اس طرح گڈمڈ کر دی ہیں کہ ایک جویائے تحقیق کے لیے جملہ غزوات اور محاربات کی پوری تفصیل سے واقفیّت دشوار ہو جاتی ہے اور یہ سب کچھ پڑھ چکنے کے بعد وہ اپنے آپ سے سوال کرتا ہے:

∴ جنگ برپا ہونے سے قبل طرفین کا مؤقف کیا تھا؟

∴ جدال وقتال کا جو سلسلہ شروع ہُوا، اس کا آغاز کس طرح ہُوا؟

∴ اس جنگ سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں اور جن معلومات پر روشنی پڑتی ہے وہ کیا ہیں؟ اور ان کی نوعیّت کیا ہے؟

اس ناواقفیّت اور صورتِ احوال کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان امیرانِ عسکر اور اُن

سب سے بالاتر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جدید تاریخ حرب میں کہیں نہیں ملتا، اس میں ہنیبال، قیصر، نپولین اور مولتکہ وغیرہ کے کارنامے تو ربط و تفصیل کے ساتھ موجود ہیں، لیکن اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان امیرانِ لشکر —— مثلاً خالد بن ولید، سعد بن ابی وقاص، علی بن ابی طالب اور دوسری شخصیتوں کو فراموش کر دیا ہے اور بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ یہ جنگی تاریخیں مسلمانوں کو پڑھائی جاتی ہیں، اور بلادِ مسلمین میں رائج اور داخل نصاب ہیں۔

اس صورتِ احوال اور اسلوبِ فکر کو پیش نظر رکھ کر میں نے سوچا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حربی اور عسکری زندگی پر ایک مفصّل اور ہمہ پہلو تاریخ مکمّل کرنی چاہیئے، جو صرف ٹھوس علمی حقائق ہی پر مشتمل نہ ہو بلکہ اس میں سچّائی کے ساتھ بتایا گیا ہو کہ :

∴ قبل از جنگ، یعنی لڑائی شروع ہونے سے پہلے طرفین کا مؤقف کیا تھا ؟

∴ جنگ کا اصل مقصد، اور اس کے اسباب و محرکات و عوامل کیا تھے ؟

∴ طرفین کی صحیح جنگی قوّت کتنی اور کیسی تھی ؟

∴ جدال و قتال سے قبل اور اس کے بعد واقعات و حوادث کی نوعیّت اور رفتار کیا تھی ؟

∴ جنگ کا آخر کار نتیجہ کیا نکلا یعنی انجام کیا ہُوا اور اس سے جو اسباق مفیدہ حاصل ہوئے وہ کیا تھے ؟

میں نے اپنی کتاب میں جنگ اور اس کے مالہ وماعلیہ پر جو گفتگو کی ہے، اس میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں اور معرکہ آرائیوں ہی کو

پیش نہیں کیا ہے بلکہ مشرکین نے دوران جنگ میں، جس قوّت اور استقامت کا اظہار کیا اس کے بیان کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیا ہے، بلکہ ان دونوں چیزوں کو پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ خرائط مخططات اور اشکال سے اپنی پیش کردہ معلومات کو ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے، تاکہ پڑھنے والا، میدانِ جنگ کی اصل کیفیت، طرفین کی قوّت، اور جو اسلحہ ——— آج کے زمانے میں تو یہ عجوبہ ہیں ——— استعمال کیے گئے، ان سب باتوں کی صحیح معرفت حاصل کر سکے۔ ان تفصیلات سے بڑی آسانی کے ساتھ قاری کے لیے یہ بات ممکن ہو گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اصل میدانِ جنگ میں محسوس کر سکے، اور تمام تفصیلات سے باحسن وجوہ واقف ہو سکے اور ان معلومات سے جنگ کے بارے میں پورے طور پر علم اور واقفیت بہم پہنچا سکے۔

لیکن اس کتاب میں، اُن حوادث کا میں نے قصداً ذکر نہیں کیا ہے جو درحقیقت جنگ میں پیش نہیں آئے، حالانکہ ان واقعات و حوادث کو بعض مؤرخین نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، تاکہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات اگر تمام تر نہیں تو بڑی حد تک خوارق اور معجزات کا نتیجہ تھے۔ انہوں نے آپؐ کے جنگی کارناموں کو ہمارے حرب سے تطابق دینے اور ان سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، بلکہ پورا زور خوارق اور معجزات پر لگایا ہے، اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے مظاہر میں شمار کرتے ہیں۔

اگر امر واقعہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی کامیابیاں اور کامرانیاں نتیجہ تھیں خوارق اور معجزات کا، تو سالارِ عسکر کی حیثیت سے نعوذ باللہ آپؐ کی قدر و قیمت میں فرق آجاتا ہے۔ مسلمان اگر اس خیال کو اپنا عقیدہ بنالیں تو یہ بات آپؐ کی سیرت،

کردار، اور مہارتِ جنگ سے توافق نہیں رکھتی۔ کام تو جو کچھ کیا خوارق اور معجزات نے کیا، اس میں خود ذاتِ رسالت مآبؐ کا حصّہ کیا تھا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں سے بالکل ماوراء تھے۔ آپؐ اگر کسی کام کا ارادہ کرتے تھے، تو اس کے اسباب بھی فراہم کرتے تھے اور ان سے کام بھی لیتے تھے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوتا کہ مؤرخین سیرت آپؐ کے جنگی اور حربی کارناموں کو خوارق اور معجزات پر محمول کریں گے تو آپؐ ہرگز یہ بات پسند نہ فرماتے، اس لیے کہ اسلام دینِ عقل و منطق ہے اور اس کا سب سے بڑا اور دائمی معجزہ یہ ہے کہ وہ دین فطرت سلیمہ ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ تھی کہ قرآن کے سوا کوئی اور معجزہ ان کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرنے کی کوشش کی جائے۔ وہ لوگوں کو بار بار یہ سمجھانے اور باور کرانے کی کوشش فرماتے تھے کہ وہ بھی عام لوگوں کے مانند ایک بشر ہیں، اللہ تبارک تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ انّما الھکم الٰہ واحد۔

ایک اور موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قل سبحان ربّی، ھل کنت الا بشرا رسولا،

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"میں تمہارے ہی مانند ایک بشر ہُوں، اگر میں تمہیں کسی دینی معاملے میں کوئی حکم دوں تو اس کی تعمیل کرو، اور اگر امورِ دنیا میں سے کسی معاملے میں حکم دُوں تو (یاد رکھو بہر حال) میں ایک بشر ہُوں۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کسی جنگ میں حصّہ لینے کا فیصلہ فرمایا تو جنگ

کے مبادی معروضہ کو پورے طور پر ملحوظ رکھا، اور ان پر عمل بھی فرمایا اور اس پر مستزاد سپہ سالاری کے سلسلے میں آپؐ کے ذاتی اوصاف و کمالات بھی وجہ تھی کہ آپؐ ہمیشہ دشمنوں پر غالب آئے، اور اگر احتیاط اور حذر کا کوئی پہلو نظر انداز فرما دیتے تو انجام جنگ کچھ اور ہوتا۔

آخر کیا وجہ ہے کہ آپؐ نے کسی غزوے اور جنگ میں اس وقت تک شرکت نہیں فرمائی جب تک ضروری اسباب مہیّا نہ فرما لیے ——— کمیّت اور کیفیت، نیز کمی زیادتی کا فرق دوسری چیز ہے! ———!

آخر اس کا سبب کیا ہے کہ آپؐ جنگ میں "الحرب خدعة" کے اصول پر عمل پیرا رہے؟

کیا کچھ نہ ہو جاتا اگر جنگِ بدر سے پہلے آپؐ نے جنگی اصولوں کو مدّ نظر نہ رکھا ہوتا جب کہ کفار کی طاقت کہیں زیادہ، تعداد بہ افراط، اور ساز و سامانِ جنگ بہ کثرت تھا؟

کیا کچھ نہ گزر گیا ہوتا کہ اگر جنگ احد کی شکست کے وقت آپؐ مایوس ہو جاتے اور جنگ سے منہ پھیر لیتے، جب کہ کیفیت یہ تھی کہ مشرکین کی ٹکڑیاں ہر چہار طرف سے پوری قوت اور شدّت کے ساتھ حملہ آور ہو رہی تھیں؟

غزوۂ خندق کے موقع پر، اگر آپؐ کی مقاومت ضعیف ہو گئی ہوتی اور ولولۂ جنگ سرد ہو گیا ہوتا تو کیسی قیامت نہ ٹوٹ پڑتی؟ خاص طور پر جب کہ صورت یہ تھی کہ یہود نے کھُلی خیانت کی تھی، اور مدینۂ منورہ کے اندر اور باہر ایک زبردست دھمکی اور خطرہ بن گئے تھے؟

اسی طرح غزوۂ حنین کے موقع پر فرار مسلمین کے بعد اگر آپؐ صرف دس نفوس مشتمل بر، آلِ بیت و مہاجرین کے ساتھ حد درجہ ثابت قدمی، دلیری اور عزیمت و

استقامت کا مظاہرہ نہ فرماتے؟

وہ الفاظ کہاں سے لائے جا سکتے ہیں کہ آپؐ کی اصابت کو واضح کیا جا سکے۔ جب جنگِ احد کے موقع پر آپؐ کے مامور کیے ہوئے لوگوں نے کفّار کی شکست دیکھ کر مالِ غنیمت کی طلب میں اپنی اپنی جگہ چھوڑ دی، اور کفار نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر، ملپٹ کر زبردست حملہ کر دیا۔ جس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا اور جس میں مسلمانوں کے ستّر نفوسِ قدسی نے جامِ شہادت نوش کیا؟

پھر جیشِ عسرۃ کے موقع پر، اس طرح کی بے مائگی کے باوجود، آپؐ نے جو تیاریاں کیں اور جس طرح جنگ کو جاری رکھنے کے وسائل پیدا کیے۔ بھلا دُنیا کی تاریخ اس کا جواب دے سکتی ہے؟

اس حزم و احتیاط کی وجہ کیا ہے کہ ساعاتِ قتال میں مسلمانوں کی ایک جماعت نماز میں مصروف ہو جاتی ہے اور دوسری اسلحہ لیے برسرِ جنگ رہتی ہے۔ ایسا تو نہیں ہوتا کہ سارے جنگ آزما بیک وقت شریکِ نماز ہو جائیں، کیا یہ انتہائی دور اندیشی اور احتیاط پر مبنی جنگی چال نہیں ہے؟

سوال یہ ہے کہ اس حذرِ شدید، استعدادِ دقیق، انتہائی احتیاط اور مکمّل تیاریاں کیوں تھیں۔ اگر انحصار رسولؐ خوارق پر، اور آپؐ کی جنگی فتوحات معجزات پر مبنی تھیں؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فتح و نصرت کا عطا کرنے والا خدائے بزرگ و برتر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت اسی کے ساتھ ہوتی ہے جو قتال و جدال کے وقت کسی امکانی احتیاط اور تدبیر سے غفلت نہ برتے۔

سچّا مسلمان وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت سے پورے طور پر واقف ہو، اور اس پر کامل اعتقاد رکھتا ہو اور ایسا مسلمان آپؐ کے

جنگی کارنامے دیکھ کر اور آپؐ کے اصحابؓ کی سرفروشی دیکھ کر بے ساختہ کہہ اٹھے گا کہ آپؐ بہت بڑے سالارِ عسکر تھے، اور آپؐ کے اصحابؓ بہت بڑے سپاہی، اور انھیں خدا نے فتح و نصرت سے نوازا اور سرفراز کیا۔

لیکن اگر ہم خوارق پر یقین کر لیں، جو جنگ میں کبھی بھی رونما نہیں ہُوا کرتے، اور انہی خوارق کو مسلمانوں کی فتح و نصرت کا سبب قرار دیں، تو کم از کم فوجی نقطۂ نظر سے ان فتوحات کی کوئی قیمت نہیں رہ جائے گی، ساتھ ہی ساتھ، یہ خیال غیر منطقی اور غیر معقول بھی ہے۔

بلاشبہ جمالِ رسولؐ —————— خاص طور پر آپؐ کے جنگی کارنامے —————— ہر زمان و مکان میں، جنگی تدابیر کے بہترین رہنما ہیں، کیا کبھی آپؐ کے پیروؤں نے دشمنوں کو شکست دینے کے لیے خوارق پر بھروسہ کیا یا اپنے امکان و استطاعت کے مطابق ہر لڑائی کے وقت پوری تیاریاں نہیں کیں؛ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے کہ اس طرح فتح و کامرانی حاصل ہو سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ حربی کا اگر بہ امعانِ نظر مطالعہ کیا جائے تو نہایت قطعیت کے ساتھ اور ہر طرح کے شک و شبہ سے ماورا ہو کر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ آپؐ کی فتح و انتصار کا راز، آپؐ کی شخصی شجاعت اور بے مثال قوتِ اعصاب پر مبنی تھا۔ جو خطرناک سے خطرناک اور نازک سے نازک مواقع پر بھی قائم اور ثابت رہے۔ انتہائی سنگین حالات و ظروف میں بھی آپؐ پوری سُرعت کے ساتھ جنگی تدبیریں وضع کرتے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ آپؐ کے اسبابِ نصر میں آپؐ کا عزمِ اکید بھی شامل تھا، ایسی قوّتِ ارادی، جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام معرکوں میں آپؐ کے یہی شخصی عوامل تھے جو جنگ کے میدان میں دشمن پر حاوی رہے اور اگر خاکم بدہن آپؐ میں یہ شخصی صفات نہ ہوتیں تو غزواتِ اسلام کا

انجام کچھ اور ہی ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر عسکر، اور سپہ سالار فوج کی حیثیت سے دو اعتبارات کے پیشِ نظر، ہر زمان و مکان کے فوجی رہنماؤں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

۱ : ایک تو یہ کہ آپؐ حد درجہ بلند ہمّت اور صاحب عزم و ثبات قائدِ افواج تھے۔

۲ : دوسرے یہ کہ آپؐ کی ساری جنگیں، حمایت حرّیتِ عامہ، نشرِ اسلام اور ارکانِ اسلام کی صیانت و حفاظت کے لیے تھیں نہ کہ عدوان و اغتصاب و استغلال، اور ظلم و جور، قتل و نہب، اور بندگانِ خدا کی غلامی کے لیے،!

آپؐ کے علاوہ جو دوسرے سالارانِ عسکر گزرے ہیں، انہیں سب سے بڑی سہولت یہ حاصل تھی کہ ان کی قوم ان کی حامی اور پشت پناہ تھی اور ہر ہر مرحلے پر ان کی امداد و اعانت کے لیے وقف رہتی تھی، لیکن آپؐ کے ہاں صورتِ احوال بالکل برعکس تھی، آپؐ کی قوم نہ صرف آپؐ کی پشت پناہ اور حامی و مددگار نہیں تھی، بلکہ قدم قدم پر مزاحمت، مخالفت اور مقاومت کرتی تھی۔ اس کے باوجود، آپؐ دعوتِ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے اور انتہائی صبر و تحمّل کے ساتھ اس طرح کی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ آپؐ نے قوت حاصل کی اور ایک ایسی امّت کی تشکیل فرمائی، جس کے عقیدے اور جس کی منزلِ مقصود میں پوری پوری ہم آہنگی تھی۔

فوجی نقطۂ نظر سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و سیرت کے چار دور قائم کیے جا سکتے ہیں:

: ایک سعی و دعوت کا دور

: دوسرا دفاعِ عقیدہ کا دور

: تیسرا حملہ و ہجوم کا دور

: اور، چوتھا، دورِ تکامل، یعنی کاملیّت!

سعی و دعوت کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں استقلال و استقرار حاصل کرتے ہیں۔ اس ساری مدّت میں آپؐ نے صرف حربِ کلامیہ پر اکتفا کیا۔ آپؐ بشارت دیتے، اور خدا سے ڈراتے، اور اسلام کی نشر و تبلیغ میں تن من دھن سے مصروف رہتے، اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمان قوّت پکڑتے گئے اور مدینۂ منورہ میں اُنھوں نے اپنی اجتماعیّت کو محکم کر لیا۔ نیز بعض یہُود سے معاہدہ بھی کر لیا کہ خطرے کے وقت ان سے امن و اطمینان رہے۔

دوسرا دور ——— جسے ہم عقیدے کے دفاع سے تعبیر کرتے ہیں، اس طرح گزرتا ہے کہ آپؐ وقتاً فوقتاً مدینۂ منورہ سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں جدال و قتال کے لیے ارسال فرماتے ہیں، یہ صورت زیادہ تر غزوۂ خندق کے بعد پیش آئی۔ اس دور میں مسلمانوں کی تعداد بھی روز افزوں ترقی کرتی رہی، اور ان میں یہ سکت پیدا ہوگئی کہ اپنے طاقتور دشمنوں سے اپنے عقیدے کے دفاع میں جنگ لڑ سکیں۔

دورِ حملہ و ہجوم، غزوۂ خندق کے بعد سے غزوۂ حنین کی مدت تک پر حاوی ہے اس دور میں اسلام، پُورے جزیرۂ عرب کے اندر پھیل گیا اور بلادِ عرب میں مسلمان ایک ناقابلِ مزاحمت طاقت بن گئے اور اب ان میں یہ تاب و تواں پیدا ہوگئی کہ ہر اس قوت کو کُچل دیں جو اسلام کے راستے میں حائل ہو۔

چوتھا دور، یعنی دورِ تکامل غزوۂ حنین کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک جاری رہتا ہے، جب آپؐ رفیقِ اعلیٰ کی بارگاہ میں باریاب ہوجاتے ہیں،

یعنی سفرِ آخرت اختیار فرما لیتے ہیں۔ اس دور میں مسلمانوں کی قوت و شوکت انتہائے عروج پر پہنچ گئی، نہ صرف یہ کہ یہ پورا جزیرہ نما اسلام کے پرچم تلے آگیا بلکہ عرب کے جزیرہ نما سے باہر بھی اسلام کی قوت و سطوت کے مظاہرے ہونے لگے، چنانچہ غزوۂ تبوک کو ہم دولتِ اسلامیہ کا نقطۂ آغاز قرار دے سکتے ہیں۔

اس منطقی تطوّر کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے اس سب سے بڑے قائدِ عسکر نے ضعف سے قوت کی طرف، اور دفاع سے حملہ و ہجوم کی طرف، پیش قدمی کی، اور یہ ایسی خصوصیّت ہے جس نے آپؐ کو، جملہ ادوارِ تاریخ میں ہر فوجی سربراہ پر امتیازِ خاص عطا کر دیا۔ آپؐ نے قوتِ کبیر ایک عقیدے اور ایک منزل پر مبنی اس حالت میں حاصل کی کہ پہلے ذرا بھی قابلِ ذکر اور اہم نہ تھی۔۔۔۔

محمدؐ قائدِ جنود و عسکر کا سب سے پہلا اور اہم امتیاز و تخصّص تو یہ ہے، اور دوسری چیز جو آپؐ کے امتیاز و تخصّص کو اور زیادہ تابناک و درخشاں کر دیتی ہے یہ ہے کہ ہر اعتبار سے، اور ہر مفہوم میں آپؐ کی معرکہ آرائیاں جو شجاعت و دلیری کے لحاظ سے یکتا تھیں، ان کی غرض، اور ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی حریت نشر و ترویج۔ اور ارکانِ اسلام کے ضبط و پابندی کو ہر حالت میں ملحوظ اور مرعی رکھا جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگی حالات میں بھی کبھی آپؐ نے نقضِ عہد نہیں کیا، کبھی دشمن کی لاش کی شکل و صورت نہیں بگاڑی ———— جیسا اس زمانے میں عام رواج تھا ———— کسی ضعیف کو کبھی قتل نہیں کیا اور غیر جنگجو لوگوں سے مقاتلہ نہیں کیا، اس بات کو ہم اس طرح نہیں کہہ سکتے ہیں کہ "عہدِ رسول فتوحاتِ اسلامی" اس لیے کہ یہ بات غلط ہوگی، صحیح بات جو کہی جا سکتی ہے یہ ہے، اور وہی ہمیں کہنی چاہیئے۔ یعنی "عہدِ رسولؐ میں اسلام کی وسعت" کیونکہ آپؐ نے کوئی شہر محض ایک فاتح کی حیثیت سے فتح نہیں کیا بلکہ مقصد ہمیشہ یہ پیشِ نظر رہا کہ حریتِ

نشرِ اسلام کی حمایت اور ارکانِ اسلام کی بجاآوری کی جائے۔

ان حقائق کی روشنی میں اس حقیقت کو ہر قسم کے شک وشبہ سے ماوراء ماننا پڑے گا کہ آپ بیک وقت قائدِ افواج بھی تھے اور رسُولِ برحق بھی!

ایک خیال ذہن میں یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ عہدِ قدیم میں فوج کی سربراہی آسان کام تھا کیونکہ نفوس واسلحہ کی تعداد بہر حال عصرِ حاضر کے مقابلے میں کم ہوتی تھی، لیکن یہ خیال درست نہیں۔

عہدِ قدیم میں فوج کی قیادت، عہدِ جدید کی قیادتِ حربی سے کہیں زیادہ مشکل تھی، کیونکہ حروبِ قدیمہ میں، قائدِ افواج کا کمال اور اس کے ذاتی اوصاف اصل عامل تھے۔ اس کے برعکس آج کے زمانے میں قائدِ افواج کے پاس مور و ملخ سا لشکر ہوتا ہے، مختلف امور سے متعلق ماہرینِ فن کی ٹیم ہوتی ہے جو قدم قدم پر اس کی اعانت کرتے ہیں۔ اس کے احکام کی بجاآوری کے سلسلے میں بھی یہ ٹیم اپنے فرائض حزم واحتیاط کے ساتھ ہر ضروری موقع ومحل پر نگرانی کے فرائض انجام دیتی ہے۔ آج کے قائدِ افواج کو بہترین قسم کے وسائل اور سہولتیں حاصل ہیں۔ رسل و رسائل، مواصلات، سامانِ لاسلکی، وغیر لاسلکی، راڈر، طیارے اور مشینی تعاون، اور امداد ہر چیز۔

بلکہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا کہ خطۂ قتال میں، وقت پر، اور وقت سے پہلے، سب کچھ بہم پہنچ جاتا ہے، قائدِ افواج کو جو "زحمت" اٹھانا پڑتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اپنے احکام وامور کی بجاآوری سے مطلع رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جدید طرزِ جنگ میں ——— قائدِ افواج صرف عقل کا محتاج ہوتا ہے، اور قدیم جنگوں میں، قائدِ افواج کے لیے عقل بھی

ضروری تھی اور ذاتی شجاعت بھی!

ضروری ہے کہ اب ایک نظر مستشرقین فرنگ کے انتقاد و احتساب پر بھی ڈال لی جائے جو انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فوجی اقدام و عمل پر کیا ہے۔ اس مبحث پر گفتگو کرنے کا بہترین موقع یہی ہے۔ آگے چل کر اس طرح کے مسائل پر ہمیں گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مستشرقین ایک بات تو یہ کہتے ہیں کہ آپؐ نرم خو اور نرم دل تھے، قتال و جدال سے عملی واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ اپنے اس قول کی دلیل یہ لاتے ہیں کہ جنگ فجار کے موقع پر، آپؐ نے بس اتنا ہی حصّہ لیا کہ تیر اٹھا اٹھا کر، تیر اندازوں کو دے دیتے تھے، خود کوئی حملہ کیا ہو، یا کسی کے نیزہ مارا ہو، ایسا نہیں ہُوا۔

مستشرقین کے ایک اور گروہ کی یہ رائے ہے کہ آپؐ (نعوذ باللہ) سنگدل اور بے رحم تھے۔ قتال و جدال، اور خوں ریزی سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جنگِ بدر کے بعد، آپؐ نے بعض اسیرانِ جنگ کو قتل کیا، اور غزوۂ احزاب کے بعد، بعض یہود کی جان لی۔

یہ افکار و آراء اگر صرف بدنفسی پر مبنی نہیں ہیں، اور اس نقد کا مقصد صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر افشانی نہیں ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مستشرقین کے ان اقوال و افکار میں تناقض، اور تباین کیوں ہے؟

اس حقیقت کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ یہ مستشرقین اپنے انتقاد و احتساب میں مخلص نہیں ہیں ——— اگر ان کے پیشِ نظر سچائی ہوتی تو یہ محسوس

کر لیتے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مجبوری کے علاوہ کبھی مقاتلہ نہیں فرمایا، نہ کسی ایسے شخص کے قتل کا حکم صادر فرمایا، جو حد درجہ جرائم پیشہ، امن شکن اور صالح مسلمین کے لیے انتہائی ضرر رساں نہ ہو۔

عجیب تر بات یہ ہے کہ یہ حضرات مستشرقین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اُن اشخاص کے قتل پر معترض ہو رہے ہیں۔ جو اسلام کی ترویج و توسیع کے راستے میں سنگِ گراں بن کر حائل ہو گئے تھے اور کوئی پست سے پست طریقہ حصُولِ مقصد کے لیے ترک نہیں کیا تھا، یہ وُہ لوگ تھے، جنھوں نے امن و امان کو درہم برہم کیا، اور اپنے طرزِ عمل سے آتشِ جنگ بھڑکائی ——— یہی وہ لوگ تھے، جنھوں نے معاہدے کیے، مگر خیانت کے مرتکب ہوئے، اور اپنے منظور کیے ہوئے، اور طے کیے ہوئے معاہدوں کو خود ہی توڑا، اور مسلمانوں کی اصول پرستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انھیں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا، ساتھ ہی ساتھ یہ حضرات اپنی قوم پر، تنقید کرنے، اور اس کا احتساب کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ جس نے دسویں صدی عیسوی میں، ان جماعتوں اور گروہوں کا بالکل صفایا کر دیا، جنھوں نے ظلم کی مقاومت، اور عدوان کی مزاحمت کی تھی۔

ان حضرات کو چاہیئے کہ دسویں صدی عیسوی کے قوانین حرب و پیکار کا مطالعہ کریں، تاکہ جان لیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سو برس پہلے، قتال و جدال کے سلسلے میں جن انسانیت نواز اصُولوں پر عمل کر کے دُنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کیا تھا، اُن میں اور اِن میں کس درجہ تفاوت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حربی زندگی کا میں نے خالص علمی طریقے سے

مطالعہ کیا ہے، اور اسی طرح اسے قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے اور یقیناً یہ چیز مسلمانانِ عالم کے لیے حد درجہ نافع ہے، اِس طرح وُہ اپنے میرِ کارواں اور سالارِ افواج کی حیاتِ گرامی سے اور جنگ کے سلسلے میں اس کے سروسامان سے اور حمایتِ اسلام کے جذبہ سے صحیح طور پر واقف ہو سکیں گے۔

اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہُوا ہُوں کہ تاریخِ عسکری میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کردُوں جس سے مسلمان بہرہ ور ہوں، تو میں نے اپنی آرزو پالی، اور اگر نہیں تو "انما الاعمال بالنیات" (عمل کا دارومدار نیّت پر ہوتا ہے ——!")

۳

چند الفاظ اور......!

یہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے!

پہلا ایڈیشن حالات کی نامساعدت اور وسائل کی کمی کے باعث حد درجہ محدود تھا، بلاد اسلام و عرب کا کیا ذکر، خاص عراق کے بڑے بڑے شہروں تک میں اس کی اشاعت حسب دل خواہ نہ ہو سکی، بس صرف چند ہاتھوں تک جا سکی، یا اعزازی طور پر مخصوص احباب، اور ماہرین جنگ کی خدمت میں پیش کی جا سکی ——— عراق کے اندر بھی اور باہر بھی۔

میں اس کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اتنی محدود اشاعت کے باوجود، میری اس درجہ حوصلہ افزائی کی جائے گی کہ میں اس کا مقابلہ شکر جزیل کے بغیر کرنے کی اپنے میں جسارت نہیں پاتا۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ مجھ جیسے ہیچ میرز شخص کی یہ حوصلہ افزائی محض اس لیے کی گئی ہے کہ میں نے رسولِ انسانیتؐ کے جہد و علم و ایمان کی تجلّیات پیش کرنے کا حوصلہ کیا۔ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری زندگی کے اہم ترین پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ مجھ سے قبل یہ سعادت وقت کے بڑے مفکّرین، اور اکابر علماء میں سے کسی کے حصّے میں نہیں آئی تھی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کتاب سے میرا مقصد صرف اس کی رضا ہے، اگر میں نے اپنی ذمہ داری کو خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے تو یہ اس کی دین ہے ورنہ اس کٹھن موضوع کی گراں باری اور مسئولیت ہمیشہ محسوس کرتا رہا، لیکن اپنے میرِ سپاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اس طرح کرنے پر بھی تڑپتا رہا کہ اسلام نے جہاد کا جو تصوّر پیش کیا ہے اور آپؐ نے جس طرح اسے بروئے کار لا کر دکھایا اسے واضح کر سکوں، ——— یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی طبع ثانی کے لیے اور اسے بلادِ اسلام و عرب کے گوشوں میں زیادہ سے زیادہ پہنچانے کے لیے تیار ہو گیا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین کرام کو معلوم ہو گا کہ اسلام میں جو جنگ روا ہے وہ صرف دفاعی ہے ——— یکسر اور سراسر دفاعی، مسلمان کبھی اور کسی حالت میں کسی (دشمن) پر پیش قدمی نہیں کر سکتے، جارحانہ حملہ نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں کسی طرح کی سختی اور تشدّد سے کام نہیں لے سکتے۔ اسلامی جہاد، صرف اس لیے رہا ہے، کہ نشر دعوت اسلامیہ کی آزادی حاصل کرے اور سر و سامان بہم پہنچائے۔ اس لیے کہ اسلام پوری انسانیت کے لیے آیا ہے، کسی ایک قوم، ایک ملت، ایک گروہ، ایک جماعت کے لیے نہیں۔ وہ عالمِ انسانیت کا شیرازہ منتشر دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس نے جو فکر پیش کی ہے وہ وحدتِ انسانیت ہے ——— یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا ہے کہ دشمن جب بھی سپر افگندہ اور صلح کا طالب ہو تو اسے رد نہ کیا جائے "وان جنحوا للسلم فاجنح لہا، !" یعنی: دشمن اگر صلح پر مائل ہو تو تم بھی صلح کے لیے تیار ہو جاؤ ——— یہ حکم اس حد تک وسیع ہے کہ دشمن اگرچہ از راہِ فریب یا قوت اور تیاری جنگ کی خاطر وقت حاصل کرنے کے لیے ہی کیوں نہ طالبِ صلح ہو، پھر بھی اس کا دستِ صلح جھٹکا نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وان ارادوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ" یعنی: دشمن کا مقصد دھوکا دینا ہو تو بھی (صلح کی استدعا رد نہ کرو) خدا تمہارے لیے کافی ہے۔

میرے علم میں اسلام کے سوا کہیں بھی (کسی دوسری قوم یا مذہب کے ہاں) یہ ہدایت نہیں گزری کہ دشمن جیسے صلح کا جھنڈا بلند کرے، تم بغیر کسی قید اور شرط کے اسے قبول کر لو،

ظروف واحوال کچھ ہی ہوں، اوران کا تقاضا کچھ ہی ہو۔ دشمن اگر ہتھیار ڈال دیتا، اور صلح کرلینا چاہتا ہے، تو پھر اس سے جنگ نہیں کی جاسکتی۔ دشمن کی طرف سے استدعائے صلح کے بعد، تامل و تذبذب کا سوال ہی نہیں، فوراً ہی اسے قبول کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ اسلام میں صلح وسلام مادّہ اور روح ہے، اور انسانیّت کی بھلائی کا راز، اختلاف بلاد، و انتصار و انظار اور اختلاف رنگ ونسل ونسب اور اختلاف فکر وعقائد کے باوجود صرف اسی میں مضمر ہے، اس کے برعکس دوسروں کے ہاں صلح وسلام سے مراد یہ ہے کہ دوسروں کی حربی قوت کمزور، اور اپنی جنگی قوت موقع پاکر زیادہ کرلی جائے اور جب جنگ کی نوبت آئے تو قتل وغارت اور تخریب وتعذیب اور توہین وتذلیل کا کوئی دقیقہ دشمن کے لیے نہ چھوڑا جائے۔

لیکن اسلام میں صلح وسلام، ایک نور ہے، جس سے پوری انسانیت مستفیض ہوتی ہے اور یہی چیز دوسروں کے ہاں، ایسی آگ ہے، جو اپنے سوا دوسروں کو جلا کر خاکستر کردیتی ہے، ایسی تباہی ہے جو اپنے سوا دوسروں کو برباد کردیتی ہے۔

جب بھی دُنیا میں اسلامی صلح وسلام کی فکر پھیلے گی، تو حقیقی اور صحیح معنی میں دُنیا امن وسکون کا سانس لے سکے گی اور اس کا ہر گماشتہ سعادت اور اطمینان کا مرکز بن جائیگا اور اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہُوا تو دنیا بھی سرد جنگ کی تباہیوں سے دوچار ہوگی، اور کبھی خوں فشاں جنگ کی لرزہ خیزیاں اسے برباد کریں گی اور انسانیت حرب وفتن کے دوراہے پر کھڑی، اپنے بختِ بد پر رویا کرے گی۔

پہلی جنگِ عظیم میں صرف ہلاک شدگان کی تعداد دس ملین تھی، مجروح اور تباہ وبرباد ہونے والے بدقسمت لوگ جدا، دوسری جنگِ عظیم میں شہریوں اور فوجیوں میں سے جو لوگ ہلاک ہوئے ان کی تعداد ستّر ملین ہے، نیز سولہ ملین تو صرف بچے، اور کم سن لڑکے تھے جو فضائی حملوں کی نذر ہوئے۔ تیس ملین لوگ عمارتوں کے منہدم ہونے سے دبے،

کچلے اور مٹے، اور دس ملین گھر غارت اور برباد ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اور مختلف قسم کے نقصانات پہنچے اور اگر کہیں تیسری عالمی جنگ برپا ہوئی تو اتلاف جان و مال کا اندازہ ممکن ہے؟ دوسری جنگ میں جو اسلحہ استعمال کیے گئے تھے وہ اب پرانے اور بیکار ہو چکے ہیں۔ اگر کہیں تیسری جنگ چھڑی تو جدید اسلحہ کی غارت گری اور ہلاکت آفرینی کا کیا رنگ ہوگا؟

صرف اسلام ہی ساری دنیا کو صحیح اور حقیقی قسم کے امن و امان کی نعمت عطا کر سکتا ہے اور سہمی ہوئی انسانیت کو اعتماد اور سکون بخش سکتا ہے، باقی رہے وہ لوگ، جو بلند آہنگی سے صلح و سلام کا نام تو لیتے ہیں، لیکن درحقیقت صلح و سلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں سو دنیا انہیں اچھی طرح پہچان چکی ہے، وہ جان گئی ہے کہ یہ لفظ جب ان کی زبان پر آتا ہے تو قتل و غارت اور تخریب و انہدام کے سوا اس کا کوئی اور مطلب نہیں ہوتا، اور اس کی زد میں جو لوگ آتے ہیں، ان کی اکثریت ہر اعتبار سے بے گناہ ہوتی ہے۔ کتنا اچھا ہو اگر یہ داعیانِ صلح و سلام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، انسانیت کی کرامت اور حرمت کی خاطر روپوش ہو جائیں۔

محمود شیت خطاب

۴

اِنصاف کی راہ میں حرب و پیکار

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین
یقاتلونکم!

القرآن الکریم

"خدا کی راہ میں ان لوگوں سے مقاتلہ کرو،
جو تم سے برسرِ جنگ ہوں!"

◎

۱

جنگ کی تعریف :

جنگ سے مراد ہر وہ مقابلہ ہے جو دُو حکومتوں کی مسلّح افواج کے مابین واقع ہو اور ہر دو فریقین میں سے ایک کا ارادہ یہ ہو کہ باہمی تعلقاتِ امن و صلح کو یکسر ختم کر دیا جائے۔

۲

انصاف کی جنگ :

یہ وہ لڑائی ہے جو کسی ایسی قوم کے خلاف لڑی جائے جو دوسری قوم پر ظلم کی مرتکب ہوئی ہو اور دوسری قوم کی ترقی اور اوج و عروج کو ناپسند و ناگوار محسوس کرتی ہو۔ اس جنگ کے لیے ضروری ہے کہ یہ انسانی آئین کے ماتحت ہو اور اس کا مقصد دائمی امن و امان ہو۔ نیز یہ شرط بھی ہے کہ انسانی زندگی اور بے گناہوں کے مال و املاک کا قرار واقعی احترام کیا جائے، نیز قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے، اسی طرح یرغمال کے ساتھ بھی کوئی بدسلوکی نہ ہو، نہ املاک پر ناواجب قبضہ کیا جائے۔

۳

ظلم کی جنگ :

یہ جنگ کسی صالح اور نیک مقصد کے ماتحت نہیں لڑی جاتی۔ جو حکومت اس جنگ میں حصّہ لیتی ہے، اس کے پیشِ نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی دُوسری حکومت کے کسی حصّے پر قبضہ کرلے یا اسے اپنا محکوم بنالے!

۵

جنگ اسلام میں!

جنگ، اسلامی نقطۂ نظر سے :

اسلام میں جنگ بایں صورت جائز ہے کہ وہ دعوتِ اسلام کی آزادی اور امن و امان کو برقرار رکھنے کے لیے لڑی جائے، اور دورانِ قتال میں شجاعت اور شرافت[۱] کے اصولوں کی مراعات ملحوظِ خاطر رکھی جائیں۔

اسلام میں جنگ کا آغاز :

قبل از ہجرت مسلمانوں کے لیے جنگ کرنا ایک فعلِ حرام تھا، جب قریش کی عداوت حد سے تجاوز کر گئی اور انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور صحابۂ کرامؓ کو ان کے دیار و اموال سے بے دخل کر دیا تو مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس موقع

---

[۱] : دورانِ جنگ میں مراعاتِ شجاعت و شرافت سے مراد یہ ہے کہ جنگ اس طرح لڑی جائے کہ کوئی کام منافئ شرف نہ ہو، شرفِ عربی کی رُو سے لازم ہے کہ معاہدوں کی سختی سے پابندی کی جائے، نہ ایسے اسلحہ استعمال کیے جائیں جن سے کام لینا شرف کے خلاف ہو، نہ کوئی ایسا کام کیا جائے جو خیانت پر مبنی ہو، بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری اور ان سے حسنِ سلوک واجب ہے، نہ انہیں ستایا جائے، نہ ان پر حملہ کیا جائے، اسی طرح جو لوگ برسرِ جنگ نہ ہوں اُن سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

پر پہلی مرتبہ آیۂ قتال نازل ہوئی :

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا ان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ، !

ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے، جن پر ظلم ہُوا ، بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قادر ہے یہ لوگ اپنے دیار سے بغیر کسی جائز سبب کے نکالے گئے ، ان کا جُرم اگر تھا تو بس اتنا کہ یہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے تقریباً ایک سال کے بعد بہ ارادۂ جہاد باہر نکلے اور اس طرح عملی طور پر جنگ کا آغاز ہُوا۔

۱ - اسلام میں جنگ کا مقصد :

اسلام میں جنگ کا مقصد ، اسلام کی دعوت یا تبلیغ نہیں بلکہ حریّتِ دعوت کا تحفّظ ہے ۔اس لیے کہ بہ جبر و زور نشرِ دعوت کا مطلب اکراہ ہُوا ، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرشد من الغی ،

یعنی ، "دین میں کسی طرح کی زیادتی روا نہیں، اس لیے کہ ہدایت گمراہی سے جُدا ہو چکی ہے !"

البتہ اسلام میں جنگ کا مقصد عقیدے کی آزادی کی حفاظت اور اسکی دعوت اور تبلیغ کے حق کی آزادی کے لیے امن و امان کا قائم رکھنا ہے ، نیز اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ مسلم علاقوں پر ، خارجی ظلم و جور کا استیصال ہوتا رہے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم، ولا تعتدوا، ان اللہ لایحب المعتدین -	اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو، جو تم سے لڑتے ہیں، لیکن زیادتی نہ کرو، کہ اللہ، زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام میں صرف دفاع کے لیے جنگ کی اجازت دی گئی ہے، اور اسے بھی اس تاکید کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے کہ مسلمان کسی پہ زیادتی نہ کریں۔

مسلمان اسی وقت ہتھیار اٹھاتا ہے جب وہ بالکل مجبور ہو جاتا ہے، اور اس وقت بھی اس بات کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتا کہ جنگ اصولِ شرافت سے متجاوز نہ ہونے پائے، جو معاہدے قائم ہیں ان کا پورا پورا احترام کیا جائے۔ کسی طرح کی خیانت روا نہ رکھی جائے۔ بیماروں، زخمیوں اور قیدیوں کی تیمارداری کی جائے اور ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ عمدہ برتاؤ کیا جائے، عورتوں، بچّوں، بوڑھوں اور جنگ میں حصّہ نہ لینے والوں سے کسی طرح کا تعرّض نہ کیا جائے۔ نہ انہیں چھیڑا جائے، نہ ان پر جنگ لادی جائے۔

۲- امن و امان کا تحفّظ :

اگر کوئی مکمل اور مضبوط فوج کسی حکومت کے پاس نہ ہو تو وہ ہر دشمن کے لیے ایک نہایت آسان شکار ہے۔ دشمن اس کے بارے میں آس لگائے رکھتا ہے، اور اس کی قوت و شوکت سے خائف نہیں ہوتا، لیکن اگر ایک مضبوط اور قوی فوج موجود ہو تو دشمن اس کی سنتا ہے اور اس کا احترام کرتا ہے اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اپنے شوق جور و ستم کا اسے نشانہ بنائے۔ لہٰذا، امن و امان برقرار رہتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے :

واعدوا لهم ما
استطعتم من قوة
ومن رباط الخيل
ترهبون به عدو
الله وعدوكم وآخرين
من دونهم لا تعلمونهم
الله يعلمهم
وما تنفقوا من شيء
في سبيل الله يوفّ
اليكم وانتم لا تظلمون!

ان کے مقابلے کے لیے جتنی
طاقت مجتمع کر سکتے ہو، کر لو۔ اور
گھوڑے پالو۔ اس طریقے سے
اپنے اور خدا کے دشمنوں پر اپنی
دھاک بٹھا دو، اور اپنے ان دشمنوں
کو بھی مرعوب کرو، جنھیں تم نہیں
جانتے خدا جانتا ہے، اور تم جو
کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو گے وہ
تمھیں پورا پورا دے دیا جائے گا
اور تم پر کسی طرح کا ظلم نہ ہونے
پائے گا۔

نیز ارشاد فرمایا :

ان جنحوا للسلم
فاجنح لها،

اگر دشمن صلح پر مائل ہو، تو تم بھی
آمادۂ صلح ہو جاؤ۔

پھر فرمایا :

يا ايها الذين آمنوا
ادخلوا في السلم كافة

اے ایمان والو، اسلام (کے
حلقے میں) پورے طور پر داخل
ہو جاؤ، [۱]

---

[۱] : ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اپنی کتاب "نظام السلم والحرب فی الاسلام" (ص ۷ — ۸)
میں رقمطراز ہیں : (باقی اگلے صفحہ پر)

اسلام میں امن و سلام کو دینی حیثیت حاصل ہے، لیکن کیا دوسروں کے ہاں بھی ....؟

اسلام میں جنگ کے انواع و اقسام

۱۔ مسلمان کی مسلمان سے لڑائی :

لڑائی کی ایک قسم یہ بھی ہے، جس کا تعلق مسلمانوں کے داخلی حالات سے ہے۔ قرآن کریم نے بغاوت اور خروج کی اس حالت کو تسلیم کیا ہے، جو خود بعض مسلمان گروہوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶ :

"اسلام کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے کہ اگر اس کے اشتقاق پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا مادّہ "سلام" ہے۔ یعنی سلامتی، پس، سلام اور اسلام کا ایک ہی مادّہ ہے۔ اسلام سے مراد ہے دل، روح اور جسم کا نظام خیر اور نظام حق کے لیے جھک جانا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء بیان ہوئے ہیں، ان میں ایک "سلام" بھی ہے :

هو الله الذی لا الٰه	یعنی :
الا هو الملک القدوس	وہ خدا ہی ہے، جس کے سوا کوئی
السلام المؤمن	معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، پاک
المهیمن !	ہے۔ "سلام ہے، امن دینے والا،
	اور حفاظت کرنے والا ہے۔

مسلمان ایک دوسرے سے جب ملتے ہیں تو "سلام" ہی کا (باقی اگلے صفحہ پر)

اور جماعتوں کے مابین واقع ہو، یا رعایا اور حکومت کے درمیان پیدا ہو جائے۔ اس کے لیے اس نے اصول اور آئین بھی مقرر اور منضبط کر دیئے ہیں۔ تاکہ امن کی وحدت اور اس کی ہیئیتِ حاکمہ اور اس کے وقار اور دبدبے کو محفوظ رکھا جائے اور عوام کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ :

تحفہ پیش کرتے ہیں، یعنی : "السلام علیکم"

اپنی نماز میں بھی مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نذر پیش کرتے ہیں وہ "سلام" ہے، یعنی "السلام علیک ایہا النبی و رحمتہ اللہ وبرکاتہ' !"

عالمِ خیر و حق میں مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے نماز میں "سلام" ہی کی التجا کرتا ہے، یعنی : "السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین !"

مسلمان جب اپنی نماز ختم کرتے ہیں، تو داہنے اور بائیں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہتے ہیں۔

نماز کے بعد جو اوراد مسنونہ ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے : "اللھم انت "السلام" ومنك "السلام" !"

مکّہ مکرمہ میں مسجد حرام کے ایک دروازے اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے ایک دروازے کا نام ہی باب "السلام" ہے۔

اور جنت کا نام بھی، جو نیکوکاروں کی آخری جگہ ہے، دار" السلام" ہے:

"لھم دار" السلام" عند ربھم"

یومِ آخرت میں مؤمن جب بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے، تو اُن کی تحیّت کیا ہوگی؟ یہی "سلام" یعنی : (باقی اگلے صفحہ پر)

بغاوت اور ظلم و تعدّی کے اثرات سے بچایا جائے۔

چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :

وان طائفتان من	یعنی :
المؤمنین اقتلوا	اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں
فاصلحوا بینہما، فان	لڑ پڑیں، تو ان میں صلح کرا دو۔
بغت احدٰھما علی	اگر ایک جماعت دوسری پر
الاخریٰ فقاتلوا التی	زیادتی کر رہی ہو، تو زیادتی
تبغیٰ حتی تفئٓ الی امر	کرنے والی جماعت سے لڑو۔
اللہ، فان فاءت فاصلحوا	یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے
بینہما بالعدل واقسطوا	کو ماننے پر مجبور ہو جائے۔ اگر

بقیۂ حاشیہ صفحہ ۴۸ :

تحیتھم یوم یلقونہٗ "سلام"

آیاتِ قرآنی پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ "مسلم" کا لفظ اور اس کے مشتقات ۱۳۳ آیات سے زیادہ میں استعمال ہوئے ہیں اور "حرب" کا لفظ صرف چھ آیات میں وارد ہوا ہے۔

قرآن تصریح کرتا ہے کہ اتباع اسلام کا حقیقی ثمرہ "سلام" اور "نور" کے راستوں پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے، یعنی :

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل "السلام"

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسلام میں تو "سلام" کی یہ اہمیت ہے، لیکن مدعیانِ اسلام کے پاس بھی "سلام" ہے ؟

فان اللہ یحب المقسطین، انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم و اتقوا اللہ لعلکم ترحمون!

وہ اپنی زیادتی سے باز آجائے، تو عدل اور انصاف کے ساتھ ملاپ کرادو، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے بھائیوں میں میل کرادو، اور خدا سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیۂ کریمہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہونے کو تسلیم کرتی ہے۔ اور اختلاف کا حل پُرامن طور پر پیدا نہیں ہوتا تو ہر ایک آمادہ بہ جنگ ہو جاتی ہے یہ آیت امت پر لازم قرار دیتی ہے کہ اپنی حکومت کو بچانے کے لیے دونوں جماعتوں کے اسباب اختلاف کو غور سے دیکھو اور ان میں صلح کرانے کی سعی کرو۔ اگر بات چیت سے یہ مقصد حاصل ہو جائے اور حق دار کو اس کا حق مل جائے اور بغاوت ختم ہو جائے اور امن و امان بحال ہو جائے تو ایسی صورت میں خدا مومنوں کو جنگ کی اجازت نہیں دیتا، اور اگر ایک جماعت زیادتی ہی کرتی چلی جائے اور حق کے سامنے سر جھکانے کو کسی طرح تیار نہ ہو اور مومنوں کے فیصلے کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو، اور قانون کے اقتدار اور دائرے سے باہر نکلنے کی کوشش کرے اور نظامِ اسلام سے سرکشی اختیار کرلے تو مسلم جماعت پر لازمی ہے کہ اس فتنہ جُو جماعت سے لڑے، یہاں تک کہ بالآخر وہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائے۔

اس حکم کا اصل مقصد یہ ہے کہ امت کی وحدت کو محفوظ رکھا جائے اور اختلاف و مشاجرت کا میدان زیادہ وسیع نہ ہونے پائے، غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ جنگ

بھی، درحقیقت امن اور سلامتی کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے، کہ بغاوت اور سرکشی کا اسی طرح خاتمہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کی غیر مسلموں سے جنگ :

غیر مسلموں سے مسلمانوں کو جنگ کی اس لیے اجازت دی گئی ہے کہ عدوان اور ظلم کو روکا جائے، دین کی آزادی برقرار رہے، اور دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی حفاظت کا سرو سامان بہم پہنچ سکے، قرآن نے جہاں جنگ کی اجازت دی ہے وہیں طمع، انتقام اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی کرنے سے منع بھی فرمایا ہے، مقصد یہ ہے کہ امن اور "سلام" (سلامتی) برقرار رہے، حالات سازگار اور پرامن ہوں، اور عدل و انصاف کے زیرسایہ آدمی زندگی گزار سکے۔

جزیہ کے بارے میں سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کسی آدمی کی جان یا عقیدے کا بدل نہیں ہے، بلکہ یہ ماتحت اور مفتوح غیر مسلموں کی جان و مال، املاک، عقائد، عزت، حرمت، توقیر، شرافت اور امن و عافیت کی حفاظت اور نگہبانی کا ایک طرح سے مالی معاوضہ ہے، جزیہ دے کر وہ حقوق میں مسلمانوں کے ہم پایہ ہو جاتے ہیں، اس سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ تمام معاہدے جو مسلمانوں اور مفتوحوں کے مابین طے ہو چکے ہوں، ان پر عمل درآمد ہونا چاہیئے کہ اس طرح ان کے عقائد، اور مال و املاک کی حفاظت ممکن ہے، خالدؓ بن ولید کے عہد نامے میں جو پادری ناطف سے ہُوا تھا۔ مذکور ہے کہ خالدؓ نے کہا :

"میں نے تم سے جزیہ لے کر، تمہاری جان و مال کی حفاظت کا معاہدہ کیا ہے، — ! اگر ہم تمہاری حفاظت کریں گے تو جزیہ ہمارے لیے روا ہے، ورنہ اس وقت تک نہیں جب تک ہم تمہاری حفاظت

جان و مال پر قادر نہ ہو جائیں۔"

خالدؓ بن ولید نے باشندگان حمص کو، اور ابو عبیدہؓ بن جراح نے اہلِ مشرق کو، اور متعدد دوسرے سپہ سالاروں نے شام کے مفتوحہ شہروں کے رہنے والوں کو جزیہ میں لی ہوئی رقم واپس کردی، جب جنگِ یرموک سے پہلے مسلمان، دشمن کے دباؤ باعث ان علاقوں کو (عارضی طور پر) خالی کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ان سپہ سالارانِ افواج نے، ان شہروں کے رہنے والوں سے کہا تھا :

"ہم نے تم سے جزیہ کی یہ رقم اس لیے لی تھی کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے، فی الحال ہم اس ذمّہ داری کو ادا کرنے سے معذور ہیں، لہٰذا تمہارا مال تمہیں واپس کر رہے ہیں۔"

اسلام میں جزیہ کا تصوّر استغلال اور طمع سے بہت بلند ہے۔ یہ رقم صرف ان لوگوں سے لی جاتی ہے جو لڑائی کے قابل ہوں، یا اطمینان سے روزی کما رہے ہوں، اس کی مقدار بھی حد درجہ قلیل تھی، یُوں سمجھنا چاہیئے، کہ جزیہ کی تین قسمیں تھیں : ——

۱ : دولت مندوں سے ۴۸ درہم سالانہ۔

۲ : طبقۂ اوسط سے جس میں، تجارت پیشہ اور کسان بھی شامل تھے، ۲۴ درہم سالانہ،

۳ : صنعت و حرفت کا کام کرنے والوں، یا دوسرے پیشہ وروں سے صرف ۱۲ درہم سالانہ۔

یہ معمولی سی رقم اتنی بھی نہیں کہ اس کا مقابلہ زکوٰۃ سے کیا جا سکے۔ زکوٰۃ ڈھائی روپیہ فی صد لی جاتی ہے، اور جزیہ کے مقابلے میں یہ بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔

فقیر، بچّے، راہب، عابد، گوشہ نشین، اندھے، لُولے لنگڑے، اپاہج،

اور مصیبت زدہ لوگ جزیہ سے مستثنیٰ ہیں ۔ گویا جزیہ لیتے وقت ہر آدمی کی مالی حالت دیکھ لی جاتی ہے ۔ جزیہ کو ان تین حصّوں میں تقسیم کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وصول کرنے اور ادا کرنے میں کسی کو کسی طرح کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے ——

خالدؓ بن ولید نے پادری ناطف سے جو معاہدہ کیا تھا ۔ اس میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں :

"میں نے تم سے معاہدہ کیا ہے کہ جزیہ لوں گا اور حفاظت کروں گا ، اور جزیہ کی رقم ہر کمانے والے پر ہو گی ۔ مال دار پر اسکے حالات کے موافق (لیکن ۴۸ درہم سے زیادہ نہیں) اور تنگ دست پر اس کی برداشت کے مطابق !"

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسلام نے یہ بھی کیا ہے کہ جزیہ ادا کرنے والوں کو جنگی خدمات سے مستثنیٰ کر دیا ہے ، اور جو جزیہ دینے والا جنگی خدمات اپنی مرضی اور خوشی سے بجا لائے اس پر سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے ۔ گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ جزیہ جنگی خدمات نہ بجا لانے کا محض نقد معاوضہ ہے ۔

ذمیّوں کے ساتھ اسلام نے زیادہ سے زیادہ انسانی برتاؤ مرعی رکھا ہے ۔ اگر کوئی ذمّی جزیہ نہ دے سکے ، مفلوک الحال ہو جائے ۔ بھوکا اور محتاج ہو ، تو مسلمانوں کے بیت المال سے اسے وظیفہ ملے گا ۔ خالدؓ بن ولید نے جو عہد نامہ حیرہ والوں کو لکھ کر دیا تھا ۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

"جو شخص محنت مزدوری سے معذور ہو جائے ، یا آفات کا شکار ہو جائے یا دولت مندی کے بعد غریب ہو گیا ہو ، اور اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا ، اور مسلمانوں کے بیت المال سے اس کا ، اور اس کے بیوی بچّوں کا

وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا۔"

جزیہ مقرّر کرنے کا مطلب ذلیل و خوار کرنا ہرگز نہیں ہے اور جزیہ کی آیت میں "صاغرون" (ذلیل و خوار) کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے، اس سے مراد اطاعت اور احکام کی بجاآوری ہے، اس لیے کہ صغار کے لفظی معنی اطاعت کے ہیں۔ اسی لیے بچّہ کے لیے لفظ صغیر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے والدین اور بزرگوں کا مطیع ہوتا ہے۔ اطاعت سے مراد، حکومت کے احکام کی بجاآوری ہے، یعنی جزیہ دینے والا حکومت کے احکام کا بجالانے والا، اور ان کے سامنے سر جھکا دینے والا ہوتا ہے، اور یہ اس لیے ہے کہ حکومت جزیہ دینے والے (ذمّی) کی محافظ اور نگہبان ہوتی ہے۔ اس کی حرّیت فکر و عقائد کی ذمّے داری لیتی ہے۔

قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں مل سکتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اسلام میں جنگ کا مقصد، دوسروں کو اپنا غلام بنا لینا ہے،

قرآن مجید نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیّت کی بھی وضاحت فرما دی ہے :

لا ینھاکم اللہ عن
الذین لم یقاتلوکم
فی الدین و لم یخرجوکم
من دیارکم ان تبرّوھم
و تقسطوا الیھم ان اللہ
یحب المقسطین ، انما ینھا
کم اللہ عن الذین قاتلو
کم فی الدین و اخرجوکم

یعنی :
اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ
نیکی اور انصاف کرنے سے
نہیں روکتا جنہوں نے تم سے
جنگ نہیں کی، تمہیں تمہارے
گھروں سے نہیں نکالا ، بلا شبہ
اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ صرف ایسے (غیر مسلم)

من دیارکم و ظاھروا	لوگوں سے تمہیں دوستی پیدا کرنے
علی اخراجکم ان تولوھم	سے روکتا ہے، جنھوں نے تم
و من یتولھم	سے دین کے بارے میں جنگ کی،
فاولئک ھم الظالمون ،	تمھیں گھروں سے نکالا اور تمہارے
	بے گھر کرانے میں دشمنوں کی مدد کی اور
	جو بھی ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا ،
	تو ایسے لوگ ظالم ہوں گے۔

اس آیۂ کریمہ کا نگاہِ غور سے مطالعہ کریں۔ یاد رہے نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کی آخری آیات میں سے ہے۔ اس میں کتنا واضح مرقع غیر مسلموں سے دوستی اور دشمنی کا پیش کر دیا گیا ہے۔ ایک اور آیۂ کریمہ میں غیر مسلموں کے ساتھ ربط و تعلق کی حد بندی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ کر دی گئی ہے :

الیوم احل لکم الطیّبات	یعنی :
و طعام اللذین اوتوا	آج کے دن تمہارے لیے پاکیزہ
الکتاب حل لکم، و طعامکم	چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، اور اہل
حل لھم و المحصنات	کتاب (عیسائی و یہودی) کا کھانا
من المؤمنات والمحصنات	تمہارے لیے اور تمہارا اُن کے لیے
من الذین اوتوا الکتاب	حلال ہے۔ ایمان والی پاک دامن
من قبلکم اذا اتیتموھن	عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ اسی
اجورھن محصنین	طرح وہ پاک دامن عورتیں تمہارے
غیر مصافحین ولامتخذی	لیے حلال ہیں جن (کی قوم) کو تم سے
اخدان و من یکفر بالایمان	پہلے کتاب دی گئی۔ اگر تم ان کا حق مہر

فقد حبط عمله و ھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔

ادا کردو، ان سے نکاح کرلو۔ زناکاری مت کرو، اور خلوت کے تعلقات مت قائم کرو، اور جو شخص ایمان کے بجائے کفر اختیار کرے گا، اس کا عمل رائیگاں جائے گا، اور قیامت کے دن خسارہ اٹھانے والوں میں اس کا شمار ہوگا۔

آیاتِ مذکورہ بالا سے بہ صراحت معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات میں بھلائی، عدل، تعاون اور مصاہرت (ازدواج) وغیرہ شامل ہیں :

تنظیمِ جنگ اسلام میں

۱۔ عزم و استقلال :

اللہ کے راستے میں مقاتلہ کرنے والوں کے عزم و استقلال (مورال) کو اسلام ابھارتا ہے، ان سے وعدہ کرتا ہے کہ مجاہدین کا ثواب، عاملین کے اجر سے کئی گنا زیادہ ہوگا، اس لیے کہ یہ مجاہد وہ لوگ ہیں جو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس لیے سینہ سپر ہوتے ہیں کہ کمزوروں کو مصیبت سے نجات دلائیں، اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کریں، اور جبروت وطغیان کی مزاحمت اور مقاومت کریں، اور یوں شر اور فساد کے عوامل کو کچل ڈالیں۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے :

فلیقاتل فی سبیل
اللہ الذین یشرون
الحیاۃ الدنیا بالآخرۃ
ومن یقاتل فی سبیل
اللہ فیقتل او یغلب
فسوف نؤتیہ اجرا
عظیما، ومالکم لا
تقاتلون فی سبیل اللہ
والمستضعفین من
الرجال والنساء
والولدان الذین
یقولون : ربنا اخرجنا
من ھذہ القریۃ الظالم
اھلھا، واجعل لنا من لدنک
ولیا، واجعل لنا من لدنک
نصیرا، اللذین آمنوا
یقاتلون فی سبیل اللہ،
واللذین کفروا یقاتلون
فی سبیل الطاغوت فقاتلوا
اولیاء الشیطان، ان کید
الشیطان کان ضعیفا!"

یعنی :
اللہ کے راستے میں ان لوگوں کو مقاتلہ
کرنا چاہیئے، جو آخرت کے بدلے
میں حیاتِ دنیا کا سودا کرنا چاہتے
ہوں، جو خدا کی راہ میں جنگ
کرے، پھر قتل ہو جائے، یا
غالب آجائے، ہم اسے اجرِ عظیم
دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ
خدا کے راستے میں جنگ نہیں
کرتے، حالانکہ مردانِ ضعیف،
خواتین و اطفال اللہ تعالیٰ سے
کہہ رہے ہیں :

اے ہمارے رب! ہمیں
اس بستی سے نکال لے، جس کے
رہنے والے ظالم ہیں، ہمیں اپنی
طرف سے کوئی غمخوار عطا کر، اور
اپنی طرف سے ہمیں کوئی مددگار
عطا فرما، ایمان والے لوگ خدا کے
راستے میں جنگ کرتے ہیں اور کافر
طاغوت کے راستے میں، سو تم طاغوت کے
ساتھیوں سے جنگ کرو، بلاشبہ

کید شیطان کمزور ہے!

اسلام نے ان تمام گوشوں پر چھاپہ مارا ہے جو بزدلی اور دوں ہمّتی پیدا کرنے کے موجب ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو ابھارا ہے کہ وہ حق اور اسلام کی خاطر اور خیر و سعادت کے لیے جنگ کریں، آباء اجداد، آل اولاد، خواہر اور برادر، خاندان اور قبیلہ، مال اور دولت، اور وہ کاروبار جو کساد بازاری کی زد میں ہو اور مساکن، ان میں سے کوئی چیز بھی، مسلمانوں کے اور حُبِ خدا و رسول، اور قربانی اور جہاد کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

قل ان کان آباؤکم
وابناؤکم واخوانکم
وازواجکم وعشیرتکم
واموال اقترفتموھا
وتجارۃ تخشون کسادھا
ومساکن ترضونھا احب
الیکم من اللہ ورسولہ
وجہاد فی سبیلہ
فتربصوا حتی یاتی
اللہ بامرہ واللہ لایھدی
القوم الفاسقین —!

یعنی:

(اے محمدؐ) آپؐ کہہ دیں، کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں، تمھارا قبیلہ، اور تمھارا مال، جو تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم خائف ہو، اور وہ مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تمھیں خدا اور رسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ الٰہی فیصلہ صادر ہو جائے اور اللہ فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

اس طرح کے اسلوب قوی سے اسلام نے عوامل ضعف اور نزعات خوف سے جنگ کی ہے اور امت کے دل میں شجاعت، قربانی اور راہ خدا میں ہر عیش و راحت فنا کردینے کا بیج بویا اور جذبہ پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

انما المومنون الذین	یعنی :
آمنوا باللہ و رسولہ	ایمان والے وہی ہیں جو خدا ، اور
ثم لم یرتابوا وجاھدوا	رسول پر ایمان لائے اور مبتلائے
باموالھم و انفسھم	شک نہ ہوئے اور اپنے مال،
فی سبیل اللہ ، اولئک	اور جان سے خدا کی راہ میں جہاد کیا،
ھم الصادقون !	یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں !

اسلام نے عزم واستقلال کو ابھارنے، اور مورال کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے، ملائکہ کی طرف سے مجاہدین کی امداد کا مطلب صرف مقاتلین کا اطمینان قلب، یعنی عزم واستقلال کا استحکام ہی ہے۔ جیسا کہ مفسرین کے صحیح اور ثقہ اقوال سے ثابت ہے۔

۲- مادّی قوت کا سروسامان :

جنگ کے سلسلے میں اسلام نے دو چیزوں پر بطور خاص زور دیا ہے :

: ایک تو قوت وطاقت کا سروسامان ،

: دوسرے ، رباط کا بندوبست ، یعنی اسلحہ اور سامان ،

قوت میں عدد اور عدت ، دونوں شامل ہیں ، یعنی تعداد اور تیاری ، یاد رکھنا چاہیئے تیاری سے مراد ہر وہ آلۂ جنگ اور وسائل حرب ، رسد ، جنگی مشق وغیرہ ہیں جو فی زمانہ

معروف و معلوم ہیں اور مستقبل میں بھی جن کا پتہ چل سکتا ہے۔

رباط کا لفظ ان تمام چیزوں کو شامل ہے جو سرحدات کی حفاظت اور کمزور مقامات کو دشمن کے حملے سے بچانے کے لیے آج کل معروف و معلوم ہیں۔

اسلام ان دونوں طرح کی تیاریوں پر زور دیتا ہے، تاکہ امن و عافیت برقرار رہ سکے، دشمن اسی طرح مرعوب ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے دل میں کسی کمزور پہلو سے فائدہ اٹھانے کا خیال ہی نہیں آسکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

ودّ الذین کفروا	یعنی :
لو تغفلون عن اسلحتکم	کافر تو یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ
و امتعتکم فیمیلون علیکم	اور سامان سے ذرا غافل ہو تو وہ تم
میلۃ واحدۃ ۔	پر ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑیں۔

اسی طرح اسلام اسلحہ سازی کے لیے معامل حربیہ کا سروسامان بہم پہنچانے کی بھی ترغیب دیتا ہے اور فولاد و آہن کا بطور خاص اس سلسلے میں ذکر کرتا ہے کہ عسکری اغراض کے لیے اس سے استفادہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :

و انزلنا الحدید فیہ	یعنی :
باس شدید و منافع	اور ہم نے لوہا اتارا ، جس میں
للناس و لیعلم اللہ	شدید جنگ کا (زور) بھی ہے اور
من ینصرہ و رسلہ،	لوگوں کیلئے منافع بھی، تاکہ اللہ معلوم کرلے کہ
ان اللہ قوی عزیز ۔	کون اسکی اور اسکے رسل کی مدد کرتا ہے
	بیشک خدا قوی اور غالب ہے۔

۳- جنگ کی عملی تنظیم :

الف : فوجی خدمت سے استثناء

اسلام میں، جندیت (فوجی خدمت) سے معافی صرف "ضعف" کی صورت میں مل سکتی ہے ضعف سے مراد، بیماری، بڑھاپا، عجز اور تنگ دستی ہے۔

اسلام میں جندیت (فوجی خدمت) سے معافی کی کوئی گنجائش اس صورت میں نہیں ہے کہ علمی ڈگری لینے کی تیاری کرنی ہے یا کسی یونیورسٹی سے وابستگی ہے یا حفظ قرآن کریم کی مشغولیت ہے، یا نقد معاوضہ ادا کر کے اپنے آپ کو "مستثنیٰ" کرا لینے کی استعداد ہے یا کوئی شخص کسی بہت بڑے حاکم کا بیٹا ہے۔ جیسا کہ عہد انحطاط و زوال میں دیکھتے رہے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے متصل زمانے میں اس کے بالکل برعکس عمل درآمد رہا ہے۔ قرآن کو (کتابی صورت میں) جمع کرنے کی فکر بھی اسی لیے ہوئی، کہ اسلامی جہاد میں، بہت سے قاری اور حافظ جامِ شہادت نوش کر چکے تھے، اور اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ اگر سب اس سعادت سے سرفراز ہوئے تو کیا ہوگا؟ جنگِ یمامہ میں سب سے زیادہ دلیری اور تہوّر کا مظاہرہ انہی قاریوں اور حافظوں نے کیا اور پیش قدمی کر کے بڑھ بڑھ کے حملے کرتے رہے۔ ان کی پیش قدمی، مظاہرۂ جرأت اور دشمن کی صفوں میں بے دھڑک گھس جانا زیادہ تعداد میں ان کے شہید ہونے کا سبب بنا۔

فوجی خدمت سے استثناء کے بارے میں بھی اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحت فرمادی ہے :

لیس علی الضعفاء،	یعنی :
و لا علی المرضیٰ و لا	کمزوروں، بیماروں اور تنگ دستوں
علی الذین لا یجدون	پر (فوجی خدمت سے استثناء میں)

ما ینفقون حرج اذا نصحوا	کوئی حرج نہیں ہے، اگر وہ اللہ اور
اللہ و رسولہ ،	اس کے رسولؐ کے تابع رہیں۔

ب : اعلانِ جنگ

اسلام اس چیز کو سخت ناپسند کرتا ہے کہ دشمن پر دھوکے سے وار کیا جائے یا غفلت اور بے خبری میں اسے دبوچ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

و اما تخافن من قوم	یعنی :
خیانۃ فانبذ الیھم	اگر آپ کو دشمن سے خیانت اور
علی سواءٍ ، ان اللہ	بدعہدی کا اندیشہ ہو تو پھر برسرِعام
لایحب الخائنین !	معاہدہ ختم کر دیں، اللہ تعالیٰ خیانت
	کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرے یا دھوکا دے، مسلمانوں کے لیے جو اصول اور ہدایت ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ باقاعدہ اعلانِ جنگ کریں۔ پھر میدانِ جنگ کا رخ کریں۔

ج : دعوتِ جہاد

اسلام نفیرِ جہاد پر، لبیک کہنے میں تاخیر اور سستی کا روادار نہیں۔ اس چیز سے وہ ڈراتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :

یا ایھا الذین آمنوا	یعنی :
مالکم اذا قیل لکم	اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا
انفروا فی سبیل اللہ	ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ

اثاقلتم الی الارض؟	خدا کی راہ میں نکل پڑو، تو تم زمین
ارضیتم بالحیاۃ الدنیا	کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا
من الآخرۃ، فما متاع	تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی
الدنیا فی الآخرۃ،	پر راضی ہو گئے ہو؟ پس آخرت
الا قلیل، الاّ تنفروا	کے مقابلے میں دنیا کی زندگی بہت
یعذبکم عذابا الیما	تھوڑی ہے۔ اگر تم (جہاد کے لیے)
ولیستبدل قوما غیرکم	باہر نہ نکلو گے تو خدا تمہیں عذاب
ولا تضروہ شیئا، واللہ	الیم دے گا اور تمہاری جگہ کوئی اور
علی کل شیئ قدیر۔	قوم لے آئے گا۔ تم اس کا کچھ نہیں
	بگاڑ سکتے (یاد رکھو) اللہ ہر چیز
	پر قادر ہے۔

د : عقاب متخلفین

جہاد سے پیچھے رہ جانے والے کے لیے اسلام نے جو سزا تجویز کی ہے اسے ہم عقاب (سزا) نفسی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایسے شخص سے اس کے گھر والوں کو حتی کہ بیوی تک کو قطع تعلق کر لینا چاہیئے، اور عام مسلمانوں کو بھی اس کا بائیکاٹ کر دینا چاہیئے ساری جماعت (مسلمانوں کی) اسے حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں جو کچھ فرمایا ہے،

یہ ہے :

وعلی الثلاثۃ الذین	یعنی :
خلفوا حتی اذا ضاقت	اور ان تین آدمیوں کا جو بچھڑ گئے
علیھم الارض بما	تھے یہ حال ہوا کہ زمین اپنی وسعت

رحبت وضاقت علیہم انفسہم، وظنوا ان لا ملجاء من اللہ الا الیہ ثم تاب علیہم لیتوبوا ،

کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی زندگی بھی ان پر گراں ہو گئی۔ اور وہ باور کرنے لگے کہ خدا کے سوا ان کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ پھر اللہ نے انھیں معاف کر دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع ہوں۔

بے شک ان پیچھے رہ جانے والوں کو اللہ نے معاف کر دیا، لیکن کب؟ پوری سزا دے کر، تاکہ پھر کبھی ایسی چُوک ان سے نہ ہو۔

پیچھے رہنے والے کو جو سزا دی گئی ہے وہ صرف اسی کی ذات تک محدود ہے اس کے گھر والوں، اہلِ خاندان اور بستی والوں پر کوئی عتاب نہیں ہے۔ جیسا کہ اس بیسویں صدی میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ بعض دول کبریٰ ایسے لوگوں کے گھر والوں اور ان کے اہلِ خاندان تک کو سخت ترین سزائیں دے ڈالتی ہیں اور بعض اوقات تو ساری بستی شکنجہ میں آجاتی ہے، اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یا تو بستی والے ایسے شخص کا سراغ لگا کر اسے گرفتار کرائیں، ورنہ خود بھگتیں۔

لا : تطہیر جیش

اسلام کا حکم ہے کہ فوج کو عناصر فتنہ وخذلان سے پاک صاف کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ پورا لشکر ایسے لوگوں پر مشتمل ہو، جو تمام کا تمام ایک ہی مقصد اور عقیدے پر ایمان رکھتا ہو، جسے بروئے کار لانے کے لیے وہ سب کچھ کر گزریں اور اپنی ہر چیز اس راہ میں قربان کر دیں۔ سچ تو یہ ہے کہ صرف اسی طرح جنگ جیتی جا سکتی ہے ـــــ جیسا کہ :

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :

لو کانوا فیکم ما قاتلوا الا قلیلا ! | یعنی : اگر ایسے (ناکارہ لوگ تمھاری فوج میں رہتے پھر لڑائی بس یوں ہی لڑتے۔

و : اسالیبِ قتال

اسلام مواضع دفاع کی پوری تنظیم کرتا ہے، اور اپنے دستوں کو اہم مقامات پر متعین کرتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے :

واذ غدوت من اھلك تبوئ المؤمنین مقاعد للقتال ، | یعنی : اور جب تم صبح کو اپنے گھر سے نکل کر، مومنوں کو مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔

آپؐ نے میدانِ جنگ میں صف بندی کا طریقہ ایجاد کیا، جس سے عرب پہلے بالکل ناواقف تھے۔ صف بندی سے پہلے حملہ کرنے اور پیچھے ہٹ جانے کا دستور تھا۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص ، | یعنی : بلاشبہ اللہ ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

عصرِ حاضر میں بھی صف بندی کو جنگ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

یہ زیادہ محتاط اور محفوظ طریقہ ہے اور سالارِ فوج کی نظر سے ایسی جگہیں بھی اوجھل نہیں ہوتیں جن کی بظاہر کوئی اہمیّت نہیں ہوتی۔

ز : ضبط و نظم

اسلام قیادتِ عامہ کے لیے سمع وطاعت پر ابھارتا ہے۔ اپنے اپنے مقام پر ثابت قدم رہنے اور اسبابِ ناکامی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ خدا اور ایمان کی رسّی مضبوط پکڑے رہنے کی تاکید کرتا ہے۔

چنانچہ فرمایا :

یا ایہا الذین آمنوا
اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا
واذکروا اللہ کثیرا
لعلکم تفلحون،

یعنی :
مسلمانو! جب دشمن جماعت سے تمہارا آمنا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر خوب کرو، تاکہ کامیابی تمہارے ساتھ رہے۔

اسی طرح اسلام نے میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے، اور اس کے بُرے انجام سے بھی ڈرایا ہے۔

پہلے فرمایا :

اطیعوا اللہ ورسولہ
ولا تنازعوا فتفشلوا
وتذہب ریحکم
واصبروا ان اللہ
مع الصابرین۔

یعنی :
اللہ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت کرو، آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

نیز ارشاد فرمایا :

یاایھا الذین آمنوا اذا	یعنی :
لقیتم الذین کفروا زحفاً	مسلمانو! جب کافروں سے میدانِ
فلا تولوھم الادبار	جنگ میں تمہارا آمنا سامنا ہو ، تو
ومن یولھم یومئذٍ	خبردار پیٹھ مت دکھانا اور اس دن
دبرہ الا متحرفاً لقتال	جو پیٹھ دکھائے گا ، بجز اُس آدمی
او متحیزاً الی فئۃ فقد	کے جو جنگی چال چل رہا ہو ، یا اپنی
باء بغضب من اللہ	صف کے ساتھ ملنا چاہتا ہو تو اللہ
وماواہ جھنم وبئس	کا غضب لے کر لوٹے گا - اس کا
المصیر !	ٹھکانا جہنّم ہے اور جہنّم بد ترین
	ٹھکانا ہے - !

م : کتمان یعنی جنگی رازوں کا اخفاء

اسلام نے تنبیہہ کی ہے کہ جنگی اسرار و رموز کا افشاء نہ کیا جائے اور اس طرح کا افشاء منافقوں کی علامت قرار دیا ، اور حکم دیا کہ ایسی تمام باتیں قیادت عامہ (سپریم کمانڈر) کے سامنے پیش کی جائیں - اسی طرح مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ جو خبریں بھی ان تک پہنچیں ان پر یقین یا عمل کرنے سے پہلے خوب اچھّی طرح ان کی چھان بین کر لیا کریں -

جیسا کہ فرمایا :

لئن لم ینتہ المنافقون	یعنی :
والذین فی قلوبھم	اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے
مرض والمرجفون	دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں

فی المدینته لنغرینك بھم ولا یجاورنك فیھا الاّ قلیلاً۔

افواہ کا بازار گرم کرنے والے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے خلاف جنگ کے لیے مستعد کر دیں گے پھر وُہ آپ کی ہمسائیگی میں بہت کم مدت تک رہ سکیں گے۔

قرآن مجید میں مزید ارشاد ہوا ہے :

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہٖ ولو ردّوہ الی الرسول واولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم!

یعنی : جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے، تو اسے مشہور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اسے رسولؐ یا اپنے حاکموں کے پاس لے جاتے تو وہ اصل حقیقت کا سراغ لگا لیتے۔

ط : ھدنہ[1] یعنی التوائے جنگ یا صلح

اگر دشمن مائل بہ صلح ہو تو اسلام کا حکم ہے کہ صلح یا التوائے جنگ کی درخواست

---

[1] : ملاحظہ ہو "قانون حرب وجنگ"

"ھدنہ" سے مراد یہ ہے کہ جنگ آزما طرفین اگر کسی خاص مدت تک جنگ ملتوی کرنے کا فیصلہ کر لیں تو مدتِ مقررہ تک کے لیے جنگ ملتوی ہو سکتی ہے، اور یہ التوائے جنگ کبھی مستقل ہوتا ہے، کبھی جزئی، کبھی کسی مقام تک محدود، یعنی کسی خاص منطقے میں جنگ بند، اور دوسرے میں جاری، اور ہدنۂ عام وہ ہے جو صلح پر مشتمل ہو یعنی تمام مقامات پر جنگ بند ہو جائے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

قبول کر لی جائے۔ بشرطیکہ دشمن کے طرزِ عمل سے صدق و وفا آشکار ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللّٰہ انه هو السمیع العلیم، وان یریدوا ان یخدعوك فان حسبك اللّٰہ هو الذی ایدك بنصرہ وبالمومنین !

یعنی : (اے محمدؐ) اگر دشمن مائل بہ صلح ہو تو آپؐ بھی ایسا ہی کریں، اور اللہ پر بھروسہ کریں۔ بلاشبہ وہ سمیع و علیم ہے اور اگر وہ آپؐ کو دھوکا دینے کی تدبیر کریں گے تو اللہ کافی ہے۔ وہ خدا ہی ہے جس نے خود آپؐ کی اور مومنوں کی (ایسے مواقع پر بھی) مدد فرمائی۔

ی : اسیرانِ جنگ

اسلام نے سالارِ عسکر کو اس امر کا اختیار دیا ہے کہ اسیرانِ جنگ کو اگر چاہے، تو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸ :

شرط ہدنہ اور اس کے علامات :

ہدنہ کا انعقاد تحریری طور پر ہوتا ہے، لیکن اگر زبانی طور پر ہو جائے تو بھی کسی آئین و قانون کی رُو سے وہ ناجائز نہیں۔ معاہدۂ ہدنہ میں صلح کی ابتداء اور انتہا کا ذکر ضروری ہے۔ اعلانِ ہدنہ کے بعد جنگ بند ہو جائے گی، اور شرائط واضح عبارت میں تحریر کیے جائیں گے۔

نقضِ ہدنہ اور اس کا اختتام :

شارحین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر طرفین میں سے ایک معاہد کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرے تو معاہدہ ٹوٹ جائیگا اور (باقی اگلے صفحہ پر)

بطور احسان آزادی عطا کر دے، یا فدیہ لے کر چھوڑ دے، فدیہ مالی بھی ہو سکتا ہے اور جنگی قیدیوں کے تبادلے کی صورت میں بھی، غرض موقع اور محل کے مطابق جو اقدام بھی وہ مناسب سمجھے کر سکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے :

فاذا لقیتم الذین کفروا	یعنی :
فضرب الرقاب، حتیٰ	جب کافروں سے جنگ کے میدان
اذا اثخنتموھم فشدوا	میں تمہاری مڈبھیڑ ہو تو ان کی گردن
الوثاق فاما منًا	ماردو، یہاں تک کہ تم ان کا خون گراؤ
بعد فاما فداء ،	اور جکڑ لو۔ پھر اس کے بعد چاہو تو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹ :

طرفِ ثانی کو حق حاصل ہے کہ وہ معاہدے کو ٹوٹا ہوا سمجھ کر جنگ شروع کر دے۔

ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ اگر ایک طرف سے شرائط ہدنہ کی خلاف ورزی ہو تو طرفِ ثانی کو، اس امر کی پوری آزادی ہے کہ اعلانِ جنگ کیے بغیر جنگ شروع کر دے۔

لیکن آئینِ جنگ وحرب کے جدید ماہرین کا خیال ہے کہ طرفِ ثانی کے لیے ضروری اور ناگزیر ہے کہ وہ طرفِ ثانی کے نقضِ عہد، اور خلاف ورزئ شرائط کا اعلان بھی کرے۔ اور اپنی طرف سے شرائط ہدنہ توڑنے اور جنگ شروع کرنے کا اعلان کر دے۔

مدتِ ہدنہ جب ختم ہو جائے تو التوائے جنگ کی شرط خود بخود ساقط ہو جائے گی اور طرفین کو جنگ جاری رکھنے کی پوری پوری آزادی ہوگی۔

لیکن اگر ہدنہ کی مدت معین نہ کی گئی ہو، تو جب بھی طرفین میں سے کوئی ایک معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا، تو طرفِ ثانی کو اس امر کا پورا حق ہے کہ وہ اعلانِ جنگ کرنے کے بعد لڑائی شروع کر دے۔

ازراہِ احسان انہیں رہا کردو، یا فدیہ
لے کر رہا کردو۔

ک : معاہدات کا احترام

اسلام نے اس بات پر بہ طور خاص زور دیا ہے کہ معاہدات کا پورا پورا احترام کیا جائے، معاہدے پر عمل درآمد میں خیانت اور خلاف ورزی کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ اور نقضِ عہد کو بدترین فعل قرار دیا ہے اور اس امر کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ معاہدے کا مقصدِ حقیقی امن اور سلامتی کو بحال کرنا ہے۔ خواہ حالات کتنے ہی اضطراب انگیز اور تشویشناک کیوں نہ ہوں اور اس بات سے خبردار کیا ہے کہ معاہدے پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے۔ اور کسی کو، کسی طرح کا مالی نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ کمزوروں اور ضعیفوں پر حملہ کیا یا انہیں تنگ کیا جائے۔ نہ ان کے حقوق سلب کیے جائیں۔

جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے :

واوفوا بعهد الله	یعنی :
اذا عاهدتم ولا تنقضوا	اور جب تم عہد کرلو، تو خدا کے
الایمان بعد توکیدها	عہد کو ٹھیک سے پورا کرو، اور
وقد جعلتم الله علیکم	عہد پختہ ہوجانے کے بعد ہرگز
کفیلا، ان الله یعلم	اسے مت توڑو، بلاشبہ تم نے
ما تفعلون، ولا تکونوا	خدا کو اپنے اوپر کارساز بنایا ہے۔
کالتی نقضت غزلها	جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے
من بعد قوة انکاثا،	(اچھی طرح) جانتا ہے، اور تم اس
تتخذون ایمانکم	عورت کی مانند نہ ہوجاؤ جس نے
دخلا بینکم ان	اپنا سوت مضبوط کاتا، اور اسے

تکون امۃ ھی اربی من امۃ ،! | توڑ دیا۔ تم اپنی قسم (عہد) کو دھوکہ دینے کا بہانہ مت بناؤ، کہ کسی جماعت کو دوسری جماعت سے زیادہ فائدہ پہنچ جائے۔

جندیت (فوجی بھرتی) کے شرائطِ قبول

مسلمانوں کی فوج میں کوئی شخص اس وقت تک بھرتی نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک شرائط ذیل نہ پائے جائیں :

۱۔ بلوغ یعنی اُمیدوار کا عاقل و بالغ ہونا :

بالغ ہونے کے لیے سولہ سال کی عمر کا اعتبار کیا گیا ہے، جیسا کہ موجودہ زمانے میں بھی اکثر حکومتوں نے یہی عمر منظور کی ہے۔

سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہونے کے لیے صرف مرد ہی کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ بالغ عورتیں بھی بھرتی ہو سکتی ہیں [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات میں بہ نفس نفیس عورتوں کو لے کر تشریف لے جاتے تھے، بلکہ قرعہ اندازی کر کے ازواجِ مطہرات میں سے بھی کسی کو ساتھ لے جاتے تھے۔

---

[۱] : جنگ میں عورتوں کے فرائض یہ ہیں :-

۱ : سپاہیوں کے کھانے کا بندوبست کرنا۔

۲ : بیماروں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کرنا۔

۳ : زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھا کر لے جانا۔

۴ : اور اگر انتہائی حالات پیش آجائیں تو عملی طور پر جنگ میں بھی حصہ لینا۔

خلفائے راشدین اور امویوں کے زمانے میں کسی نے بھی جنگ میں عورتوں کی شرکت پر اعتراض نہیں کیا ——— پھر عباسیوں کے عہد میں بعض ایسے فقہاء نمودار ہوئے، جو فکرِ جامد کے حامل تھے۔ انہوں نے جنگی خدمات کی شرائط میں ایک مزید پانچویں شرط کا اضافہ کر دیا ——— اور وہ تھی سپاہی کا "مرد" ہونا۔ اس طرح ان لوگوں نے فوج کو ایک اہم اور فعّال عنصر سے محروم کر دیا۔ جس سے فوجیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو سکتا تھا، اور ان کی ہمّتیں بھی بڑھ سکتی تھیں۔

۲- اسلام :

تاکہ بلادِ مسلمین کا دفاع اور تحفّظ جذبۂ صادق، اور اخلاص کی بناء پر کیا جا سکے،

۳- جسمانی صحّت :

جو سپاہی تندرست اور توانا ہو تو وہ عقلِ سلیم سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے۔ شرائطِ صحّت کے خلاف جو چیزیں ہیں ان میں :- بیماری اور نابینائی، وغیرہ بھی شامل ہیں۔

۴- پیش قدمی :

بغیر اس کے ممکن نہیں کہ سپاہی کا جسم مضبوط اور توانا ہو، جنگ سے واقف ہو، ہتھیاروں سے کام لینے کے فن سے بھی لاعلم نہ ہو، سفر کی صعوبت اور مشقّت برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو، بزدل نہ ہو۔

نفیرِ جنگ

نفیرِ عام :


دشمن نے جب اسلامی مقبوضات پر حملہ کر دیا ہو، اس وقت جہاد کی نفیرِ عام ہوتی ہے، اس جہاد سے کسی مسلمان کو پیچھے رہنے کی کسی قیمت پر بھی اجازت نہیں ہے۔ اور اگر وہ پیچھے رہے گا تو منافق قرار دیا جائے گا، اور حد درجہ سنگین سزا کا مستوجب اور مستحق قرار دیا جائے گا ——— یہ صُورت ہے حالتِ دفاع کی۔

اس صورت میں جہاد فرضِ عین ہے، جیسا کہ فقہاء کرام نے وضاحت کی ہے، نفیرِ عام کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو جنگ اور ہتھیار اٹھانے پر قادر ہو، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میدان میں اُتر آئے۔

نفیرِ خاص :

دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان خود دشمن پر حملہ آور ہونے کا قصد کریں۔ ایسی صورت میں دشمن کے مقابلے اور مقاتلے کے لیے مسلمان گروہوں کو میدانِ جنگ میں طلب کیا جائے گا، یہ نفیرِ خاص ہے۔

نفیرِ خاص کی صورت میں جہاد فرضِ کفایہ ہے، یعنی ہر شخص شریکِ جنگ ہونے پر مجبور نہیں ہے۔


بحیرہ ابیض
دمشق
تدمر
جابیہ
بصرا
موتہ
مدائن
حیرہ
کوفہ
لخم
تنوخ
بصرہ
ابلہ
خلیج فارس
بحرین
طی فدک
تبوک
تیماء
نجد
حجاز
خیبر
مدینہ
بدر
ہوازن
کندہ
سلیم
مکہ
ہذیل
عمان
بحیرہ احمر
یمن
مارب
صنعاء
حضرموت
عدن
بحیرہ عرب
ظہورِ اسلام کے وقت
عرب علاقے

خلاصۂ کلام

اسلام میں عملی اور نظری اعتبار سے جنگ کی نوعیّت کیا ہے؟ اس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں ہم نے کردی، اب ہم دیکھیں گے کہ جہادِ رسُول ؐ میں ان اصولوں پر کیونکر عمل درآمد کیا گیا؟

اس سے یہ بات واضح ہو جائے گی جنگ کسی ناگزیر اور ضروری موقع ہی پر جائز رکھنا ہے مثلاً حمایت، حریتِ توحید : یعنی وحدت الٰہ اور وحدت ناس۔

اسلام ایسی جنگ کا کسی طرح بھی قائل نہیں ہے جس کی بنیاد عصبیتِ عنصریہ (قومی) ہو اس طرح اسلام ان جنگوں کا بھی قائل نہیں ہے جو ذاتی یا قومی مطامع اور منافع پر مبنی ہوں۔ مثلاً حروب استعمار و استغلال (غلام بنانا) اور اماکن و مساکن پر قبضہ و تسلّط، وسائل اور ذرائع پر قبضہ، اسی طرح اسلام ان جنگوں کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ جنہیں اصحاب اقتدار و اختیار اپنے شخصی مغانم و منافع کے لیے برپا کرتے ہیں۔

اسلام میں مرکزی نقطہ امن اور سلامتی ہے، اور جنگ صرف خاص اور مستثنیٰ، حالات میں جائز ہے۔

جنگ سے پہلے

کم من فئتہ قلیلۃ غلبت
فئتہ کثیرۃ باذن اللہ
واللہ مع الصابرین ۔

القرآن الکریم

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں، جو حکم خدا سے
بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں، اور اللہ صبر
کرنے والوں کے ساتھ ہے ؛

عام عسکری مؤقف

مُسلمان ....،

۱- اسلام کی مخفی تبلیغ :

قوت وطاقت کا سروسامان بہم پہنچانے کا کام حقیقتہً اسی دن سے شروع ہو چکا تھا۔ جب پہلے پہل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تھی۔ آپؐ نے لوگوں کو توحید الٰہی اور تزکیہ وتطہیر نفوس کی دعوت دی۔ آپؐ کی دعوت وحدتِ صفوف بھی تھی، نیز کہ جماعت کی مصلحت پر فرد کی مصلحت قربان کر دینی چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسلام اپنے آل بیت، اور ایسے وفادار دوستوں کے سامنے پیش کیا۔ جن پر آپؐ کو اعتمادِ کلی تھا۔ یہ دعوت ان ممتاز، اور برگزیدہ ہستیوں نے قبول کرلی، جنہوں نے جیش مسلمین کا آغاز کیا۔

تین سال تک متواتر اسلام کی دعوت مخفی طور پر جاری رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا :

وانذر عشیرتک الاقربین ،	یعنی : اپنے قریبی رشتے داروں کو (خدا سے) ڈراؤ۔

☸ ☸ ☸

۲- علانیہ دعوتِ اسلام کا آغاز :

اب قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ اسلام کی دعوت دینا شروع کی۔ قریش کی طرف سے اس دعوت کے جواب میں خصومت و عداوت کا اظہار ہُوا۔ جیسے جیسے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، قریش کی دشمنی اور خصومت میں اضافہ ہوتا گیا۔

قریش کی نظر میں مسلمانوں کا یہ گروہ باغیوں اور سرکشوں کا گروہ تھا، حرمِ کعبہ کے دارالامن میں بھی انہوں نے مسلمانوں کا خون حلال قرار دیا، ان کا مال لُوٹا، اور ان کے کمزوروں اور ناچاروں کو ستایا۔ ان کمزوروں اور ناچاروں کا کوئی یار و مددگار نہ تھا جو اُن کی مدد کرتا۔ اور ان کی طرف سے دفاع کرتا، اور ظلم و جور سے انہیں بچاتا۔

عمارؓ بن یاسر، ان کے والد، اور والدہ نے اسلام قبول کرلیا، مشرکین دوپہر کی تپتی ہوئی دھوپ، اور دوپہر کی شدید گرمی کے عالم میں کھُلے میدان میں لے جاتے، اور رُوح فرسا اذیتیں دیتے، یاسرؓ ان مظالم کی تاب نہ لاسکے، اور وفات پاگئے۔ ان کی بیوی یعنی عمارؓ کی والدہ نے ابوجہل سے درشت کلامی کی۔ اُس نے انہیں ایک نیزہ مارا جس سے وہ بھی شہید ہوگئیں۔

بہت سے مسلمان اسی طرح کی سزاؤں کا ہدف بنتے اور انہیں اسی انجام سے دوچار ہونا پڑتا۔

قریش نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کا تمسخر اور استہزاء کا برتاؤ شروع کردیا۔ انہوں نے آپؐ کو جادوگر، کاہن، شاعر اور دیوانے کے لقب سے یاد کیا۔

حج اور زیارت یا دوسرے اغراض و مقاصد کے ماتحت جو قبائل مکّہ مکرمہ میں وارد

ہوتے، ان کا استقبال قریش کی ایک جماعت کرتی، اور انہیں محمدؐ اور ان کی دعوت سے متنفّر کرنے کی کوشش کرتی۔

لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان زائروں کے پاس برابر جاتے رہتے، اور اصحابِ قریش کی موجودگی میں انہیں اسلام کی دعوت دیتے، اور اس دعوت کی حمایت کے طلب گار ہوتے۔

جب قریش کی مخالفت نے انتہائی شدید صورت اختیار کر لی۔ تو آپؐ نے اپنے بعض صحابہ کرامؓ، اور کچھ ضعیف لوگوں کو اجازت دی کہ حبش کی طرف ہجرت کر جائیں۔ یہ واقعہ ۵ھ نبوی کا ہے۔

قریش نے جب دیکھا کہ اسلام پھیلتا چلا جا رہا ہے، تو قریش نے باہمی طور پر ایک معاہدہ کیا، جس کی رُو سے مسلمان، اور جو اُن کے دین کو پسند کرتا ہو، یا جو اُن سے ہمدردی رکھتا ہو، یا ان میں سے کسی کی حمایت کرتا ہو، سب کو ایک ہی طرح کی جماعت قرار دیا۔ اس جماعت سے نہ خرید و فروخت کی جا سکتی تھی، نہ اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی جا سکتی تھی، نہ ان لوگوں سے رشتہ و پیوند کے تعلقات قائم کیے جا سکتے تھے، نہ یک طرفہ، نہ دو طرفہ، یہ معاہدہ باقاعدہ معرضِ تحریر میں آیا اور اسے خانۂ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا گیا۔ اس معاہدے پر اس سختی سے عمل درآمد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی شعب (گھاٹی) بنی ہاشم میں عزلت گزیں ہونے پر مجبور ہو گئے، عبدالمطلب کا تمام خاندان، کیا مؤمن، کیا کافر، بجز ابولہب کے مسلمانوں کے ساتھ دکھ جھیلنے میں شریک تھے۔ ابولہب نے قریش کی تائید و حمایت کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے لوگوں کی مخالفت میں بھی اُن کے ساتھ رہا۔

مسلمانوں کا یہ محاصرہ شدید سے شدید تر ہوتا گیا، غذا، لباس، ہر چیز کی کمی شدّت سے محسوس ہونے لگی، اور مسلمانوں کی بے بسی اور مصیبت بھی نقطۂ عروج کو پہنچ گئی، لیکن قریش

اپنی مخاصمت اور عداوت میں ثابت قدم تھے۔ وہ برابر مسلمانوں پر زیادتیاں کرتے رہتے۔ ہر موقع سے فائدہ اٹھاکر، اور ہر جگہ وہ عربوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے۔

کامل تین سال تک مسلمانوں نے یہ دُکھ جھیلے۔ آخر قریش کے بعض افراد کے ضمیر جاگے۔ انہوں نے یہ معاہدہ ردّ کردیا۔

۳۔ بیعت عقبۂ اولیٰ :

قبیلۂ اوس میں سے سوید بن صامت حج کے ارادے سے مکّہ آئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جالیا، اور اسلام کی دعوت دی۔

سوید نے کہا :

"بات تو کچھ دل کو لگتی ہے!"

اس کے بعد وہ مدینہ چلا گیا، اور جو کچھ سُن کر گیا، اپنی قوم کو سُنادیا، لیکن جنگِ بُعاث میں قتل ہوگیا، جب کہ قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج کے مابین مدینہ میں لڑائی ہوئی تھی۔

موسم حج میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر سے آنے والے قبائل پر اسلام پیش کیا، عقبہ کے قریب خزرج کے سات آدمی آپؐ کو نظر آئے۔ آپؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، اور انہوں نے قبول کرلی، اور آپؐ کے نبی برحق ہونے کی تصدیق کی۔

مدینہ منورہ واپس جاکر انہوں نے اپنے اہلِ قبیلہ کو اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ بتادیا، اور اُنھیں بھی اسلام کی دعوت دی، اس طرح مدینہ منورہ میں اسلام کی اشاعت ہونے لگی۔

اس واقعہ کے ایک سال بعد موسم حج میں، مدینہ منورہ سے بارہ آدمی مکہ مکرمہ میں

وارد ہُوئے۔ عقبہ کے مقام پر یہ لوگ آپؐ سے ملے اور آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کرلی۔ جن امُور پر بیعت کی، وُہ یہ تھے :

- خدائے واحد و یکتا پر ایمان ،
- فضائل اعمال پر، مقدور بھر عمل کرنے کی کوشش ،
- رذائل سے اجتناب اور زیادہ سے زیادہ پرہیز ،

ان لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعبؓ بن عمیر کو تبلیغ اسلام کے لیے ساتھ کردیا۔ وہ باشندگانِ مدینہ کو قرآن پڑھ کر سناتے، دین کی باتیں سکھاتے۔ نیکی اور بھلائی کی تلقین کرتے، اس طرح اہلِ مدینہ کی ایک معقول تعداد حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئی۔

بیرونِ مکہ، بیعت عقبۂ اولی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی عسکری کامیابی تھی۔ کیونکہ یثرب (مدینہ) میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا، اور یہاں آپؐ کے لیے ایک ایسا لشکر تیار ہونے لگا، جس پر، جنگ میں اور نازک اوقات میں بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔

۴۔ بیعت عقبۂ ثانیہ :

جب مدینہ میں اسلام پھیل گیا، تو وہاں کے ستّر آدمی، اپنے مشرک ساتھیوں کے ساتھ موسمِ حج میں واردِ مکہ ہوُے۔ یہ فیصلہ کرکے آئے تھے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی باریاب ہوں گے، چنانچہ واردِ مکہ ہوُئے تو انھوں نے آں حضرتؐ سے طے کیا کہ رات کے وقت عقبہ میں اطمینان سے ملاقات اور بات چیت ہوگی۔

جب تہائی رات گزرگئی، تو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی صورت میں یہ سب لوگ عقبہ کے مقام پر آکر جمع ہوگئے۔ ان میں اوس اور خزرج کے ستّر آدمی تھے۔ ان کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں۔ نسیبہ بنتِ کعب یعنی اُمِ عمارہؓ، اور اسماء، اُمِ عمرو بن عدی، اسی وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جگہ تشریف لائے، آپؐ کے ساتھ آپؐ کے چچا عباس بھی تھے

انھوں نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، لیکن بھتیجے کے بارے میں اطمینان حاصل کر لینا چاہتے تھے کہ اسے کوئی گزند تو نہ پہنچے۔

گفتگو کا آغاز پہلے عباسؓ کی طرف سے ہُوا، اس کے بعد آں حضرتؐ نے گفتگو کی، اور قرآن پڑھ کر سنایا، اور اسلام قبول کر لینے کی ترغیب دی۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا :

"میں تم سے اس امر کی بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنی خواتین اور اولاد کی کرتے ہو!"

حاضرین نے اس پر آپؐ کی بیعت کر لی، اور کہا :

"ہم بالکل اسی طرح آپؐ کی حفاظت کریں گے، جس طرح اپنی عورتوں، اور بچّوں کی کرتے ہیں، اے اللہ کے رسُولؐ ہماری بیعت قبول فرمایئے۔ خدا کی قسم ہم زبردست جنگ جُو اور ہتھیار والے ہیں، یہ دونوں چیزیں ہمیں اپنے اسلاف سے وراثت کے طور پر ملی ہیں!"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے میں سے بارہ نقیب چُن لو۔ ان لوگوں نے نو آدمی خزرج کے اور تین اوس کے منتخب کر لیے۔ اس طرح بیرونِ مکّہ آپؐ کے متبعین کی تنظیم کا آغاز ہُوا۔

مشرکین میں سے ایک شخص، جو کہ حاجیوں کے منازل اور خیموں کا گشت لگاتا رہتا تھا۔ اُوپر سے گزرا، اور اُس نے یہ باتیں سُن لیں جو اس موقع پر اس اجتماع میں ہوئی تھیں وہ زور زور سے پکارنے لگا، اور اہلِ مکّہ کو ڈرانے لگا :

"محمدؐ اور اُنؐ کے ساتھی مکّہ والوں سے جنگ کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔"

اس راز کے انکشاف سے بیعت کرنے والوں پر نہ ہراس طاری ہُوا، نہ خوف،

انہوں نے ذرا بھی پروا نہ کی، بلکہ تلوار سونت کر، اہلِ مکّہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے روکا۔ اور فرمایا :

"تم اپنے خیموں میں چلے جاؤ۔ ابھی اللہ تعالیٰ نے جنگ کی اجازت ہمیں نہیں دی ہے۔"

جب صبح ہوئی، تو قریش کے کچھ لوگ، یثرب کے حاجیوں کے پاس آئے، اور گویا ہوئے :

"اے معززخزرج ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم ہمارے اس آدمی سے ملے ہو، اور ہم سے جنگ کرنے کے لیے اسؐ کے ہاتھ پر بعیت کر رہے ہو؟ خدا کی قسم عرب کا کوئی قبیلہ بھی ایسا نہیں ہے، جس سے ہم جنگ کرتے کتراتے ہوں بجز تمہارے!"

لیکن خزرجیوں کے وہ مشرک ساتھی، جنہیں بعیت اور اس سارے ماجرے کا ذرا علم نہ تھا، قریش کے سامنے قسم کھا گئے کہ یہ محض ایک گپ ہے۔ ہمیں نہ اس کی کوئی اطلاع ہے، نہ درحقیقت ایسا واقعہ رُونما ہُوا ہے، قریش نے ان کی بات سچ مان لی۔

بعیت عقبۂ ثانیہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور بہت بڑی عسکری کامیابی تھی۔

۵ - مدینہ میں ہلچل :

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت مرحمت فرمادی کہ وُہ اپنے بھائیوں کے پاس مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں۔ مسلمان اپنا مال، اور اہل و عیال یہیں چھوڑ کر مدینہ کی طرف کوچ کرنے لگے۔

دارالامن میں قریش کے اصحاب فکر و تدبیر کی مجلس بیٹھی، ان لوگوں نے باہمی

گفت وشنید کے بعد طے کیا کہ قریش کی ہر شاخ میں سے ایک نوجوان، بہادر اور توانا آدمی چھانٹا جائے، پھر ان نوجوانوں کو زبردست کاٹ رکھنے والی تلواریں دی جائیں، اور انہیں اس کام پر مامور کیا جائے کہ اجتماعی طور پر قاتلانہ حملہ آپؐ پر کریں۔ اس سے جو فائدہ مدِ نظر تھا، وہ یہ تھا کہ آپؐ کا خُون قریش کے تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا، اور بنو ہاشم، جملہ قبائل قریش سے آپؐ کے قصاص کے لیے جنگ کرنے کا حوصلہ کہاں سے لائیں گے، آخر وہ مجبُور ہوں گے کہ دیت (خون بہا) لے کر معاملہ ختم کر دیں۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی اس سازش کا علم (خدا کی طرف سے) ہو گیا۔ اور قبل اس کے کہ اس تجویز کو وہ عملی جامہ پہنائیں۔ آپؐ ابوبکرؓ کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے۔ اور بالکل صحیح سلامت وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ قریش نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ آپؐ کو گرفتار کرنے کی کوشش کی۔

مدینہ منورہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا مطلب یہ تھا کہ میرِ سپاہ اپنی فوج کے پاس محفوظ مقام پر پہنچ گیا۔

۶۔ سر و سامان :

(الف) مسجد کی تعمیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک موزوں مقام پر مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے پر عملدرآمد بھی شروع ہو گیا۔ آپؐ خود بھی اپنے صحابہؓ کے ساتھ اینٹ، پتھر اور مٹی اپنے کندھے پر لاد کر لانے میں برابر کے بلکہ کچھ زیادہ کے شریک تھے، اس طرح مسجد کی تعمیر اختتام کو پہنچی۔

مسجد کی تعمیر سے اسلام کے لیے مدینہ منورہ میں اسلام کا پہلا مرکز، تکمیل پذیر ہو گیا۔

(ب) بھائی چارہ :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، اپنے مہاجر اور انصار اصحاب کے مابین مواخات، (بھائی چارا) قائم کی۔ ان لوگوں نے اپنا سامان زندگی برابر تقسیم کر لیا اور ایک مقصدِ خاص کیلئے یک جان دو قالب بن گئے۔

عبدالرحمان بن عوف کو سعد بن ربیع کا بھائی بنایا گیا۔

سعد نے عبدالرحمان بن عوف سے کہا :

"میں انصار میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں، اپنے مال کو دو۲ حصوں میں تقسیم کر دیتا ہوں، میری دو۲ بیویاں ہیں۔ انہیں دیکھ لیں۔ جو پسند آجائے، اسے طلاق دے دوں گا۔ بعد از عدّت اس سے نکاح کر لیں۔"

یہ مثال ہے اس ایثار کی جو اس اخوّتِ باہمی کا نتیجہ تھا۔

جنگِ بدر کے بعد تک اخوّتِ باہمی کا یہ معاہدہ حقوقِ قرابت پر مقدّم سمجھا جاتا رہا، اور حقیقی قرابت داروں کے بجائے، میّت کے وارث یہ اسلام کے بنائے ہوئے بھائی ہوتے تھے، جب مسلمانوں کی جماعت خوب مضبوط ہو گئی۔ تو معاہدۂ اخوّت کے ماتحت ایک دوسرے کی وراثت باطل قرار پائی، اور پھر حقیقی قرابت داروں کی طرف راجع ہو گئی۔

اس اخوتِ باہمی نے مسلمانوں کو بالکل یک جان کر دیا تھا، یہ ایک ہی مقصد کے لیے سرگرم عمل تھے اور ایک ہی قائد کے فرماں بردار تھے۔

(ج) معاهدات :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور مشرکین و یہودِ مدینہ کے مابین ایک عہد نامہ صلح و امن مرتب کیا۔ جس کی رُو سے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا، اور اُن کے

جان و مال سے تعرض نہ کرنے کا عہد کیا گیا۔

اس معاہدے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے رہنے والے تمام مسلمانوں، مشرکوں اور یہود کی اجتماعی، اقتصادی اور عسکری زندگی کو "قومی" حیثیت سے منظم فرمایا ہے۔

آپؐ نے اس معاہدے کے مطابق اقتصادی زندگی میں بھی تنظیم پیدا کی ہے۔ ایک محتاج اور نادار شخص اپنی معیشت اور قرضے کے ادا کرنے میں، فدیہ اور دیت کا مطالبہ پورا کرنے میں، ایک دولت مند سے اعانت حاصل کر سکتا ہے۔

اقتصادی زندگی کی طرح آپؐ نے اس معاہدے کی رُو سے، اجتماعی زندگی میں تنظیم پیدا کی ہے، یعنی پڑوسی اپنے پڑوسی کی عزّت کرے گا، اور باشندگانِ مدینہ، مدینہ میں، قتل، بے ایمانی اور دھوکے سے مطمئن ہو کر زندگی بسر کریں گے اور کوئی کسی کا مقروض ہے تو قرض خواہ اپنی رقم لے سکتا ہے۔ مجرم اپنے جرم کی سزا ہر حالت میں پائے گا۔ اس کی تعزیر و عقوبت میں کسی کو حائل ہونے کا حق اور اختیار نہیں ہوگا۔ صفوف میں تفرقہ پیدا کرنے کی کسی بھی سبب اور علت کے باعث کسی کو اجازت نہیں ہوگی۔

معاہدے کے یہ دونوں پہلو، یعنی اقتصادی اور اجتماعی بخوبی واضح ہیں، اور معاہدے کے الفاظ سے ان کا مفہوم خود بخود نمایاں ہو رہا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اس معاہدے کا سب سے اہم حصّہ عسکری ہے۔

اس معاہدے میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ درج ہے کہ مدینہ کے رہنے والوں کے ——— یعنی مسلم اور غیر مسلم سب کے ——— رہبر اور قائد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ اس میں مسلمان، مشرک اور یہودی کسی میں بھی تفریق اور تمیز روا نہیں رکھی گئی ہے۔ تمام امور اور معاملات آپؐ کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔ اور یہ آپؐ کا کام ہے کہ ہر اس اختلاف میں جو سکانِ مدینہ کے درمیان واقع ہو۔ آپؐ اپنا

قطعی اور آخری فیصلہ صادر فرمائیں۔ اس اعتبار سے آپؐ کی حیثیت مدینہ میں قائدِ عام کی ہوگئی۔

معاہدے کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اہلِ مدینہ متفقہ طور پر اس حملے کا مقابلہ کریں گے جو باہر سے کیا جائے گا۔ معاہدے کی اس شق کے اعتبار سے اہلِ مدینہ کی صفوں میں وحدت پیدا ہوگئی اور وہ ایک ہی مقصد کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔

اس معاہدے کی رُو سے مدینہ کے کسی مشرک کو اس کی اجازت نہیں تھی کہ قریش کے کسی آدمی کو، یا اس کے مال و دولت کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے سکے۔ جنگ کی صورت اگر پیدا ہو، اور مسلمان مصروف حرب و پیکار ہوں تو یہود کا فرض ہوگا کہ جب تک جنگ ختم نہ ہو جائے۔ یہود مسلمانوں کی رسد (سامانِ خوراک) کی فراہمی کے ذمّہ دار ہوں گے، معاہدے کی یہ شق اس امر کی غمّاز تھی کہ قریش اور مسلمانوں کے مابین کبھی اور کسی وقت بھی جنگ کا آغاز ہو سکتا ہے۔

اس معاہدے کی رُو سے دینی اور مذہبی اختلاف کے باوجود، دشمن کے خلاف ایک متحدہ جماعت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدے کے ماتحت بہت بڑی قوت حاصل کر لی۔ اور اس طرح دفاع اسلام کا سر و سامان بہم پہنچایا۔

۷۔ نتائج :

اس معاہدے کا نتیجہ یہ ہُوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مامون زندگی بسر کرنے، اور قوت و طاقت، اور وسائل عسکری کو فراہم کرنے میں اچھی طرح کامیاب ہو گئے ساتھ ہی ساتھ مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی اختلافات کے باوجود دفاع وطن کے لیے سب کو متحد اور صفِ واحد بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ بیرونی حملے، اور غارت گری،

کے خلاف بھی، اور داخلی اختلافات کا تصفیہ اور فیصلہ کرنے میں بھی۔

علی الرغم اس بات کے کہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود صرف مسلمان ہی جیش رسولؐ کی حیثیت رکھتے تھے، اور دشمن کی غارت گری یا حملے کے وقت صرف اسی جیش پر آپؐ اعتماد کر سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دلوں میں عقیدۂ راسخ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ لوگ اس عقیدے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان کے سامنے ایک مقصد اور نصب العین تھا جو بالکل صاف اور واضح تھا اور مسلمان اس کے تحفّظ، اور دفاع کے لیے اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے۔

جو مقاصد مسلمانوں کے پیش نظر تھے، یہ تھے :

- بیرونی حملوں سے اسلام کا دفاع اور اس کے قیام وبقاء کے لیے، سر دھڑ کی بازی لگا کر جدوجہد۔
- تبلیغِ اسلام کی آزادی حاصل کرنے میں پوری پوری کامیابی۔
- چنانچہ دفاعِ اسلام، اور تبلیغ اسلام کی آزادی کے راستے میں کوئی قربانی نہ ان کے لیے گراں تھی، نہ کوئی عمل ارزاں۔

اب وقت آ گیا تھا کہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا لشکر مرتب کریں، جو ایک ہی قائد (سالار) کا حکم بجالاتا ہو —— اور ایک مضبوط ومحکم اصول پر عامل ہو۔ مسلمانوں نے یہ سروسامان فراہم کر لیا، اور اپنے عزم واستقامت سے یہ کیفیت اپنے اندر پیدا کر لی۔ وُہ تعداد میں بہت کم تھے، لیکن اب اس قابل ہو چکے تھے کہ اگر کسی وقت جنگ کا بگل بجے، تو کامیابی اور کامرانی کے جُملہ اسباب اور وسائل کے ساتھ وہ اس کے مقابلے کو نکلیں۔

⁂

عرب، رُوم اور فارس

۱- عرب :

عربی قبائل سامی قبائل کے قدیم ترین افراد شمار کیے جاتے ہیں، ان کا نسب و حسب صاف اور واضح تھا۔ جزیرۃ العرب میں ان کی ٹکّر کی کوئی اور طاقت نہیں تھی، اور کوئی بھی بیرونی طاقت اس جزیرے میں داخل ہو کر جنگ میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔

عرب دو۲ طرح کے ہیں :

❖ ایک عدنانی، جو شمال کے باشندے ہیں۔

❖ دوسرے قحطانی، جو جنوب میں رہتے ہیں۔

یہ تقسیم کسی عنصری یا قومی بنیاد پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ظروفِ زمانی و مکانی سے ہے، جس کے باعث ان دونوں کے لب و لہجہ میں اور تہذیب و تمدّن میں بھی کچھ فرق آگیا۔

آثارِ قدیمہ کی کھدائی سے جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں، ان سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ جنوبی عرب میں کم از کم چار نہایت ترقی یافتہ اور مہذب حکومتیں قائم تھیں۔ یعنی ، معین ، سبا ، حضر موت ، اور قتبان۔

شمالی عرب میں بھی کئی ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن عرب حکومتوں کے آثار ملتے ہیں، مثلاً :

لحیانین کی حکومت حجر کے علاقے میں، جو خلیج عقبہ کے قریب ہے، اور جنوبی سوریا میں انباط کی حکومت، اور شام کے قریب ریگ زار میں تدمر کی سلطنت اور سرحدات

عراق کے نزدیک مناذرہ کی حکومت، اور خاص شام کے علاقے میں عیسائیوں کی سلطنت اور نجد کے منطقے میں بنو کندہ کی حکومت۔

یہ ممالک ترقی اور تمدّن اور ثقافت کے اوج کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن عرب کی تہذیب، اسلام سے پہلے حد درجہ پست ہو چکی تھی۔ اسی طرح دینی حالت بھی انحطاط پذیر تھی۔ ان لوگوں کی فطرت میں چند چیزیں پوری شدّت کے ساتھ راسخ ہو چکی تھیں، مثلاً :

عصبیّت، اور خوئے انتقام، وغیرہ۔

ظہور اسلام سے پہلے عرب میں سب سے زیادہ قوی اور باوقار قبیلہ قریش کا تھا۔ یہ مکۂ مکرمہ میں بود و باش رکھتا تھا، اور مکہ کی حکومت اشراف و رؤسا کے قبائل، اہل قوۃ اور اصحاب مال کے ہاتھ میں تھی۔

مکّہ کی بڑائی کا ایک سبب یہ تھا کہ شاہراہ تجارت پر واقع تھا۔ دوسرا سبب اس کی دینی حرمت تھی، جسے غیر معمولی اہمیّت حاصل تھی۔ عوام قریش کا احترام کرتے تھے۔ اس لیے کہ یہ بیت اللہ الحرام کے پڑوسی تھے، ان پر پیش دستی کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ان کی تجارت بالکل محفوظ تھی۔ کیوں کہ بدّو بھی ان پر غارت گری نہیں کرتے تھے۔

مکّہ ایک وادیٔ غیر ذی زرع ہے، اس لیے یہاں کے اکثر باشندے کاروبار اور تجارت میں مصروف رہتے تھے۔

عرب صحیح دینی شعور سے محروم تھے۔ ان کے دینی معمولات و افکار بے انتہا سادہ تھے۔ بدوؤں کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں کچھ خارق عادات قوتیں ہیں۔ جو جنوں اور شیاطین کی مدد سے دنیا پر غالب رہتی ہیں ——— ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ جادوگروں، اور کاہنوں سے جنوں کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے مستقبل کے حالات معلوم کرنے کے لیے کاہنوں کے پاس جاتے رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سحر اور کہانت ان کی نگاہ میں

بڑا معزز اور محترم پیشہ تھا، اور یہ کاہن بڑے ہوشیار تھے۔ ان کی باتیں مسجع اور مبہم ہوا کرتی تھیں تاکہ ہر پہلو ان کے ہاتھ میں رہے۔

جزیرۂ عرب، ادبار اور انحطاط کی انتہائی حالت سے دوچار تھا، اور سیاسی طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ تہذیب نابود ہو چکی تھی۔ اجتماعی زندگی ڈانواں ڈول تھی اور اقتصادی زندگی اضطراب کا شکار تھی۔ دینی اور مذہبی حالت بالکل پست اور انحطاط پذیر تھی۔

یہ حالات تھے جب اسلام کا ظہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائلی، اور فردی نظام کی کجی کو درست کیا۔ دینی انحطاط میں اصلاح کی۔ مادّی زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اجتماعی ظلم کو روکا۔ ان اعتبارات سے اسلام کا ظہور ایک بہت بڑا اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی انقلاب تھا۔ یہ بہت بڑا انقلاب صرف جزیرۂ عرب کے لیے نہ تھا۔ بلکہ پوری دنیا کے لیے تھا۔ اس لیے کہ اسلام کا ظہور پوری انسانیت کے لیے ہوا تھا کہ وہ گمراہی سے نجات پا جائے اور غلط کاریوں سے باز آ جائے۔

۲- روم :

رومیوں کی فوج علاقائی حاکموں کے ہاتھ میں مرتکز تھی۔ اس لیے کہ ہر سردار اپنی جماعت کا سپہ سالار بھی سمجھا جاتا تھا۔ ان سرداروں کے پاس بڑی بڑی جاگیریں اور زمینیں تھیں تاکہ وہ اپنے سپاہیوں کے مصارف پورے کر سکیں۔ اس قبائلی اور علاقائی تقسیم نے خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ کیونکہ قسطنطنیہ کی مرکزی حکومت، جسے سب پر حاوی، اور غالب ہونا چاہیئے تھا، کمزور ہو چکی تھی۔ اس صورتِ احوال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سردار اپنے رقبے اور منطقے کی توسیع کی فکر میں رہنے لگا۔ طمع یہاں تک بڑھی کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے علاقوں پر بھی دست درازی کرنے لگے۔ بلکہ ان میں سے بعض تو اس درجہ زور پکڑ چکے اور طاقتور ہو چکے تھے کہ مرکزی حکومت سے بھی کبھی بھڑ جاتے تھے یا اس سے قطع تعلق

کرکے اپنی آزادی، اور خود مختاری کے پرچم لہرانے لگتے تھے۔

رومی غسّانیوں پر اور دوسرے عرب قبائل پر، اپنے جنوبی حدود کے تحفّظ اور حمایت پر بھروسہ کرتے تھے۔ یہ حدود جزیرۂ عربیہ کی حدبندی کرتی ہیں اور جنوب مشرقی حدودِ فارس کی حد تک چلی گئی تھیں۔

ظہورِ اسلام سے پہلے، عیسائی فرقوں اور جماعتوں میں شدید اختلافات و نزاعات پیدا ہو چکے تھے جن سے خواص اور عوام سب ہی متاثر تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ مذہبی و طائفی اختلافات نے اتنی وسعت اور شدت اختیار کر لی کہ سارا وقت انہی میں صرف ہو جاتا تھا۔ تمام طبقات تک یہ اختلافات پھیل چکے تھے۔ مختلف اوقات، اور مختلف مقامات میں، بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ یہی چرچے رہا کرتے تھے۔

رومی فوج کے لیے وقت کا سب سے بڑا مسئلہ مالی دشواریوں کا بنا ہوا تھا۔ سپاہیوں کو وقت پر تنخواہیں تک نہ مل سکتیں، کیونکہ حکومتِ روم کی مالی حالت بے انتہا زار و زبوں ہو چکی تھی۔ تنگ آکر سپاہی بغاوت کی دھمکیاں دینے لگتے تھے۔ بجائے اس کے کہ فوج اپنے اصل کام میں مصروف و منہمک رہتی۔ اس کی ساری سرگرمیاں تنخواہ وصول کرنے اور اپنی ضروریات کی تکمیل تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کے سامنے کوئی ایسا عالی اور بلند مقصد نہیں تھا، جو ان کی صفوں میں اتحاد قائم رکھتا اور انہیں منتشر نہ ہونے دیتا۔

جو رومی فوجیں، خاص سرداروں کے ماتحت تھیں یا رئیسانِ قبائل کی زیر دست تھیں۔ یہی حال ان کا بھی تھا۔ یہ سردار، اور رئیسانِ قبائل کے اپنے منصب پر قابلیت اور اہلیت کی بناء پر نہیں، وراثت کی بناء پر سرفراز ہوتے تھے۔

۳- فارس:

فارس کی تشکیلاتِ عسکری بھی بالکل رُومیوں کی تشکیلاتِ عسکری سے مشابہ اور،

مماثل تھیں۔ یہاں بھی مرزبان اور دہقان (سردار، اور جاگیردار) قیادت جیوش پر مامور تھے۔ یہ بڑے وسیع علاقوں پر حکومت کرتے اور بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔

ان لوگوں نے بھی، مناذرہ پر اپنے جنوبی حدود ——— عرب کے جنوبی حدود جو فارس کے شمالی حدود کو جدا کرتے تھے ——— اور جنوب مغربی حدود (یعنی وہ حدود جو ایرانی حکومت کے حدود کو رومی حکومت کے حدود سے جدا کرتے تھے) کے تحفظ اور دفاع پر اعتماد کیا۔

فارس کے اکثر باشندے، مجوسی عقیدے کے پیرو تھے۔ یہی حال ان کے باجگزاروں اور ماتحتوں کا بھی تھا۔ یہاں بھی فوج کے سامنے کوئی اعلیٰ وارفع مقصد نہیں تھا، جو ان کی صفوں کو انتشار اور پراگندگی سے بچانے میں کامیاب ہو سکتا۔ یہاں بھی وہی رومیوں کا سا معاملہ تھا۔ تنخواہیں وقت پر ملتی نہیں تھیں اور ساری سرگرمیاں انہیں وصول کرنے اور حاصل کرنے تک محدود تھیں۔ سپہ سالاروں کا یہ حال تھا کہ اس منصب تک وہ اپنے بل بوتے پر، یعنی اہلیت واستعداد کی بنا پر تو پہنچے نہیں تھے۔ انہیں یہ منصب وراثت میں مل گیا تھا۔ انہیں آئینِ جنگ سے درحقیقت اور فنونِ جنگ میں مہارت کے بجائے اپنے حسب نسب پر ناز تھا۔ لیکن یہ فخروناز میدانِ جنگ میں ان کے کیا کام آ سکتا، اور کس حد تک ان کی مدد کر سکتا تھا۔

۴ - نتائج :

اسلام کے ظہور سے پیشتر عربی قبائل بکثرت موجود تھے اور عربوں کی تعداد بھی معمولی نہیں تھی۔ ان میں نہ وحدت تھی، نہ اتحاد، یہ اپنے قبائلی سردار کے علاوہ کسی اور کے سامنے سر جھکانے کے قائل نہیں تھے اور یہ سردار ایسے تھے کہ نفس کے غلام اور شخصی ترغیبات کا شکار بن چکے تھے۔ اصل کام سے انہیں بھی کوئی سروکار نہ تھا۔

عربوں کا عسکری نظام بھی اتنا ہی فاسد، ناکارہ، اور نکمّا بن چکا تھا۔ جتنا رُومی شہنشاہیت اور ایرانی حکومت کا۔

تینوں میں، یعنی: عربوں، ایرانیوں اور رومیوں میں یہ بات بھی مشترک تھی کہ ان کے سامنے کوئی بلند اور صالح مقصد نہیں تھا جو ان کا ایمان بن چکا ہوتا اور جسے قائم و برقرار رکھنے کے لیے یہ جان کی بازی لگا دیتے اور کسی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔

طرفین کا عسکری مُوقف

طرفین کے عسکری مُوقف کے مطالعہ اور تحقیق سے یہ بات بہت اچھی طرح روشن اور واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان گو تعداد میں قلیل تھے۔ مگر بایں ہمہ اپنے طاقت ور دشمنوں، رومیوں، ایرانیوں اور مشرکوں سے کہیں زیادہ توانا اور قوی تھے۔ حالانکہ ان تینوں کی تعداد بہت زیادہ تھی بلکہ حدِ شمار سے خارج تھی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کے برعکس ایک مضبوط عقیدے کے حامل تھے، ایمان راسخ تھا، اور رگ و پے میں سمایا ہُوا تھا اس اعتبار سے ان کی حیثیت یکسر ممتاز اور بالکل جداگانہ تھی۔ یہ اپنے مقصد کے حصُول کی خاطر جان کی بازی ہنسی خوشی لگا سکتے تھے ——— اپنے ایمان کے لیے کسی قربانی سے دریغ کرنا، ان کے لیے ممکن ہی نہ تھا، اپنے عقیدے کے تحفّظ کے لیے یہ سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ رہتے تھے۔

دوسری عالمی جنگ میں ہم دیکھ چکے ہیں اور ہر قدیم و جدید جنگ کا حال یہی ہے کہ متحارب قومیں مختلف اور متنوع طریقوں سے، اپنے مُوقف اور اپنے "کیس" کو اپنے فوجیوں کی نگاہ میں مبنی بر عدل و صداقت، اور حق و انصاف قرار دینے کی دل و جان سے کوشش کرتی ہیں، تاکہ فوج کا ہر سپاہی اس مُوقف کی تائید میں ڈٹا رہے اور کسی ایثار اور

قربانی سے بھی گریز نہ کرے۔

دُوسری جنگِ عظیم میں اتحادیوں نے اوران کے ساتھیوں نے سارا زور اس بات پر صرف کر ڈالا کہ دوسروں کو عام طور پر اور اپنی سپاہ کو خاص طور پر اپنے مقصد اور مؤقف کے برحق ہونے کا یقین دلا دیں، تاکہ وہ لڑائی میں کسی سستی کو دخل نہ دیں، بلکہ حق کے لیے لڑنے میں اپنا سارا زور صرف کر ڈالیں اور جو قربانی بھی دے سکتے ہوں، اس مقصد اور مؤقف کی حمایت اور حفاظت کے لیے پیش کر دیں۔

اتحادیوں اور محوریوں (جرمنی وغیرہ) نے اپنا سارا زور اس بات پر صرف کر دیا کہ اپنی قوم کو، اپنے سپاہیوں کو اور اپنے ہمدردوں کو یہ باور کرا دیں کہ جس مقصد اور مؤقف کے لیے۔ وُہ میدانِ جنگ میں اُترے ہیں۔ وہ بالکل درست، صحیح اور سراسر حق وصداقت اور فلاحِ انسانیّت پر مبنی ہے۔

اتحادیوں، اور محوریوں کے پیشِ نظر جو مقصد تھا ——— وُہ ایک اور صرف ایک تھا۔

یہ کہ :

فوج کا ہر سپاہی، اپنی حکومت کے مقصد اور مؤقف کو مبنی برحق سمجھ کر، اس کے تحفّظ اور دفاع کے لیے جی توڑ کر لڑے، اور یہی بات دنیا کو، اور دوسرے مُلکوں اور قوموں کو بھی باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کی کہ یہ سب ان کا ساتھ دیں اور حصُولِ مقصد کی راہ میں کسی ایثار اور قربانی سے دریغ نہ کریں، صرف اسی طرح ایک سپاہی میدانِ جنگ میں سر دھڑ کی بازی لگا سکتا ہے، اور دوسری قومیں اور ملتیں بھی صرف اسی طرح اپنی امداد اور تعاون کا مظاہرہ کرسکتی ہیں۔

ہر لشکر کسی خاص عقیدے کے تحفّظ اور کسی خاص اور معیّن مقصد کی خاطر ہتھیار اٹھاتا ہے ضروری اور لابدی ہے کہ وہ اپنے عقیدے اور مقصد کے لیے گردن کٹائے، اور گردن

کاٹنے، بغیر اس کے کسی سپاہی سے جواں مردی، دلیری اور ایثار و قربانی کی توقع رکھنا ایک امر محال ہے۔ ایسے سپاہی کو مغلوب کر لینا آسان نہیں ایک امر مستحیل ہے۔ ایسا سپاہی، کسی محدود معرکے میں شکست یاب بھی ہو جاتا ہے، لیکن نتیجۂ جنگ فتح و شکست ہر حالت میں، اس کے موافق ہی ہوتا ہے۔

لیکن ایسی فوج جس کے سامنے کوئی ارفع و اعلیٰ مقصد نہ ہو، کوئی منزل متعین نہ ہو، وہ ذرا سا خطرہ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ بڑی آسانی سے اس کی ہمت توڑی جا سکتی ہے —— بشرطیکہ وہ صاحبِ جرأت و ہمت ہو بھی۔

ایک موقع پر نپولین نے بڑی معقول، اور سچّی بات کہی تھی۔ اس نے کہا تھا :

"جنگ میں معنوی اسباب کی اہمیت مادّی اسباب کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے، ان میں تین اور ایک کی نسبت ہے!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے دل و دماغ میں ایک برحق مقصد کے لیے لڑنے کا ایک بے پناہ ولولہ اور جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اس ولولے میں ان دفعاتِ معاہدہ کو بھی خاصا دخل تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامل کرائی تھیں، یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ عسکری مُوقف تمام تر مسلمانوں ہی کے حق میں رہا، اور یوں بھی یہ زمانہ ایسا تھا، جو مسلمانوں کی تائید ہی میں تھا۔ جتنا جتنا وقت گزرتا جا رہا تھا مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا، اور لوگ بکثرت حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے تھے، اسی تناسب سے ان کی قوّت میں بھی اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا، اور ولولے اور جذبے کی کیفیت تو یہ تھی کہ کسی قربانی سے، خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، —— مُنہ نہیں پھیر سکتے تھے۔

مٹھی بھر مسلمانوں کا بے شمار دشمنوں پر غالب آ جانے کا مسئلہ آغازِ جنگ سے پیشتر ہی اپنے نتیجے کا اعلان کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوجیں ایک محکم اور مستحکم نظام کے ماتحت دادِ شجاعت دے رہی تھیں، اس کے برعکس دشمنوں کا نظام بالکل فرسودہ اور نکما تھا ——

ہر اعتبار سے ، اور ہر پہلو سے !

طرفین کے عسکری مُوقف کی توضیح میں شاید ان مؤرخین اور مفکرّین کے سوال کا جواب بھی آجائے ،

جو یہ معلوم کرنے کے درپے ہیں کہ :

اس تیز رفتاری اور سرعت کے ساتھ اسلامی فتوحات کا سلسلہ کس طرح مکمّل ہو گیا کہ مسلمان آغازِ دعوتِ اسلام کے وقت سے لے کر ، صرف تیس سال کی قلیل مُدّت میں ایک بہت بڑی سلطنت کے مالک بن گئے ۔ جو مشرق میں چین تک ، مغرب میں فرانس تک شمال میں ترکستان تک اور جنوب میں بحیرۂ عرب تک پھیلی ہُوئی تھی ۔

۷

جنگ
عقیدے کے دفاع کے لیے

◎

الذین آمنو الیقاتلون فی
سبیل اللہ، و الذین کفروا
یقاتلون فی سبیل الطاغوت،

القرآن الکریم

◎

"ایمان والے راہ خدا میں جنگ کرتے
ہیں، اور کافر شیطان کے راستے میں
نبرد آزما ہوتے ہیں!"

◎

دوریاتِ قتال

اِستطلاع اولی [1]

مؤقفِ عام

۱۔ مسلمان :

مدینۂ منورہ میں آنے کے بعد مہاجر مطمئن اور یکسو ہو کر بیٹھ چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخاۃ (بھائی چارا) بھی قائم کرا دیا تھا۔ یہ لوگ خدا کی راہ میں، اجنبی اور غیر ہونے کے باوجود، سگے بھائی سے زیادہ ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئے تھے۔

بھائی چارے کا مدعا یہ تھا کہ ہر قسم کے جاہلی تعصبات ختم ہو جائیں اور صرف اسلام کی حمیت (جمعیت) باقی رہ جائے۔ رنگ، نسب اور وطن کے امتیازات یکسر ختم ہو جائیں۔

---

[1] : دوریات سے مراد دستے،

استطلاع سے مراد، معلومات فراہم کرنا۔

ان دستوں کے فرائض یہ تھے کہ دشمن کی قوت، اس کے مجوزہ میدانِ جنگ اور اسلحہ سے متعلق معلومات فراہم کرنا۔

ان دستوں کی دو قسمیں تھیں : (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ بھائی چارا اتنا مضبوط تھا کہ جنگِ بدر تک وراثت کے مستحق حقیقی قرابت داروں کے بجائے وہ بھائی بن گئے، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت کے رشتے سے وابستہ کر دیا تھا۔ جنگِ بدر کے بعد معنوی بھائی چارہ تو باقی رہا، لیکن وراثت کا مادّی بھائی چارا ختم ہو گیا۔

۲۔ مشرک اور یہود :

الف : مشرکین

مدینہ کے آس پاس رہنے والے اعراب یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ مسلمانوں پر قہرِ الٰہی کب نازل ہوتا ہے اور ان پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بس موقع کے منتظر تھے۔

قریش اس فکر میں سرگرداں تھے کہ مسلمانوں کے نئے وطن میں گھس کر انہیں ختم کر دیا جائے۔ حالانکہ وہ مکّہ کے اندر انہیں ختم کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ مدینہ کے مشرکین اور منافقین کی تمنّا بھی یہی تھی کہ اُن کے شہر میں آ کر بس جانے والے مسلمانوں سے کسی طرح چھٹکارا پائیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰

(۱) دوریاتِ استطلاع :

نفری کے اعتبار سے یہ دستے بہت مختصر ہوتے تھے، لیکن دُور بین اور تیز رفتار جنگ میں الجھے بغیر یہ اہم معلومات حاصل کر لیتے تھے۔

(۲) دوریاتِ قتال یعنی جنگی دستے :

یہ دستے نفری اور تیاری کے اعتبار سے زیادہ ہوتے تھے۔ ان کا اصل مقصد معلومات حاصل کرنا ہوتا تھا۔ لیکن حسبِ ضرورت لڑنے بھڑنے سے بھی یہ گریز نہیں کرتے تھے۔


ب : یہود

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل مدینۂ منورہ میں تشریف لائے تو یہود کو توقع تھی کہ وہ آپؐ کو اپنے ساتھ ملالیں گے۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ سے صلح کرلی، اور دین جدید کی آزادانہ دعوت و تبلیغ کا اصول تسلیم کر کے آپؐ سے معاہدہ کرلیا۔

لیکن زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ انہوں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے تو یہاں قدم جم چکے ہیں۔ ان کا کام بڑھتا جارہا، اور فروغ حاصل کرتا جارہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے کیے ہوئے معاہدے پر قائم نہیں رہے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف درپردہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ضعیف اور کمزور کرنے، بلکہ ان کا مکمل استیصال کرنے کی تدبیریں شروع کردیں۔ انہوں نے مہاجرین اور انصار میں تفرقہ پیدا کرانے کے لیے وسیسہ کاریاں شروع کردیں۔ انہوں نے قبیلۂ اوس، اور قبیلۂ خزرج کے درمیان مدتوں کی دبی ہوئی عداوت اور دشمنی کی چنگاریوں کو بھڑکانا اور ہوا دینا شروع کردیا۔ اب ان کا کام ہی یہ رہ گیا تھا کہ حیلہ سازی کو اپنا شعار بنائیں اور فریب و دروغ سے کام چلائیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو تباہ و برباد اور فنا کر دینے کی تدبیریں اور سازشیں تواتر اور تسلسل کے ساتھ شروع کردیں۔ وہ جنگ بُعاث کا تذکرہ کرتے، اور مزے لے لے کر اس تذکرے کو جاری رکھتے، تاکہ انصار کے دونوں قبیلوں میں دشمنی و عداوت اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے۔ جس کا لازمی نتیجہ باہمی جنگ ہی کی صورت میں نمودار ہوسکتا تھا۔ اشعار میں تلخی اور کشیدگی پیدا کرنے والی جو روائتیں بیان ہوئی تھیں انہیں بھی یہود تکرار کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

دوریات (دستول) کا اصل مقصد

مشرکین اور یہودیوں کو یہ جتلا دینا کہ مسلمان کمزور نہیں۔ قوت و طاقت رکھتے


مکہ اور مدینہ کے درمیان
راستوں کا نقشہ
شمال
احد
مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ
ینبع البحر
حمراء الاسد
الصفراء
بئر سعید
بدر
رابغ کا راستہ
مستورہ
ابواء
رابغ
جحفہ
خلیص
عسفان
بحر احمر
جدہ
بحرہ
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
جبل عرفات
طائف
مشرقی راستہ
پیمانہ
میل

ہیں تاکہ دعوت و تبلیغ اسلام کی آزادی انہیں حاصل رہے، اور اگر کوئی ان پر زیادتی کرے تو اس کا جواب دیا جا سکے۔

واقعات کا مرقع

۱ : سریۂ حمزہ

(الف) طرفین کی قوت و طاقت

مُسلمان :

یہ ایک جنگی دستہ تھا۔ جس میں تیس مہاجر تھے ——— حمزہؓ بن عبدالمطلب سالار تھے۔

مُشرکین :

قریش کا تجارتی قافلہ، جس کی حفاظت کے لیے تین سو سوار ساتھ تھے۔

قائد، ابوجہل بن ہشام۔

(ب) مقصد

ساحل سمندر پر عیص کے مقام پر جانا تاکہ مکہ اور شام کے درمیان تجارتی راستے کو قریش کے لیے پُرخطر اور دہشتناک بنا دیا جائے۔

(ج) نتائج

مسلمانوں کی فوج بحیرۂ احمر کے کنارے عیص کے مقام تک پہنچ چکی تھی، یعنی اس راستے پر جو مکہ اور شام کے درمیان اصل شاہراہ تجارت تھی۔ عملی طور پر قریش کے تجارتی

راستے کو دشوار، اور خطرناک بنانے کی کوشش کی گئی، لیکن مجدی بن عمرو جہنی طرفین کے مابین آ کر حائل ہو گیا، اور لڑائی نہ ہونے دی، چنانچہ مسلمان بغیر جنگ کیے واپس آ گئے۔

۲- سریّہ عبیدہ بن حارث :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مسلمان :

ایک جنگی دستہ تھا، مہاجرین کے ساٹھ سوار اس میں شامل تھے۔ عبیدہ بن حارث قیادت کر رہے تھے۔

مشرکین :

دو سو سوار اور پیادے ـــــــ قائد لشکر، ابوسفیان۔

ب : مقصد

مسلمان وادیٔ رابغ تک پہنچ جانا چاہتے تھے تاکہ مکّہ اور شام کے درمیان قریش کی جو تجارتی رہ گزر تھی۔ اسے خطرناک اور خوفناک بنا دیا جائے۔

ج : نتائج

مسلمانوں کا دستہ، وادیٔ رابغ تک مکّہ اور شام کے درمیان قریش کی تجارتی رہ گزر تک پہنچ چکا تھا۔ مشرکین میں سے دوؔ آدمی اسی اثناء میں اپنے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں سے آ ملے۔ کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن اب تک اُسے چھپائے ہوئے تھے۔

مسلمانوں نے مشرکوں کے سامنے اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن جنگ کی نوبت

نہیں آئی - طرفین بغیر لڑے واپس چلے گئے۔

۳ - سریہ سعد :

الف : فریقین کی قوت وطاقت

مسلمان :

سعد بن ابی وقاص کی زیر سرکردگی آٹھ مسلمانوں کا یہ طلایہ گرد دستہ تھا۔

مشرکین :

قریش کا تجارتی قافلہ جس کی حفاظت کے لیے کچھ آدمی ساتھ تھے، لیکن ان کی تعداد معلوم نہیں۔

ب : مقصد

مسلمان خرار تک پہنچنا چاہتے تھے، تاکہ مکہ اور شام کے درمیان قریش کے تجارتی راستے کو خطرناک بنا دیں۔

ج : نتائج

سعد بن ابی وقاص قافلۂ قریش کو نہ پا سکے۔ کیوں کہ قریش کے سراغ رسانوں نے یہ اطلاع دے دی تھی کہ مسلمان تعاقب کناں باہر نکل چکے ہیں۔ اس اطلاع کے پانے کے بعد اہلِ قافلہ نے تیز رفتاری سے کام لیا، اور خطرے کی زد سے باہر ہو گئے۔

۴ - غزوۂ ودّان :

الف : طرفین کی قوت وطاقت

مسلمان :

دوسو سواروں اور پیادوں کا دستہ، قائد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مشرکین :

فوج کا ایک حصہ قریش پر، اور ایک بنو ضمرہ پر مشتمل تھا۔

ب : مقصد

آپ کا مقصد یہ تھا کہ ودّان تک پہنچ جائیں، تاکہ شام اور مکہ کے درمیان قریش کی جو تجارتی گزرگاہ تھی۔ اس کا امن خطرے میں ڈال دیا جائے، دوسری بات جو پیش نظر تھی، وہ یہ کہ جو قبائل اس راستے پر قابض اور متصرّف تھے، اُن سے دوستی اور اتحاد کا معاہدہ کرلیا جائے۔

ج : نتائج

مسلمان دستۂ سپاہ ودّان تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا، لیکن قریش سے تصادم اور جنگ کی نوبت نہیں آنے پائی۔ البتہ بنو ضمرہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دوستی کا معاہدہ کرلیا۔

۵۔ غزوۂ بواط :

الف : طرفین کی قوت وطاقت

مسلمان :

ایک جنگی دستہ جو دوسو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ جس میں سوار اور پیادے دونوں

شامل تھے۔ قائد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مُشرکین :

قریش کا ایک تجارتی قافلہ تھا۔ جس کی حفاظت اور نگہبانی کے لیے یک صد سوار، اور پیدل ساتھ تھے۔ قیادت اُمیّہ بن خلف کے ہاتھ میں تھی۔

ب : مقصد

جبل رضوی کے راستے مسلمان بواط تک جانا چاہتے تھے۔ بواط مکّہ اور شام کے مابین قریش کے تجارتی راستے پر واقع تھا۔

ج : نتائج

بواط تک پہنچنے میں مسلمانوں کا دستۂ سپاہ کامیاب ہو گیا۔ لیکن قریش کے جاسوسوں کو اس نقل و حرکت کا علم ہو گیا تھا جس کے باعث قافلہ تیز رفتاری کے ساتھ بڑھا۔ اور عام راستہ ترک کر کے ایک ایسے راستے پر ہو لیا۔ جدھر سے قافلے عام طور پر نہیں گزرا کرتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کے جنگی دستے کی گرفت سے قریش کا کاروانِ تجارت محفوظ ہو گیا۔

بواط میں مسلمانوں کی مدتِ قیام کم و بیش ایک ماہ تھی۔

۶ - غزوۂ عُشیرہ

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مُسلمان :

ایک جنگی دستہ، جو تقریباً دو سو سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھا۔ قیادت، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں تھی۔

مُشرکین :

بنو مدلج اور بنو ضمرہ میں سے اُن کے حلیف، اور قریش کا قافلۂ تجارت، ابُوسفیان کی قیادت میں۔

ب : مقصد

آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ شام اور مکّہ کے درمیان، ینبوع کے علاقے میں قریش کے تجارتی راستے پر پہنچ جائیں، آپؐ کے پیشِ نظر یہ تھا کہ عُشیرہ کے مقام تک قدم رنجہ فرمائیں تاکہ قریش مرعوب اور دہشت زدہ ہو جائیں۔

دوسرا مقصد یہ تھا کہ اس علاقے میں بسنے والے قبائل سے دوستی کا معاہدہ کر لیا جائے اور مشرکین کے سامنے مسلمانوں کی قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا جائے۔

ج : نتائج

عُشیرہ میں مسلمان قریب قریب ایک مہینے تک قیام پذیر رہے۔ اس اثناء میں، بنو مدلج اور بنو ضمرہ میں سے ان کے حلیفوں سے معاہدۂ صلح استوار کیا۔ لیکن قریش کا قافلہ مسلمانوں کے یہاں آنے سے پہلے ہی نکل چکا تھا۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمان واپس آ گئے، اور قتال و جدال، اور جنگ و پیکار کی نوبت نہیں آئی۔

۷ - غزوۂ بدر اُولیٰ :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مُسلمان :

ایک جنگی دستہ جس کے افراد کی تعداد دو سو تھی، اور اس میں سوار اور پیادے دونوں

شامل تھے۔ قیادت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں تھی۔

مُشرکین :

کوئی بڑی فوج نہ تھی، لیکن صبار رفتار، یہ لوگ مدینۂ منورہ کے قریب رات کو چراگاہوں پر حملہ آور ہوئے، مسلمانوں کے کچھ اُونٹ اور بکریاں اپنے ساتھ ہنکا لے گئے۔

ب : مقصد

مشرکین کی فوج سے دو دو ہاتھ، اور ہنکائے ہوئے اُونٹوں، اور بکریوں کا چھین لینا۔

ج : نتائج

مسلمان وادئ صفوان تک آ گئے۔ یہ مقام بدر کے قریب ہے، چونکہ مشرکین کی فوج سے مڈبھیڑ نہ ہُوئی، لہٰذا، مسلمانوں کا یہ جنگی دستہ بغیر لڑے بھڑے واپس آ گیا۔

۸ - سریّۂ عبدُاللہ بن جحش :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مُسلمان :

یہ ایک معلومات فراہم کرنے والا دستہ تھا۔ عبداللہ بن جحش کی زیرِ سرکردگی آٹھ مہاجرین گشت پر نکلے۔ اس دستے نے ماہِ رجب ۲ھ قریب گشت شروع کیا۔ ان کے سالار کے پاس ایک خفیہ ہدایت نامہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستے کو حکم دیا تھا کہ دو دن تک سفر کر چکنے کے بعد یہ خفیہ خط کھولا جائے، اور جب یہ خط کھولا جائے اور اس کا

مدعا واضح ہو جائے تو اس پر پوری طرح عمل درآمد کیا جائے۔ کسی شخص کو ساتھ رکھنے، یا ساتھ چلنے، یا رفاقت کے طور پر مجبور نہ کیا جائے۔

خط (ہدایت نامے) کا مضمون یہ تھا:

"جب تم میرا خط دیکھو تو چلتے رہو، یہاں تک کہ مقام نخلہ تک پہنچ جاؤ۔ جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، وہاں قریش کی گھات میں لگے رہو، اور ان کی نقل و حرکت اور سرگرمیوں سے واقف ہو کر، انکی معلومات کے ساتھ ہمارے پاس واپس آجاؤ۔"

عبداللہ بن جحش نے اپنے ساتھیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب مکتوم سے آگاہ کیا، اور یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ آپؐ کا حکم ہے کہ کسی شخص کو بھی مجبور نہ کیا جائے اور ساتھ لے جانے یا چلنے پر جبر نہ کیا جائے۔

اس ارشادِ رسولؐ کی وضاحت کے باوجود اس دستے کے ایک آدمی نے بھی یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ رفاقت ترک کر دے، اور واپس چلا جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن جحش اپنے آدمیوں کو لے کر آگے بڑھے۔ البتہ سعد بن ابی وقاص، اور عتبہ بن غزوان ساتھ نہ جاسکے۔ بات یہ ہوئی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا، اور یہ اس کی تلاش میں سرگرداں تھے، قریش کے ہتھے چڑھ گئے، اور انہوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ مگر عبداللہ بن جحش کی پیش قدمی جاری رہی اور وہ نخلہ کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ ادھر سے قریش کا ایک قافلہ گزرا، مسلمانوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں مشرکین کا ایک آدمی عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ نیز قریش کے دو۲ افراد مسلمانوں نے گرفتار کر لیے، ایک آدمی، قریش کی طرف بھاگ گیا۔

عبداللہ بن جحش اپنے قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ دونوں قریشی قیدی بھی تھے

○

مُشرکین :

قریش کا ایک تجارتی قافلہ یہاں سے گزر رہا تھا۔ اس کی حفاظت پر چار قریشی مامُور تھے۔ جن کا سربراہ عمرو بن حضرمی تھا۔

ب : مقصد

مقامِ نخلہ تک جانا، اور دشمن کی نقل و حرکت اور سرگرمیوں سے متعلق معلومات فراہم کرنا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب مکتوم سے واضح ہے۔ مہاجرین کے اس چھوٹے سے قافلے کا مقصد جنگ برپا کرنا نہیں تھا۔

ج : نتائج

۱ : عبداللہ بن جحش نے حرمت والے مہینے (رجب) میں چھاپہ مارا، یہ چیز عربوں کے عام دستور، اور روایت کے بالکل خلاف تھی۔ مسلمانوں کا یہ اقدام قریش کے لیے، ان کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا ایک نادر سبب بن گیا۔ حالانکہ امر واقعہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو صرف معلومات فراہم کرنے کے لیے بھیجا تھا نہ کہ جنگ کرنے کے لیے۔

۲ : یہ پہلا معرکہ ہے جس میں ایک قریشی مشرک مُسلمانوں کے ہاتھوں اپنی جان گنوا بیٹھا۔

۳ : یہ پہلا معرکہ ہے، جس میں مسلمانوں کو، کچھ مالِ غنیمت حاصل کرنے میں، کامیابی ہُوئی۔

۴ : یہ پہلا معرکہ ہے جس میں دشمن کے دو آدمی پکڑے گئے اور جنگی قیدی کی حیثیت سے مدینہ لائے گئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قیدیوں سے فدیہ لیا۔ ان میں سے ایک نے بہ رضا و رغبت اسلام قبول کر لیا، اور

دوسرا مکّہ، مشرکین قریش کے پاس واپس آ گیا۔

ان گشتی دستوں سے جو سبق ملتے ہیں کیا ہیں؟

۱۔ معلومات کی فراہمی :

ان دستوں کے باعث مسلمان ان راستوں سے بخوبی واقف ہو گئے جو مدینہ کو گھیرے ہوئے تھے اور مکّہ تک جاتے تھے۔ خصوصاً قریش کے اس تجارتی راستے سے واقفیت بہم پہنچ گئی، جو مکّہ سے شام تک جاتا تھا۔ اور جس پر قریش کی زندگی کا دار و مدار تھا۔

ایک اور فائدہ جوان طلایہ گردوں کے باعث حاصل ہُوا یہ تھا کہ مسلمان اُن قبائل سے متعارف ہو گئے جو ان راستوں پر قابض تھے، یا یہاں بود و باش رکھتے تھے۔ اس تعارف کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے کئی سے دوستی کے مُعاہدے بھی ہو گئے۔

۲۔ جنگ :

اب مُسلمانوں نے یہ بات اچھی طرح ثابت کر دی تھی کہ وُہ صاحب قوت اور طاقت ہیں۔ مشرکین قریش، ہمسایہ قبائل، اہلِ مدینہ، اور یہود سے بہ وقتِ ضرورت دفاع اور مقابلہ کرنے پر قادر ہیں۔

نیز یہ کہ حسبِ ضرورت اپنے عقیدے کے تحفّظ کے لیے، وُہ ہر طرح کی قدرت رکھتے ہیں۔

ان گشتی دستوں سے مسلمانوں کا ایک حاصل شدہ مقصد یہ بھی تھا کہ کسی قسم کی مداخلت کے بغیر، آزادی اور حریّت کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے سکیں۔

ب : بعض ہمسایہ قبائل کو مسلمانوں نے حلیف بنا لیا۔

۳ - رازداری :

مسلمانوں کی نقل و حرکت سے صحیح واقفیت بہم نہ پہنچا سکنے، اور انکی سرگرمیوں سے مشرکین کو ناواقف رکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بالکل نئی چیز ایجاد کی —— یعنی خفیہ خط —— مکتوب مکتوم، جس کے باعث دشمن ایسی معلومات حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا تھا، جو عسکری نقطۂ نظر سے اس کے لیے سود مند ہوں، یاد رکھنا چاہیئے کہ کتمان (رازداری) ناگہانی[1] اور اچانک حملوں کے عوامل میں سب سے بڑا اور اہم عامل ہے، اور یہ بھی ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ غیر متوقع اور اچانک حملہ جنگ کا سب سے کامیاب اور فیصلہ کن حملہ ثابت ہُوا کرتا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ رازداری (کتمان) کی ایجاد و استعمال میں، مُسلمانوں کو دوسروں پر تفوق اور برتری حاصل ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہدِ جدید اور عصرِ حاضر میں جرمنی نے رازداری کو ایک فن بنا کر دوسری عالمگیر جنگ میں استعمال کیا۔

۴ - اقتصادی ناکہ بندی :

مُسلمانوں نے شام اور مکّہ کے درمیان تجارتی راستوں کا امن و امان غارت کر

---

[1] : مباغتت، یعنی ناگہانی حملہ۔

اس کا مطلب ایسے حالات کا پیدا کر دینا ہے کہ جو دشمن کے لیے بالکل غیر متوقع ہوں —— اور ان وسائل میں رازداری (کتمان) کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، کہ بغیر اس کے اچانک اور ناگہانی حملہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

کے انہیں حد درجہ مہیب اور خطرناک بنا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ان راستوں کو استعمال کرتے ہوئے قریش گھبراتے تھے، اور سہمگیں نظر آتے تھے۔

اس اقدام نے قریش کی تجارت اور کاروبار پر بہت بُرا اثر ڈالا۔ یہی چیز تھی، جس پر وُہ زندہ تھے، اور عیش و عافیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

مسلمانوں کے اس اقدام نے اہلِ مکّہ کو خائف کر دیا، اور حد سے زیادہ پریشان اور مضطرب نظر آتے تھے۔ کیونکہ یہ جماعت اب ایک حقیقت بن کر نظر کے سامنے آ چکی تھی کہ وُہ اور ان کی تجارت مسلمانوں کے رحم و کرم پر ہے۔ مسلمان جب چاہیں، انہیں ان راستوں اور گزرگاہوں سے محروم کر سکتے تھے ——— جو مکّہ سے شام کی طرف جاتے تھے۔

مختصر نقشہ گشتی اور جنگی دستوں اور ابتدائی معلومات فراہم کرنے کا

نمبر شمار	نام غزوہ	مسلمانوں کی طاقت	مسلمانوں کا سپہ سالار	مشرکین کی طاقت	مشرکین کا سپہ سالار	مقامِ غزوہ	تاریخ	مختصر نتیجہ
۱	سریہ حمزہ	۳۰ مہاجر سوار	حمزہ بن عبدالمطلب	۳۰۰ سوار	ابوجہل بن ہشام	عیص	رمضان ۱ھ ہجری	مجدی بن عمرو جہنی نے آڑے آکر فریقین کو جنگ سے روک دیا۔
۲	سریہ عبیدہ بن حارث	۶۰ مہاجر سوار	عبیدہ بن حارث	۲۰۰ سے زیادہ سوار اور پیدل	ابُوسفیان	رابغ کی وادی میں ایک پانی کے چشمہ پر	شوال ۱ھ ہجری	مسلمان بغیر لڑائی کے واپس آگئے۔
۳	سریہ سعد بن ابی وقاص	۸ مہاجر سوار	سعد بن ابی وقاص	-	-	خرار	ذی قعدہ ۱ھ ہجری	مشرکین کا قافلہ بھاگ گیا۔

نمبر شمار	نام غزوہ	مسلمانوں کی طاقت	مسلمانوں کا سپہ سالار	مشرکین کی طاقت	مشرکین کا سپہ سالار	مقام غزوہ	تاریخ	مختصر نتیجہ
۴	غزوۂ ودّان	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	-	-	ودّان	صفر سنہ ۲ ہجری	بنو ضمرہ سے صلح کا معاہدہ ہُوا
۵	غزوۂ بواط	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۰۰ آدمی سوار اور پیدل	امیہ بن خلف	بواط	ربیع الاوّل سنہ ۲ ہجری	مسلمان قافلہ کو نہ مل سکے، کیونکہ وُہ عام راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ سے نِکل گیا،
۶	غزوۂ عُشیرۃ	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	قریش، بنو مدلج اور بنی ضمرہ کے آدمی	ابو سفیان	عشیرہ	جمادی الاوّل سنہ ۲ ہجری	بنو مدلج اور اُن کے حلفاء، بنو ضمرہ سے صلح کا معاہدہ ہُوا۔

نمبر شمار	نام غزوہ	مسلمانوں کی طاقت	مسلمانوں کا سپہ سالار	مشرکین کی طاقت	مشرکین کا سپہ سالار	مقام غزوہ	تاریخ	مختصر نتیجہ
۷	غزوۂ بدر اُولیٰ	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	-	کرز بن جابر فہری	وادیٔ صفوان	جمادی الثانی ۲ھ ہجری	مسلمانوں کو کرز بن جابر فہری نہ مل سکا۔
۸	سریہ عبداللہ بن جحش	۸ آدمی سوار	عبداللہ بن جحش	۴ آدمی	عمرو بن حضرمی	نخلہ	رجب ۲ھ ہجری	۱۔ مشرکین کا پہلا مقتول ۲۔ مشرکین کا پہلا قیدی ۳۔ مسلمانوں کا پہلا مالِ غنیمت ۴۔ پوشیدہ خط وکتابت کا پہلا استعمال۔

۸

دو عقیدوں کے مابین زبردست تصادم

◎

"اے اللہ!
یہ قریش ہیں جو اپنے فخر و تکبّر میں سرشار ہو کر آئے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ تیرے رسولؐ کو جھٹلایا جائے۔
بار الہا! اگر آج یہ (مسلمانوں کی) جماعت ہلاک ہو گئی، تو پھر کبھی تیری پرستش نہ ہو گی۔"

محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم

○

غزوۂ بدر کبریٰ

اسلام کے لیے پہلی معرکہ آرا اور فیصلہ کُن جنگ

۱- مُسلمان :

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ان کی قوت اور گرفت بھی مضبوط ہو گئی تھی۔ لیکن ان کی اقتصادی حالت پست اور زبوں تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اکثر مہاجرین صرف اپنی جان اور ایمان لے کر مکہ سے ہجرت کر آئے تھے۔ اپنا مال و دولت، ساز و سامان، اور املاک و جائیداد وہیں چھوڑ آئے تھے۔ انصار کی مالی حالت اس لیے زبوں ہو گئی تھی، کہ اپنے رزقِ قلیل میں انہوں نے مہاجرین کو بھی برابر کا شریک کر لیا تھا۔ ان حالات میں یہ بات قطعاً حیرت انگیز نہیں خیال کی جا سکتی۔ اگر مُسلمان قریش سے اپنا مال و اسباب واپس لینے کے منصوبے ذہن و دماغ میں بنا رہے ہوں۔

۲- مُشرکین اور یہُود :

عمرو بن حضرمی کے قتل کے بعد مشرکین میں سے ایک کے قتل کی ذمے داری مسلمانوں پر عائد ہو گئی تھی۔ جس کا بدلہ اور انتقام لینا ان کے لیے بسا ضروری تھا، اور اس مقصد کو ہر قیمت پر وہ حاصل کر لینا چاہتے تھے تاکہ قریش کی اور اُن کے حلیفوں کی جو ہوا خیزی اس واقعہ سے ہوئی ہے۔ اس کا داغ مِٹ جائے، اور ان کی دھاک اور ساکھ مسلمانوں پر پھر سے قائم ہو جائے۔

چونکہ قریش کے تجارتی راستے جو مکہ سے شام کو جاتے تھے۔ اب صرف مسلمانوں کے رحم وکرم پر رہ گئے تھے۔ اس لیے قریش کی تجارت کساد بازاری کا شکار ہوگئی تھی اور ان کا اقتصادی مرکز متزلزل ہوگیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ دوسرا المیہ ان کے لیے یہ تھا کہ مُسلمانوں کے نفوذ اور قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اس صورتِ احوال کا نتیجہ یہ تھا کہ اب عربوں پر صرف قریش ہی کی سیادت قائم نہیں رہ گئی تھی۔

یہ تھے وُہ عوامل ہمہ جس نے قریش کو وقفِ اضطراب کر رکھا تھا، اور وُہ تاک میں تھے کہ جیسے ہی موقع ملے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں اور ان کا خاتمہ کر کے رکھ دیں اور اس نئے دین پر ایسی کاری ضرب لگائیں کہ پھر وُہ سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔

ایک طرف تو یہ کیفیت تھی، دوسری طرف یہُود تھے۔ جن میں یہ ہمّت تو نہیں تھی، کہ کھُل کر میدان میں آسکیں۔ لیکن مسلمانوں کے خلاف سرد جنگ میں پُوری مُستعدی کے ساتھ مصروف ومنہمک تھے، ان کے فکر وغور کا مرکز ومحور صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کے لیے نت نئی مشکلات پیدا کرنے کی تدبیریں سوچتے رہیں، اور قریش کے لیے پانچویں کالم کے فرائض انجام دیں۔

طرفین کی قوّت وطاقت

۱۔ مُسلمان :

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر قیادت مہاجرین اور انصار مردوں کی تعداد ۳۱۵ تھی۔

مُسلمانوں کے پاس صرف دوٌ گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے۔ دو دو، تین تین، اور چار چار آدمی باری باری سے ایک اونٹ پر سوار ہُوا کرتے تھے۔



آں حضرتؐ کی بعض
جنگوں کے مقامات کا نقشہ

۲- مُشرکین :

مشرکین کی فوجی قوت نوسو پچاس آدمیوں پر مشتمل تھی، ان میں زیادہ تر قریش تھے۔ ان کے پاس دوسو گھوڑے، بہت سے اونٹ تھے جن سے بار برداری کا کام بھی لیا جاتا تھا اور سواری کا بھی، قریش کی یہ فوج ایک ہی سالار کے ماتحت نہیں تھی۔ بلکہ متعدد آدمیوں کے ہاتھ میں یہ ذمّے داری تھی۔

طرفین کے مقاصد

۱- مُسلمان :

الف : قریش کے تجارتی قافلوں پر قابو پانا[1] جس کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی حفاظت اور نگہبانی کے لیے کم و بیش چالیس آدمی ساتھ تھے۔

ب : قریش کا قافلہ نکل جانے کے بعد دوسرا مقصد بدر میں پہنچنا تھا، تاکہ

---

[1] : ملاحظہ ہو بین الاقوامی قانون جنگ وصلح :

۱ــــ دشمن کے خلاف اور اس کے مال و دولت کے خلاف انتہائی سخت اقدامات۔

۲ــــ بر سر جنگ حکومت کو یہ قانون اجازت دیتا ہے کہ وہ :

- دشمن کے مال و دولت کے خلاف ہر مناسب اقدام کرے۔
- اگر چاہے تو اسے تلف کر دے۔
- چاہے روک لے۔
- مصادر اموال کے خلاف بھی معیّن حدود کے اندر کارروائی کی جا سکتی ہے۔

مشرک، مسلمانوں کی قوت کے بارے میں صحیح اندازہ کرلیں اور انہیں نشرِ دعوتِ اسلام میں کھُلی چھُٹی دے دیں اور کسی طرح کا تعرض نہ کریں۔

۲۔ مُشرکین :

الف : شام سے جو قافلہ آرہا تھا اس کی حفاظت کا سروسامان۔

ب : قافلے کے بچ کر نکل جانے کے بعد اس باب میں قریش کے اندر اختلاف پیدا ہوگیا کہ آیا مسلمانوں سے جنگ کریں یا واپس چلے جائیں؟

کافی بحث و گفتگو کے بعد آخر کار یہ طے پایا کہ واپس جانا مناسب نہیں، مُسلمانوں سے جنگ کرنی چاہیئے، تاکہ عمرو بن حضرمی کے قتل کا بدلہ لیا جا سکے، اور مُسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کر دیا جائے کہ صرف اسی طرح عرب میں قریش کی عظمت و کرامت دوبارہ قائم ہو سکتی تھی ورنہ اسے جو صدمہ پہنچا تھا اس کی تلافی کی کوئی اور تدبیر نہیں تھی۔

معرکہ آرائی جدال و قتال سے پہلے

۱۔ مُسلمان :

الف : ابُوسفیان ۲ھ کے موسمِ خریف کے شروع میں ایک بہُت بڑا تجارتی قافلہ لے کر شام کی طرف روانہ ہُوا۔ جب یہ قافلہ شام کی طرف جا رہا تھا، تو مسلمانوں نے اسے روکنے کی ——— ملاحظہ ہو غزوۂ عشیرہ کے حالات ——— کوشش کی، لیکن وُہ بچ کر نکل گیا۔

اب مسلمان اس انتظار میں تھے کہ یہ قافلہ شام سے کب واپس آتا ہے، تاکہ

اسے روکیں اور اس پر ضرب لگائیں۔ اس کام کے انجام دینے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ بن عبیداللہ، اور سعید بن زید کو روانہ کیا۔ یہ دونوں قافلے کا انتظار کرتے رہے۔ جب یہ دونوں حضرات ایک مقام "حوراء" پر وارد ہوئے جو شام اور مکّہ کے راستے پر واقع ہے تو یہیں پڑاؤ ڈال لیا۔ جب قافلہ ادھر سے گزرنے لگا تو یہ پوری سرعت کے ساتھ مسلمانوں کے پاس آئے، اور انہیں اس واقعہ سے مطلع کر دیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خروج کا حکم دیا اور فرمایا :

"یہ قریش کا قافلہ ہے۔ اس کا تعاقب کرو، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا مال اور سامان عطا فرما دے۔"

یہ ارشادِ رسول ؐ سُن کر بعض لوگ تو خروج پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن بعض پر مدینہ سے باہر نکلنا گراں گزرا، اس لیے کہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک فیصلہ کن معرکہ شروع کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ ان کے ذہن میں جو کچھ تھا وہ صرف اتنا تھا کہ جس طرح اب تک مشرکوں سے معمولی جھڑپیں ہوتی آئی ہیں۔ اس موقع پر بھی ایسا ہی ہوگا۔ اس سلسلے میں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قریش کے قافلۂ تجارت پر جب آپؐ نے حملہ کرنے اور جنگ کرنے کا حکم صادر فرمایا تو ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی اس معرکے میں شرکت پر آمادہ ہو گئی۔ جس نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر مُسلمان کامیاب ہوئے، اور مالِ غنیمت حاصل ہُوا، تو اس میں یہ لوگ بھی حصہّ لگائیں گے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیر مسلموں کی یہ پیش کش قبول نہیں فرمائی۔

اور ارشاد فرمایا :

"اگر ہمارے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہو، تو خدا پر، اور اُس کے رسُولؐ پر ایمان لے آؤ۔"

(ب) مسلمانوں کی فوج نے ۸ رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں درجِ ذیل

ترتیب کے ساتھ کوچ کیا:

۱ : پہلے ایک دستہ فراہمیٔ معلومات کے لیے بھیجا گیا کہ مذکورہ کاروانِ تجارت کا پتہ بھی چلائے، اور قریش کے عزائم، اور ارادوں کے بارے میں سُراغ لگائے۔

۲ : لشکر کا بڑا حصّہ[1] دو[2] جماعتوں سے ترتیب دیا گیا۔

٭ ایک جماعت مہاجرین کی تھی، ان کے پرچم علیؓ بن ابی طالب اور عمیرؓ بن ہاشم کے ہاتھ میں تھے۔

٭ ایک جماعت انصار کی تھی۔ ان کا جھنڈا اسعدؓ بن معاذ کے ہاتھ میں تھا۔ دونوں حصّوں کے یہ جھنڈے سیاہ رنگ کے تھے۔

۳ : لشکر کے ساقہ (عقب) پر، قیس بن ابی صعصعہ کو مامور کیا گیا۔

۴ : مسلمانوں کا عام پرچم سفید رنگ کا تھا، جو مصعب بن عمیر، بن ہاشم کے ہاتھ میں تھا۔

(ج) مسلمانوں کا لشکر اس راستے پر چل پڑا، جس راستے سے بدر کی طرف مدینے کے قافلے آتے تھے۔

اس مسافت کا طُول تقریباً ایک سو ساٹھ کیلومیٹر[2] تھا، جو اُونٹ بہم پہنچ سکے، ان کی تعداد ستّر تھی۔ یہ آپؐ نے اپنے صحابہؓ میں تقسیم کر دیئے۔ آپؐ کے حصّے میں ایک اونٹ آیا۔ جس پر شریکِ سفر علیؓ بن ابی طالب، اور مرثدؓ بن ابی مرثد غنوی تھے۔ یہ تینوں باری باری سے

---

[1] : قسمِ اکبر، یعنی بڑے حصّے سے مراد ایک فوجی اصطلاح ہے، یعنی جنگ آزما، اور جنگجو لوگوں کی قوتِ رئیسیہ، جو فوج کی نقل و حرکت سے متعلق ہو۔

[2] : یعنی تقریباً ایک ہزار گز (مترجم)

اس اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے آپؐ کی فوج کے دوسرے لوگ کرتے تھے۔

آپؐ کے دونوں ساتھیوں یعنی علیؓ اور مرثدؓ نے عرض کیا:

"آپؐ اُونٹ پر سفر جاری رکھیں —— ہم آپؐ کے حصّہ کی پیادہ روی بھی طے کر لیں گے۔"

آپؐ نے یہ سُن کر جواب میں فرمایا:

"تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو، نہ مَیں اجر کے معاملے میں تم دونوں سے زیادہ بے نیاز ہُوں۔"

اس طرح آپؐ نے مساواتِ عامہ کا جو اصُول پیش کیا تھا۔ اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔

(د) مسلمان سرعتِ رفتار کے ساتھ سفر طے کر رہے تھے کہ کہیں کاروانِ ابُوسفیان نکل نہ جائے۔ انہوں نے اپنے جاسوسوں کو ہر طرف پھیلا دیا تھا، کہ وُہ دم بدم کی خبریں لاتے رہیں۔

جب "صفوار" کے قریب مسلمان پہنچ گئے، تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، بدر کی طرف ایک طلایہ گرد دستہ روانہ فرمایا۔ یہ صرف دوٌ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس دستے کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ قریش کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوں، اور ان کے متوقع قافلے کے متعلق بھی، جب مسلمان وادیٔ ذفران میں آئے تو انہیں اطلاع ملی کہ مکہ سے قریش، اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے اس طرف کُوچ کر رہے ہیں۔

(لا) قریش کے بارے میں جو اطلاع ملی تھی، وہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے رکھی، اور ان سے مشورہ طلب کیا —— پہلے ابو بکرؓ اور عمرؓ نے اپنی رائے[1]

---

[1]: اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رائے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی، اس لیے کہ وہ مہاجر تھے، اور مہاجر لڑنے کے لیے (باقی اگلے صفحہ پر)

پیش کی۔ پھر مقداد بن عمروؓ[1] اٹھے، اور گویا ہوئے :

" اے خدا کے رسولؐ، آپؐ کو جو حکم (خدا کی طرف سے) ملا ہے (بلا تامل) اسے کر گزریئے ہم (دل و جان سے) آپؐ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم ہرگز اس طرح نہیں کہیں گے، جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔"

فاذھب انت وربک فقاتلا   یعنی :

انا ھٰھنا قاعدون ۔   آپ اور آپ کا خدا دشمن سے لڑیں۔
ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

ہم تو یہ عرض کرتے ہیں :

" آپؐ بھی چلیئے، اپنے رب کو بھی ساتھ لیجیئے، اور جنگ کیجئے، ہم آپؐ کے ساتھ، آپؐ کے دوش بدوش جنگ کریں گے، اُس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اگر آپؐ (جنگ کے لیے) ہمیں برک الغماد[2] تک بھی لے جائیں گے، تو ہم آپؐ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷ :

ہمہ وقت تیار تھے۔ اس حقیقت سے آپؐ واقف تھے، لیکن اہلِ مدینہ سے آپؐ نے جو بیعت لی تھی، اس کی رو سے مدینہ پر حملہ آور کے خلاف تو وہ شریکِ جنگ ہو سکتے تھے۔ لیکن مدینہ سے باہر جا کر، دشمن سے لڑنے کے پابند نہیں تھے، اور یہ جنگ مدینہ سے باہر ہو رہی تھی۔ آپؐ چونکہ کوئی بات اصول اور معاہدے کے خلاف نہیں کرتے تھے، لہٰذا ضروری تھا کہ انصار سے استمزاج کیا جائے، اور ان کی رائے معلوم کی جائے۔ اس موقع پر آپؐ درحقیقت انہی کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے، کہ آیا وہ مدینہ سے باہر جا کر جنگ کرنے کو تیار ہیں یا نہیں ؟

[1] : یہ ایک مہاجر صحابی تھے۔   (رئیس احمد جعفری)

[2] : برک الغماد، یمن کے علاقے میں ایک   (باقی اگلے صفحہ پر)

ساتھ چلیں گے۔"

جب لوگ خاموش ہو گئے تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"لوگو! مجھے مشورہ دو!"

آپؐ کا اشارہ انصار کی طرف تھا، جنہوں نے عقبہ کی رات آپؐ سے اس شرط پر بیعت کی تھی کہ ہم آپؐ کی حفاظت اس طرح کریں گے، جس طرح اپنی خواتین اور اولاد کی کرتے ہیں، لیکن یہ عہد نہیں کیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی دشمن سے جنگ آزما ہوں گے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال تھا کہ مبادا انصار اس خیال میں نہ ہوں کہ ہم آپؐ کی حفاظت کے اس وقت پابند ہیں، جب دشمن مدینہ میں آکر آپؐ پر حملہ آور ہو۔

انصار نے جب یہ محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف انہی کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو سعدؓ بن معاذ اٹھ کر آپؐ سے مخاطب ہوئے، اور پوچھا :

"کیا آپؐ ہماری رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں؟"

آپؐ نے جواب دیا :

"ہاں" ———

سعدؓ نے یہ سن کر عرض کیا :

"ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں۔ آپؐ کی تصدیق کی ہے، اور شہادت دی ہے کہ آپؐ جو کچھ لے کر آتے ہیں، وہ تمام تر حق ہے۔ ہم نے آپ سے سمع وطاعت کا عہد کر رکھا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۸ :

گاؤں کا نام ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ حجر کے مقام پر بھی اس نام کا ایک گاؤں ہے بہر حال اس سے مقصد یہ تھا، کہ خواہ کتنے ہی دور دراز علاقے پر جنگ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لے جائیں۔ ہم ساتھ ہیں، ہماری طرف سے انکار اور تذبذب کا اظہار نہ ہوگا۔

جو ارشاد ہوگا وُہ سُنیں گے۔ جو حکم ہوگا اسے بجا لائیں گے۔ آپؐ بے تامّل اپنا ارادہ پورا کریں۔ ہم دل و جان سے آپؐ کا ساتھ دیں گے۔ اگر آپؐ سمندر کی طرف رُخ کریں اور اس میں چھلانگ لگا دیں تو ہم بھی چھلانگ لگا دیں گے، اور ہم میں سے کوئی آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔" یہ بات ہم پر ذرا بھی گراں نہیں ہے کہ کل کو آپؐ ہمیں دشمن کے سامنے کھڑا کر دیں ہم جنگ میں استقلال و عزیمت کے خوگر ہیں۔ ہم جنگ کے دھنی ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہماری خدمات آپؐ کو اس طرح دکھائے جس سے آپؐ سرور و سکون محسوس کریں، اللہ کے فضل سے آپ ہمیں جدھر بھی لے جانا چاہتے ہیں، لے چلیں۔!"

اب مسلمان مطمئن اور یکسو ہو کر کُوچ پر آمادہ ہُوئے۔ جب بدر کے قریب آئے —— تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر فوج سے آگے نکل گئے۔ عرب کے ایک پیر مرد کے پاس آئے اور اس سے قریش کے بارے میں بھی پوچھا اور مسلمانوں کے بارے میں بھی دریافت کیا کہ کہاں ہیں ؟

پیر مرد نے یہ سوال سُن کر کہا :

" اس وقت تک میں کچھ بتانے کو تیار نہیں ہُوں، جب تک آپ مجھے یہ نہیں بتا دیتے کہ آپؐ ہیں کون شخص ؟"

آپؐ نے پیر مرد کی یہ بات سُن کر ارشاد فرمایا :

" تم ہمارے سوال کا جواب دو تو ہم بھی تمہارے سوال کا جواب دے دیں گے۔"

آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیر مرد کی باتوں سے معلوم ہو گیا کہ قریش قریب ہی ہیں۔ آپؐ نے بوڑھے عرب سے کہا :

" ہم پانی سے تعلّق رکھتے ہیں !"

یہ کہہ کر آپؐ واپس چلے ——————

بوڑھا پوچھتا ہی رہ گیا :

"کون سے پانی سے آپؐ تعلق رکھتے ہیں؟ کیا عراق کے پانی سے؟"

مگر آپؐ نے مزید اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا، اور ایک مبہم سی بات کہہ کر اسے اپنی صحیح شخصیت سے بے خبر اور ناواقف رکھا، تاکہ قریش اس سے مسلمانوں کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا سکیں۔

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، یہ سراغ لگانے کے لیے کہ قریش کی کتنی طاقت ہے، اور وُہ کہاں ہیں؟ دُو، دستے روانہ کیے۔

پہلے دستے میں علیؓ بن ابی طالب، زبیرؓ بن عوام، سعدؓ بن ابی وقاص، اور کچھ دُوسرے لوگ شامل تھے۔ یہ بدر کے گھاٹ تک گئے، اور واپس آ گئے، لیکن خالی ہاتھ نہیں، قریش کے دو غلام بھی گرفتار کر لائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قریش کے بارے میں دریافتِ احوال کیا تو پتہ چلا کہ لشکرِ قریش ٹیلے کے عقب تک پہنچ گیا ہے۔ پھر آپؐ نے قریش کی نفری کے بارے میں ان سے پوچھا، تو انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا:

"ان کی صحیح تعداد کا ہمیں علم نہیں ہے!"

یہ جواب سُن کر آپؐ نے پُوچھا:

"وُہ لوگ کِتنے اونٹ ہر روز ذبح کرتے ہیں؟"

ان غلاموں نے اس سوال کے جواب میں کہا:

"ایک دن نو، اور دوسرے دن دس!"

اونٹوں کے ذبیحے سے آپؐ نے معلوم کر لیا کہ لشکرِ قریش کی تعداد نو سو، اور ہزار کے قریب ہے۔

ان دونوں غلاموں سے آپؐ کو یہ بات بھی معلوم ہُوئی کہ لشکرِ قریش میں، قریش کے تمام بڑے بڑے سردار و اشراف شریک ہیں۔

دوسرا دستہ صرف دو آدمیوں پر مشتمل تھا، یہ لوگ بدر کے گھاٹ پر گئے۔ وہاں یہ ماجرا گزرا کہ ایک باندی، ایک عورت سے اپنے قرض کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مقروض عورت نے تقاضے کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"قریش کا قافلہ کل یا پرسوں یہاں پہنچ جائے گا۔ میں وہاں مزدوری کروں گی، اور قرضہ ادا کر دوں گی۔"

یہ باتیں سن کر یہ دونوں آدمی واپس آ گئے، اور جو کچھ سنا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا۔

(۳) مسلمان جنگ کے میدان میں کودنے کو تیار ہو گئے، اور ایک تالاب کے کنارے جو بدر کے پاس تھا خیمہ زن ہوئے۔ اتنے میں حباب بن منذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض گزار ہوئے:

"آپؐ نے یہ مقام جو تجویز کیا ہے۔ کیا یہ حکمِ خداوندی ہے جس سے ہم آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ یا رائے، جنگی مصلحت اور حربی تدبیر کے طور پر اسے اختیار کیا گیا ہے؟"

آپؐ نے حباب بن منذر کو جواب دیا:

"یہ جنگ ہے، رائے ہے، تدبیر ہے!"

جناب حباب بن منذر نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ پھر یہ مقام موزوں اور مناسب نہیں، آپؐ یہاں سے اٹھ کر تشریف لے چلیں تاکہ قریب ترین تالاب پر ہم پڑاؤ کریں۔ وہاں جا کر، باقی تالابوں کا پانی ہم خراب کر دیں گے اور اس تالاب پر اپنا حوض بنا لیں گے، اور اسے پانی سے بھر لیں گے۔ پھر اس طرف سے مطمئن ہو کر دشمن سے لڑیں گے۔ ہم پانی پئیں گے، اور دشمن اس سے محروم رہ جائے گا۔"

آپؐ نے یہ رائے پسند فرمائی۔

آدھی رات سے پہلے پہلے مسلمان نئی جگہ پر ڈیرا لگا چکے تھے، اور پانی پر قبضہ کر چکے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صحابہؓ کے سامنے اعلان فرمایا:

"میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، رائے کا فیصلہ باہمی مشورے سے ہوگا۔ میں بغیر تمہارے مشورے کے (دُنیاوی اُمور میں) کوئی کام نہیں کروں گا، میں اچھے مشورے کا طالب ہوں، لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے مشورہ مناسب سے مجھے آگاہ کرتے رہا کریں"

حوض کی تعمیر مکمل ہوگئی اور اسے پانی سے لبالب بھر لیا گیا، دوسرے تالابوں کا پانی مٹی، اور پتھروں سے پاٹ دیا گیا۔ یہ سارا کام راتوں رات انجام پا گیا۔ رات کا جو حصّہ باقی بچا وہ آرام میں صرف ہوا تاکہ کل جو رن پڑنے والا ہے۔ اس میں قومی دل بن کر حصّہ لے سکیں۔

۲۔ مُشرکین:

ابوسفیان کو پتہ چل چکا تھا کہ شام سے واپسی پر اس کے کاروانِ تجارت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ واپسی کے وقت اسے خطرہ محسوس ہُوا کہ یہ مال و دولت اور ساز و سامان سے مالا مال قافلہ کہیں مسلمان لوٹ نہ لیں۔

قافلے میں تقریباً ایک ہزار اونٹ تھے، جو قیمتی مالِ تجارت سے لدے ہوئے تھے یہ قافلہ خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ اس میں قریش کے ہر مرد اور عورت نے بقدرِ استطاعت سرمایہ لگایا تھا۔ اس قافلے نے جو نفع کمایا تھا۔ وہ قریب قریب پچاس ہزار دینار تھا۔

جب ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ ضرور اس کے قافلے پر حملہ آور ہوں گے اور جو حفاظتی دستہ اس کے پاس ہے، وہ کم و بیش صرف چالیس افراد پر مشتمل ہے تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجیر کی حیثیت سے حاصل کیا اسے تاکید کی کہ زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ مکہ جائے اور قریش کی زیادہ سے زیادہ

تعداد اس قافلے کی حفاظت کے لیے لے کر آئے، اور انہیں باخبر کر دے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے صحابہؓ کے ساتھ اس پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

مکّہ آیا تو اس نے اپنے اونٹ کے کان کاٹ ڈالے، اس کی ناک بھی کاٹ دی — پالان اُلٹا کس لیا، اور اس پر کھڑا ہو گیا، قمیص کا گریبان تار تار کیا ——— اور بآواز بلند کہنے لگا:

"لوگو! ——— اپنا قافلہ بچاؤ، اپنے قافلے کی حفاظت کرو، ——— تمہاری دولت ابو سفیان کے پاس ہے، اور محمدؐ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسے لُوٹ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے، میں نہیں کہہ سکتا وہ مال اب تمہیں واپس بھی مل سکے گا یا نہیں؟ ——— الغیاث، مدد، مدد!"

قریش کو اس قدر زیادہ اکسانے کی ضرورت تھی ہی نہیں۔ اس کاروانِ تجارت میں ہر شخص کا حصّہ تھا اور اس کے بارے میں ہر شخص متردّد، پریشان، اور بدحواس پہلے سے نظر آ رہا تھا۔

قریش کی تیاریاں جب مکمّل ہو گئیں، اور اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ قافلے کو محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں کی دستبرد سے بچانے کے لیے مسلّح ہو کر باہر نکلنا چاہیئے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ فکر بھی دامن گیر ہو گئی کہ بنو کنانہ سے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ ایسا نہ ہو موقع غنیمت جان کر ہمارے یہاں سے رخصت ہوتے ہی وہ حملہ کر دیں۔

یہ اتنا بڑا، اور اہم خطرہ تھا کہ عین ممکن تھا کہ قریش سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔ لیکن اسی اثناء میں سُراقہ بن مالک بن جُعشم مدلجی آ گیا، اور اس نے اطمینان دلاتے ہُوئے کہا:

"میں یقین دلاتا ہوں کہ بنو کنانہ کی طرف سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوگی جس سے تمہیں ذرا بھی گزند پہنچ سکے۔"

اب قریش نے قافلے کی حفاظت کے لیے باہر نکلنے کا عزم بالجزم کر لیا اور جنگ کی

دعوت دینے والے (ضمضم) کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

قریش کا سردار ابو جہل تھا، جو اسلام، داعیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔

پھر ایک شخص عامر بن حضرمی تھا، یہ عمرو بن حضرمی کا بھائی تھا۔ جسے مسلمانوں نے نخلہ میں قتل کر ڈالا تھا، وہ اپنے بھائی کا انتقام لینے پر تُلا ہوا تھا، اور قریش کو ابھار رہا تھا کہ ضرور کوچ کریں اور فوراً چلیں۔

اس موقع پر، سردارانِ قریش میں سے ابولہب کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں تھا، جو آمادۂ سفر نہ ہو گیا ہو، ابولہب نے اپنے بجائے دوسرا آدمی روانہ کر دیا۔

مسلمانوں کی اصل قوت و طاقت کیا ہے؟ اور وہ کس مقام پر ہیں؟ یہ معلوم کرنے کے لیے ابوسفیان قافلے کے آگے آگے آ رہا تھا۔ جب وُہ بدر کے تالاب کے پاس آیا، تو مجدی بن عمرو سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس سے دریافت کرنے لگا:

"کیا مسلمانوں میں سے کوئی آدمی تو تمہاری نظر سے فی الوقت نہیں گزرا؟"

مجدی نے اس سوال کے جواب میں کہا:

"دو سوار اس ٹیلے کے قریب میں نے بیٹھے دیکھے تھے۔"

اتنا کہہ کر اس نے اس طرف اشارہ کیا جہاں مسلمانوں نے اپنے اونٹ بٹھائے تھے۔

ابوسفیان نے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ جا کر دیکھی۔ اونٹوں کی مینگنوں میں کھجور کی گٹھلیاں بھی اسے نظر آئیں، تو اسے یقین ہو گیا کہ مجدی نے جن دو آدمیوں کا ذکر کیا ہے یقیناً یہ مدینہ کے رہنے والے تھے، اور کوئی شبہ نہیں یہ محمدؐ ہی کے آدمی ہوں گے۔ اور ان کا لشکر بھی یہیں کہیں آس پاس ہو گا۔

یہ اندازے کر کے اور رائے قائم کر کے ابوسفیان اپنے قافلے کی طرف واپس آیا تاکہ اس کا راستہ ساحلِ سمندر کی طرف پھیر دے۔ اس نے بدر کو اپنے بائیں ہاتھ پر چھوڑ دیا اور

سرعتِ رفتار کے ساتھ چلنے لگا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے لشکر اور اس کاروانِ تجارت میں کافی مسافت حائل ہوگئی۔ اس کے بعد ابوسفیان نے قریش کے پاس اطلاع بھیجی کہ "قافلہ مسلمانوں سے بچ کر نکل آیا ہے۔ اب تم لوگوں کے آنے کی ضرورت نہیں، مکّہ واپس چلے جاؤ۔"

قریش نے عمیر بن وہب الجمحی کو اس کام پر مامور کیا کہ مسلمانوں کی قوت و طاقت کا صحیح اندازہ کر کے واپس آئے۔

عمیر نے اپنے کام سے فارغ ہو کر قریش کو جا کر مطلع کیا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے۔ ان کے پاس کوئی کمین گاہ نہیں، نہ کہیں سے انہیں مدد پہنچ سکتی ہے، وہ ایسی جماعت ہیں جن کی حفاظت بس ان کی تلواریں ہی کرسکتی ہیں، کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ ان میں سے کوئی آدمی اگر قتل ہوا تو ایک آدمی وہ بھی موت کے گھاٹ اتارتا جائے گا۔

ان معلومات پر غور و فکر کے لیے قریش جب بیٹھے تو ان میں اختلافِ رائے پیدا ہوگیا کچھ کی یہ رائے تھی کہ واپس چلنا چاہیئے، اور اس رائے پر شدّت کے ساتھ مُصر تھے۔ ایک گروہ ایسا تھا جس کا خیال تھا۔ اب مقابلہ اور جنگ بیکار ہے، واپس چلنا چاہیئے۔ اسے بھی اپنی رائے پر شدّت کے ساتھ اصرار تھا۔ چنانچہ بنو زہرہ تو واپس چلے بھی گئے، لیکن ایک جماعت اپنی رائے پر ڈٹی ہوئی تھی۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا، کہ مسلمانوں سے "ٹکر" ضرور لینی چاہیئے۔

اس موقع پر ابوجہل نے جو مسلمانوں سے جنگ کا ارادہ رکھنے والوں کا سردار تھا، کہا:

"خدا کی قسم ہم بدر تک ضرور جائیں گے، ہم وہاں تین دن قیام کریں گے، اونٹ ذبح کریں گے، شراب کے جام لنڈھائیں گے، گانے والیوں کا گانا سنیں گے، اور عرب ہماری شان و شوکت، ہماری اس یادگار جمعیت اور سفر کی کہانیاں بیان کیا کریں گے۔ اس کے

بعد ہماری ساکھ قائم ہو جائے گی، اور دھاک بیٹھ جائے گی۔

اب حکیم بن حزام عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا، اور کہنے لگا :

"اے ابوالولید، آپ کا شمار کبارِ قریش میں ہوتا ہے، آپ ان کے سردار ہیں، اور آپ کی بات سنی جاتی، اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ رہتی دنیا تک آپ کا ذکر اچھے اور شاندار الفاظ میں کیا جایا کرے؟"

عتبہ نے یہ باتیں سن کر کہا :

"اے ربیع، یہ تو بتاؤ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ ان باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے؟"

حکیم نے جواب دیا :

"لوگوں کو جنگ و پیکار سے بچالیں۔ عمرو بن حضرمی آپ کا حلیف تھا، مسلمانوں نے اسے قتل کر ڈالا ہے۔ آپ اس کا خوں بہا اپنی طرف سے ادا کر دیں۔"

یہ سن کر عتبہ نے جواب دیا :

"ٹھیک کہتے ہو، میں اس کے لیے تیار ہوں، تم نے درست کہا۔ عمرو میرا حلیف تھا۔ میں اس کی دیت اپنے پاس سے ادا کرنے کو تیار ہوں۔ اور اس کا جتنا مالی نقصان ہوا تھا، اس کی تلافی بھی کر دوں گا۔ یعنی اسے اپنی جیب سے ادا کر دوں گا، لیکن ذرا ابوجہل کو بھی ٹٹول لو، مجھے اندیشہ ہے کہیں وہ جنگ کی آگ بھڑکانے پر کمربستہ نہ ہو۔"

حکیم کا بیان ہے کہ میں عتبہ کے پاس سے ابوجہل کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا وہ اپنی زرہ نکال رہا تھا، تاکہ اسے ٹھیک ٹھاک کر کے زیب تن کرے، اور جنگ کیلئے تیار ہو جائے۔

میں نے اس سے کہا :

"اے ابوالحکم (ابوجہل کی کنیت) مجھے آپ کے پاس عتبہ نے بھیجا ہے، اور یہ کہلایا ہے!"

ابوجہل نے ساری باتیں سُن کر جواب میں کہا :

" خدا کی قسم عتبہ بزدل اور نامرد بن گیا ہے، جب اُس نے محمدؐ اور ان کے صحابہؓ کو دیکھا تو ہمت ہار گیا، تم جو پیام لے کر آئے ہو، اس پر ہرگز عمل درآمد نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ خدا، ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان فیصلہ کر دے۔ آخر عتبہ کو یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کی وجہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ اس کا بیٹا اصحابِ محمدؐ میں شامل ہے اور یہ ساری باتیں اس کی جان بچانے کے لیے ہو رہی ہیں۔

ابوجہل نے عامر بن حضرمی کے پاس آدمی بھیجا، اور اس سے کہلایا :

" یہ عتبہ تیرا حلیف ہے؟ جو اب لوگوں کو، جنگ سے دامن بچا کر واپس لے جانا چاہتا ہے؟ حالانکہ اب وقت آ گیا ہے کہ تمہارے مقتول بھائی کا بدلہ لے لیا جائے، اُٹھ، اور اپنے مقتول بھائی کا چرچا کر کے لوگوں کے دل گرما دے "۔

عامر حضرمی اٹھا، اس نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا، اور چیخنے لگا :

" ہائے عمرو، ہائے عمرو! "

جب عتبہ تک ابوجہل کی بات پہنچی کہ وہ اسے بزدل اور نامرد قرار دے رہا ہے، تو اس نے کہا :

" بہت جلد معلوم ہو جائے گا، بزدل اور نامرد کون ہے؟ وہ یا مَیں؟ "

اب جنگ سے مفر کی کوئی صورت نہیں تھی۔

جنگ کا منظر

آغازِ جنگ سے پہلے مسلمانوں نے جو انتظامات کیے وہ یہ تھے :

اوّل : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلند مقام بدر کے میدان میں منتخب فرمایا،

اور وہاں اپنا ذاتی خیمہ نصب کرایا، جس کی حفاظت اور نگہبانی کے لیے کئی پہرے دار بھی منتخب فرمائے۔

ب : مقاتلین اور جنگ آزما لوگوں کی صفیں مرتب فرمائیں، اور صحابہ کو ثبات قدم اور جرأت اور ہمت اور دلاوری کی تلقین فرمائی، اور شدائد جنگ میں عزم و حوصلہ کی ترغیب دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ پر رہ کر مشرکین کا حملہ روکیں۔ اور فرمایا :

"جب دشمن پیش قدمی کرے، تو اسے تیروں سے چھید ڈالو، لیکن خود اس وقت تک حملہ نہ کرنا جب تک حکم نہ دیا جائے۔"

ج : اس جنگ میں مسلمانوں کا شعار[1] اور تعارف کا واسطہ لفظ "احد" "احد" تھا۔

۲ : مسلمان اس انداز سے میدانِ جنگ میں اترے کہ ان کی قیادت اعلیٰ اور مکمل تھی، پوری فوج کی قیادت (سالاری) صرف ایک شخص کے ہاتھ میں تھی۔ جنگ میں ایک نیا اسلوب وضع کیا گیا۔ یعنی صف بندی، جس سے عرب اس وقت تک بالکل ناواقف تھے۔

۳ : مشرکین کا اندازِ جنگ قدیم اور فرسودہ تھا، یعنی اقدام اور پسپائی، ان کی کوئی محکم اور منظم قیادت نہیں تھی۔ یہ جنگ اس طرح ہو رہی تھی جیسے فرد، فرد سے لڑتا ہے نہ کہ جماعت موحدہ، ایک منظم گروہ سے نبرد آزما ہوتی ہے۔

۴ : جنگ کا آغاز مشرکین کی طرف سے ہوا۔

اسود بن عبدالاسد نے یہ عہد کرکے مسلمانوں کے حوضِ آب پر حملہ کر دیا :

---

[1] : یعنی، کوڈ ورڈ۔

"میں خدا سے اس امر کا پیمان باندھتا ہوں کہ یا تو مسلمانوں کے حوض سے پانی پیوں گا، یا اسے توڑ دوں گا اور یا پھر اس سلسلے میں جان سے ہاتھ دھو لینا گوارا کر لوں گا۔"

یہ میدان میں آیا۔ حمزہؓ بن عبدالمطلب نے اسے روکا، اور ایسی تلوار لگائی کہ آدھی پنڈلی (خیار تر کی طرح) اڑ گئی، مگر با ایں ہمہ وہ گھسٹتا ہوا حوض کی طرف آیا کہ اس پر حملہ کر کے اور پانی پی کر اپنا عہد پورا کرے، حمزہؓ بھی تعاقب کناں آئے اور اسے وہیں قرینِ حوض قتل کر دیا۔

مشرکین میں سے عتبہ اور شیبہ، ربیعہ کے بیٹے، اور ولید بن عتبہ میدان میں آئے۔ ان سے مقابلہ کرنے کے لیے انصاری نوجوان سامنے آئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لوٹا دیا، اور عبیدہؓ بن حارث اور حمزہؓ بن عبدالمطلب اور علیؓ بن ابی طالب کو مقابلہ کرنے کا حکم مرحمت فرمایا۔ اس لیے کہ یہ لوگ ان کے ہم نسب تھے۔ آپؐ نے خطرے کے موقع پر، دوسروں کے بجائے انہی کو خطرے میں دھکیلا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ یہ حضرات اپنی شجاعت، دلیری اور جنگی مہارت کے باعث یکتا اور ممتاز مانے جاتے تھے۔ اس لیے بہ نسبت انصار کے قریش سے نبرد آزما ہونے کی ان میں زیادہ صلاحیت تھی، ان کی کامیابی سے مسلمانوں کی ہمت بڑھ جاتی، اور مشرکین کا مورال ختم ہو جاتا۔

عبیدہؓ، عتبہ کے مقابلے میں، علیؓ ولید کے سامنے اور حمزہؓ، شیبہ کے مقابل آئے۔ حمزہؓ نے شیبہ کو سنبھلنے بھی نہیں دیا، ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اسی طرح علیؓ نے ولید کو پہلے ہی وار میں قتل کر دیا۔ البتہ عبیدہؓ اور عتبہ میں جنگ جاری رہی اور دونوں زخمی ہوئے۔ پھر علیؓ اور حمزہؓ تلوار سونت کر اس کی طرف بڑھے اور اس کا بھی خاتمہ کر دیا، اور اپنے مجروح ساتھی ــــــ عبیدہؓ ــــــ کو اٹھا لائے۔

۶ : اس ذلت بخش آغازِ جنگ نے مشرکین کو حددرجہ برہم اور مشتعل کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور سواروں نے مل کر مسلمانوں پر عام حملہ کر دیا۔ مگر مسلمانوں کی صفوں میں شگاف نہیں پیدا ہُوا۔ وہ اپنی جگہ چٹان کی طرح جمے رہے۔ انہوں نے بھی مشرکین پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ بالخصوص ان کے سرداروں کو نشانہ بنانے کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ مشرکین مسلمانوں کے اس نئے اسلوب کو نہ سمجھ سکے، لہٰذا مشرکین کے آدمی تیروں سے چھد چھد کر زمین پر ڈھیر ہونے لگے۔

۷ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اسلامی لشکر کی سالاری فرما رہے تھے۔ مسلمانوں کی صفیں آہستہ آہستہ لیکن مضبوط قدموں کے ساتھ مشرک فوج کی طرف بڑھنے لگیں، نتیجہ یہ ہُوا کہ مشرکوں کی صفیں منتشر اور پراگندہ ہوگئیں اور یہ لوگ بے تحاشہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان فوج کو حکم دیا "سختی کرو" اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ مشرکوں کی فوج سے بھڑ جاؤ اور ان کا تعاقب کرو۔
مسلمانوں نے بھاگتے ہُوئے مشرکین کا تعاقب شروع کر دیا، اور مالِ غنیمت اکٹھا کرنے لگے، اور قیدیوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔

۸ : غزوۂ بدر کا آغاز ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں جمعہ کے دن صبح صبح ہُوا، اور اسی دن شام کو اختتام پذیر ہوگئی۔ اختتامِ جنگ کے تین دن بعد تک مسلمان بدر کے میدان میں اقامت پذیر رہے، پھر وہاں سے پڑاؤ اٹھایا ——— اور مدینۂ منورہ سالم و غانم واپس آ گئے۔

◎

خسائر (نقصانات) طرفین

۱- مُسلمان :

چودہ مُسلمان شہید ،

۲- مُشرکین :

ستّر آدمی ہلاک ، اور ستّر آدمی گرفتار ہوئے۔

انتصار (فتح) مُسلمینؓ کے اسبابؒ

۱- قیادتِ موحدہ :

جنگِ بدر کے سپہ سالارِ اعلیٰ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ مُسلمان آپؐ کی زیرِ قیادت سرفروشی اور جاں نثاری میں مصروف تھے۔ آپؐ کی قیادتِ اعلیٰ کا سب سے بڑا کمال اور کرشمہ یہ تھا کہ فیصلہ کن وقت میں ، فیصلہ کن مقام پر ، فیصلہ کن اقدام کا حکم صادر فرماتے تھے —— ایک کامیاب اور برتر سپہ سالار کی سب سے بڑی خوبی اور سب سے بڑا وصف یہی ہوتا ہے۔

مسلمانوں کا نظم وضبط اور اپنے سپہ سالار اعلیٰ کی بے چوں وچرا اور بے نظیر اطاعت ایک مثال بن گئی ، جیش مُسلمین نے ہر اعتبار سے اور ہر معنیٰ میں اختصاص حاصل کر لیا ، جب کسی لشکر کی بنیاد بہتر نظم وضبط پر ہو ، تو وہی لشکر صحیح معنیٰ میں اپنے جوہر دکھانے

کے قابل ہوتا ہے کہ ایک اچھے اور بہتر لشکر کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے۔ اس اصول کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ اپنے وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کا لشکر ہر اعتبار سے بے نظیر اور بے مثل تھا۔

میرے نزدیک ضبط و نظم کا مفہوم یہ ہے کہ امیر کی غیر مشروط اور بے چوں و چرا اطاعت کی جائے۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل انتہائی دیانت، امانت اور طیبِ خاطر کے ساتھ کی جائے۔

بلاشبہ مسلمان اپنے قائدؐ کے احکام و اوامر کی پوری صداقت، دیانت، اور جذبۂ اطاعت کے ساتھ پابندی کرتے تھے اور ایسا کرنا سزاوار بھی تھا، کیونکہ ان کا میرِ سپاہؐ مثالی سپہ سالار کے صفات سے متصف اور آراستہ تھا۔

یہ کوئی معمولی بات ہے کہ انتہائی شدائد اور خطرات کے موقع پر ضبط اعصاب میں ذرا فرق نہ آیا۔ اپنے مؤقف کی حمایت میں جنگ کرتے ہوئے ایسی شجاعت کی مثال پیش کی جسے بجا طور پر نادر کہا جاسکتا ہے۔ اپنے اور صحابہ کے مابین کامل مساوات کا سختی کے ساتھ التزام، اور ہر اہم اور نازک مرحلے پر، صحابۂ کرام سے مشورت۔

جنگ سے پیشتر آپؐ ملاحظہ فرمارہے تھے کہ صحابۂ کرام خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ تعداد اور ساز و سامان کے اعتبار سے بہت کم اور فرومایہ تھے۔ اس کے برعکس قریش تعداد، اور ساز و سامان ہر دو اعتبار سے مسلمانوں پر کہیں زیادہ فوقیت رکھتے تھے۔ اس حواس کھو دینے والے موقع پر، آپؐ نے اپنے اعصاب پر قابو رکھا۔ اور اپنے اُوپر پورا پورا قابو رکھا، اور صحابۂ کرام کو میدانِ قتال میں استقلال اور شجاعت کی ترغیب دیتے رہے۔

پھر جب معرکہ آرائی نے شدت اختیار کی، تو ایسا نہیں ہُوا کہ آپؐ الگ تھلگ بیٹھے رہے، بلکہ خود بھی میدانِ جنگ میں وارد ہوئے، اور لڑائی میں شامل ہو گئے۔

بہادروں کے سردار، علیؓ بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس معرکہ سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں،

اور یہ بہترین شہادت ہے :

"جب جنگ خطرناک صورت اختیار کر لیتی، اور خطرات ہمیں گھیر لیتے، اور لڑائی کے شعلے زور شور سے بھڑکنے لگتے، تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ اپنے آپ کو بچایا کرتے تھے، دشمن کی طرف آپؐ سے زیادہ قریب کوئی نہیں ہوتا تھا، میں نے اپنے آپ کو بدر کے دن دیکھا، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لے رہے تھے، اور وہ ہم میں سب سے زیادہ دشمن سے قریب تھے۔"

صحابہ کے مقابلے میں راحت و آسائش یا مال و دولت کے لحاظ سے آپؐ نے اپنی ذات کو کبھی ترجیح نہیں دی، اُوپر گزر چکا ہے کہ آپؐ نے پا پیادہ چلنے میں اور اُونٹ پر صرف اپنی باری کے مطابق سواری کرنے میں پوری مساوات برتی، اور اپنے لیے کوئی اختصاص روا نہیں رکھا۔

قریش کے خروج کی خبر جب آپؐ کے سمع مبارک تک پہنچی، تو آپؐ نے صحابہ کرام کی مجلسِ مشاورت طلب کی اور دشمن سے جنگ سے متعلق مہاجرین اور انصار کے خیالات اور افکار سے واقفیت حاصل کی، لشکر کے پڑاؤ کے بارے میں صرف ایک آدمی کی رائے آپؐ کو صائب نظر آئی، اور اسے فوراً قبول فرما لیا، جیسا کہ گزر چکا ہے کہ آپؐ نے بدر کے قریب تالاب پر پڑاؤ کیا تھا، لیکن حبابؓ بن منذر کے کہنے سے جگہ تبدیل فرما دی اور ان کی رائے کے مطابق ڈیرہ لگا لیا، اور دوسرے تالابوں کو پاٹ دیا، اور جس تالاب پر ڈیرہ لگایا گیا تھا، اُس پر حوض بنا لیا۔

جنگ کے بعد جب قیدی گرفتار ہوئے۔ تو آپؐ نے پھر صحابہؓ کرام سے مشورہ

طلب فرمایا، اور وُہ رائے قبول فرمالی، جو ابُو بکرؓ نے پیش کی تھی، جس کی تائید بعض دوسرے لوگوں نے بھی کی تھی۔

ہر زمان و مکان میں ایک مثالی سپہ سالار کے یہی اوصاف ہوتے ہیں۔

سپہ سالار کے لیے ایک مخصوص اور ممتاز مقام لازمی اور لابدی ہے، تاکہ وہاں سے وہ اپنی فوج کی نقل و حرکت کی نگرانی کر سکے، اور بہ چشمِ خود حالات، اور کارروائیوں کا مشاہدہ کر سکے، چنانچہ ایک بلند ٹیلے پر آپؐ نے ایک چھپّر سا بنوالیا تھا۔ جس کے ارد گرد ایک ذمّے دار شخص کی زیرِ نگرانی پہرہ مقرر تھا۔

ان تمام چیزوں نے مسلمانوں کو ایک جان و قالب بنا دیا تھا۔ یہ ایک ہی بلند اور اعلیٰ مقصد کے لیے، ایک ہی میرِ سپاہ کی قیادت میں سرفروشی، اور جاں نثاری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ کوئی بھی اور کسی بھی جنگ ہو، فتح و کامرانی کے اسباب میں، سب سے بڑا اور اہم سبب یہی ہے۔

مشرکین کا عالم یہ تھا کہ وہ قیادتِ موحدہ سے محروم تھے، قریش کے اکثر سردار اور مشرکین فوج میں شریک اور شامل تھے، اور اس طرح ان کی قیادت بٹی ہوئی تھی۔ مشرکین کے لشکر میں دو۲ آدمی زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے، ایک عتبہ بن ربیعہ، دوسرا ابوجہل بن ہشام ——— ان کی رائے باہم متصادم اور متخالف تھی ——— ان کا کوئی خاص اور معیّن اور بلند و ارفع مقصد نہیں تھا ——— سچ تو یہ ہے کہ ان میں اتحاد سے زیادہ اختلاف تھا۔

اس صورتِ احوال کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جنگ کے دوران شخصی انانیّت نے مصلحت موحدہ کے برخلاف بغاوت کر دی، اور قریش کا ہر آدمی کوشش کرنے لگا، کہ وُہ اپنے آپ کو سردار، اور بہادر ظاہر کرے تاکہ عربوں میں اس کے کارناموں کا چرچا ہو، ان میں سے کسی کو، اس کی ذرا پروا نہ تھی کہ اس تصادم، اور اختلاف فکر و نظر کا نتیجہ، خود

جنگ کی کامیابی یا ناکامی پر کیسا مرتب ہو سکتا ہے۔

۲ - جنگ کا نیا اسلوب :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ منورہ سے بدر تک سفر کے دوران میں ایسا طریقِ سفر اختیار فرمایا، جو عصرِ حاضر کی صحرائی اور میدانی جنگوں سے بالکل مطابق ——— اور ہم آہنگ ہے۔

آپؐ کے لشکر میں ایک مقدمۃ الجیش تھا۔ ایک قسم اکبر، اور مؤخر، دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے آپؐ نے متعدد مرتبہ طلایہ گرد دستوں کی، خدمات سے فائدہ اٹھایا، یہی ہیں وہ اسالیبِ صحیحہ جو صحرائی، میدانی جنگوں میں کامیابی کے ضامن ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ موجودہ زمانے میں بھی۔

میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا دستور یہ رہا کہ انہوں نے صف بندی کا طریقہ اختراع کیا، اور اسے عمل میں لائے، اور مشرکین نے اقدام و پسپائی کا پُرانا اور فرسودہ دستور اختیار کیا،

ضروری ہے کہ جنگ کے ان دونوں اسالیب کا فرق واضح کر دیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کی فتح و کامرانی کے ایک نہایت اہم اور دور رس عامل اور سبب سے باخبر ہو سکیں۔

۱ - اقدام و پسپائی کا اسلوب :

یہ اس طرح ہوتا ہے کہ جنگ آزما لوگ اپنی پُوری قوت و طاقت سے دشمن پر حملہ کرتے ہیں، اور جنگ مغلوبہ کی صورت میں باہم گتھم گتھا ہو جاتے ہیں، وہ تلواروں سے لڑتے ہیں، نیزوں سے کچوکے دیتے ہیں، پیادے بھی اور سوار بھی، اگر دشمن ثابت قدم

رہے، یا حملہ آور اپنے اندر کسی طرح کی کمزوری محسوس کریں تو پھر وہ پسپا ہو جاتے ہیں۔ اور از سرِ نو تنظیم کر کے دوبارہ حملہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کبھی حملہ کرتے ہیں، کبھی پسپائی اختیار کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ آخرکار فتح یا شکست کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ صف بندی :

قتال بہ اسلوبِ صفوف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لڑائی کرنے والوں کو صف بستہ کیا جاتا ہے، کبھی دو، کبھی تین، کبھی اس سے زیادہ، یعنی صفوں کی تعداد حسبِ ضرورت ہوتی ہے۔ اگلی صفیں نیزوں سے مسلّح ہوتی ہیں، تاکہ وہ سواروں کا حملہ روک سکیں، اور پچھلی صفیں تیروں سے مسلّح ہوتی ہیں، تاکہ دشمن کی جارحانہ سرگرمیوں کا سدباب کر سکیں۔

یہ صفیں اپنے قائد کی سربراہی میں اپنی جگہ قائم رہتی ہیں۔ جب اقدام اور پسپائی کے اصول کے مطابق حملہ کرنے والے دشمن کی سرگرمی کمزور پڑ جاتی ہے تو یہ اقدام کرتی ہیں، اور تعاقب کر کے دشمن سے جنگ آزما ہوتی ہیں۔

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ صف بندی کا طریقہ اقدام اور پسپائی کے طریقے سے بہتر اور برتر ہے، ترتیب اس امر کی ضمانت ہے کہ سپہ سالار کے ہاتھ میں احتیاطی طاقت موجود ہے، وہ اس طاقت سے ایسے حالات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ جن کا تعلق اندازے اور تخمینے سے نہیں ہوا کرتا، مثلاً :

- دشمن کا مقابلہ کر کے کسی حملے کو روکنا۔ یا
- دشمن کے لیے ایسے حالات پیدا کر دینا، جو اس کے لیے یکسر خلافِ توقع ہوں، یا
- ان صفوں سے کسی ایسے پہلو کو کمک پہنچانا، جس پر دشمن کے سوار یا پیادے دباؤ ڈال رہے ہوں، علاوہ ازیں :

٭ پچھلی صفوں سے حسبِ ضرورت و اتفاق احتیاط کے ساتھ دشمن پر دباؤ بھی ڈالا جاسکتا ہے۔

اسلوبِ صف بندی کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح پوری فوج نگاہ میں رہتی ہے اور اس کی نگرانی کی جاسکتی ہے۔ اپنا بچاؤ بھی کیا جاسکتا ہے اور ایک ہی وقت میں حملہ اور دفاع بھی آسان ہے۔ لیکن اقدام اور پسپائی کے اصول میں سپہ سالار کی جبروت اور بالادستی میں فرق آجاتا ہے اور احتیاط کے پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر جنگ جاری رکھنا اس کے لیے ممکن نہیں رہ جاتا۔

جنگِ بدر میں مشرکین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتصار اور غلبہ، بڑی حد تک صف بندی کے اسلوب کا رہینِ منت تھا۔ جنگی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے، کہ بڑے بڑے سپہ سالار اور فاتحین، مثلاً:

سکندر اعظم، ہنی بال، نپولین اور رومیل وغیرہ کے انتصار اور عسکری کامیابی کا اصل راز یہ تھا کہ انہوں نے جنگ میں غیر معروف اور نئے اسلوب اختیار کیے، یا پھر نئے اور غیر معروف ہتھیار اور اسلحہ استعمال کر کے بساط الٹ دی۔

جنگ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کا معائنہ فرمایا، انہیں ایک دوسرے کے قریب اور ملا جلا کر آپؐ نے صفیں مرتب فرمائیں، اور پھر ان صفوں کی تعدیل شروع کر دی، یعنی انہیں ایک خاص ڈھب پر لگا دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر آپؐ نے خطبہ دیا اور جہاد پر ابھارا، اور حکم صادر فرمایا کہ اپنی جگہ قائم رہتے ہوئے، دشمن کے حملے کو روکیں، اور تیر برسا کر دشمن کا سینہ چھلنی کر دیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاکید بھی فرمائی کہ جب تک میں حکم نہ دوں، حملے کا آغاز نہ کیا جائے۔

جب رجالِ قریش تھک کر چکنا چور ہو گئے، اور ان کے حملے کی شدت کمزور

پڑ گئی تو پھر آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اب حملہ کر دو، بعدازاں قریش کی شکست کے بعد، آپؐ نے یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ بھگوڑوں کا تعاقب کیا جائے۔

صفوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کنٹرول پوری طرح ہر مرحلے پر قائم رہا۔ دفاع کے وقت بھی، حملے کے وقت بھی، اور تعاقب کے وقت بھی، ایک متنفس بھی، آپؐ کے حکم کے بغیر مبارزت اور جنگ کے لیے نہیں نکلا۔ مسلمانوں نے جنگ کے میدان میں جو کام بھی کیا، آپؐ کے حکم کے مطابق کیا۔

اس سے فائدہ یہ ہُوا کہ فوج پر مکمّل کنٹرول غیر منقطع طور پر قائم رہا، اور احتیاط کے تمام پہلو جنگ کو جاری رکھنے کے سلسلے میں پیش نظر رہے۔ یہ سب کچھ اس طرح ہُوا جیسے عصرِ حاضر کی جنگوں میں ہُوا کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی جنگ میں ایک نیا اسلوب اختیار کیا اور کامیابی اور فتح و نصرت نے آپ کے قدم چُومے۔

۳- راسخ عقیدہ :

قارئین کے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ قریش سے جنگ کرنے کے سلسلے میں جب آپؐ نے مشورہ کیا تو مہاجرین اور انصار نے کیا جواب دیا تھا —— اور جواب کس طرح کا تھا؟

مسلمان اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ قریش تعداد، ساز و سامان جنگ وسائل اور ذرائع، اور مال و دولت کے اعتبار سے ان سے کہیں زیادہ ہیں، قریش کی فوج، مسلمان فوج سے تین گنا زیادہ تھی، بایں ہمہ انہوں نے ثابت قدم رہنے کا عزم بالجزم کر لیا اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ سامانِ تجارت سے لدا پھندا قریش کا قافلہ بچ کر نکل چکا ہے، اور اس جنگ سے کسی طرح کے

مادی نفع کی توقع اور امید نہیں کی جا سکتی۔ یہ جاننے کے باوجود وہ جنگ کے فیصلے پر اٹل رہے۔ ان میں ذرا بھی تزلزل یا ضعف پیدا نہیں ہُوا۔

اس کا اصل سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے ایک خاص اور معیّن مقصد تھا۔ بہت اچھی طرح جس کی معرفت انہیں حاصل تھی اور جس پر وُہ ایمانِ کامل رکھتے تھے، وُہ مقصد کیا تھا؟ یہ کہ دعوتِ اسلام کے لیے کسی مداخلت کے بغیر انہیں آزادی حاصل ہو جائے، یہاں تک کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

اب اس بات پر بھی غور کیجئے کہ اس جنگ سے قریش کے مقاصد کیا تھے؟ بس یہ کہ اونٹ ذبح کیے جائیں، دعوتیں اڑیں، شراب کا دور چلے، گانے والیاں گائیں، اور عرب ان کے کارناموں کی داستانیں سنیں، اور اس کے بعد قریش کے نام سے ہمیشہ ہیبت زدہ نظر آئیں۔ اور لرزہ براندام رہیں۔ ان کے ایک بہت بڑے سردار ابوجہل نے کہا تو تھا: ہم اس جنگ کو کسی خاص مقصد کا تابع نہیں کہہ سکتے۔ کیا یہ عیش، غرور اور جاہلیت کا تعصّب نہیں جو ہمیں اس میدان میں جنگ کے لیے کھینچ لایا ہے؟

اس معرکے میں باپ نے بیٹے پر تلوار چلائی اور بھائی نے بھائی پر حملہ کیا۔ مقاصد نے ان میں اختلاف پیدا کیا اور تلوار نے ان میں فیصلہ کر دیا۔

ابوبکرؓ مسلمانوں کے ساتھ تھے، اور اُن کے بیٹے عبدالرحمٰن مشرکین کے ساتھ، عتبہ بن ربیعہ قریش کے ساتھ اور اس کے بیٹے ابو حذیفہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔

اسیرانِ جنگ کے بارے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا، تو عمرؓ نے کہا:

"فلاں شخص میرا رشتہ دار ہے، اسے میرے حوالے کیجئے، میں اس کی گردن اڑا دوں گا، علیؓ کو حکم دیں کہ وہ عقیل بن ابی طالب کا گلا قلم کر دیں اور حمزہؓ کو حکم مرحمت ہو کہ اپنے فلاں (رشتے کے) بھائی کی گردن اُتار

لیں، یہاں تک کہ خدائے بزرگ و برتر دیکھ لے کہ ہمارے دل میں مشرکین کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ان اسیرانِ جنگ میں قریش کے صنادید، سردار، اور رہنما سب ہی شامل ہیں۔"

غور کریں کہ عقیدۂ راسخ اور ایمانِ عظیم کے بغیر بھی یہ بول کسی کے مُنہ سے نکل سکتے ہیں؟

اور کیا ——— جو لوگ ان عقائد راسخہ کے حامل ہوں، ان کا اندازِ جنگ بھی وہی ہو سکتا ہے جو ایسے لڑنے والوں کا ہوتا ہے۔ جن کا عقیدہ جاہلی نفسانیّت، انانیّت کی عصبیّت اور حب ظہور و نمود کے سوا کچھ نہیں ہوتا؟

۴۔ معنویاتِ عالیہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے پہلے بھی، اور جنگ کے بعد بھی صحابۂ کرام کو عزم و استقلال، اور تہوّر و دلیری کی برابر تلقین فرمائی، جس سے ان کی ہمّت اتنی بلند ہو گئی کہ قریش کی کثرتِ تعداد سے وہ ذرا بھی ہراساں اور مرعوب نہیں ہوئے۔ ہمّت کی یہ بلندی، اور عزم و استقلال کی یہ تڑپ صرف اُن ہی لوگوں میں نہیں تھی جو فنونِ جنگ کے ماہر تھے، اور جنگیں لڑ چکے تھے، بلکہ نوعمر اور نوخیز بچوں اور لڑکوں کا بھی یہی حال تھا، جنہوں نے نہ کبھی جنگ دیکھی تھی، نہ جنگ کے میدان میں کُودے تھے۔

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے :

"بدر کی جنگ والے دن میں ایک صف میں کھڑا تھا۔ میں نے داہنے اور بائیں نگاہ ڈالی تو ہر دو جانب دو نوخیز لڑکے نظر آئے۔ میں نے اپنے آپ کو کچھ غیر محفوظ سا سمجھا۔ اتنے میں اُن لڑکوں میں سے ایک نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھ سے کہا :

"عم محترم، مجھے بتائیے تو سہی ابوجہل کہاں ہے؟"

میں نے سراپا حیرت بن کر اس سے سوال کیا :

"میرے عزیز، تمہیں اس سے مطلب ؟

اس لڑکے نے جواب دیا :

"میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ اگر اسے دیکھ پایا تو یا اسے ہلاک کر دُوں گا، یا اپنی جان اس مقصد پر قربان کر دوں گا۔"

پھر دوسرے لڑکے نے بھی سرگوشی کرتے ہوئے اسی طرح کی باتیں کہیں۔

میں نے دونوں کو اشارے سے بتا دیا کہ ابوجہل وہ رہا، بس پھر کیا تھا وُہ دونوں باز کی طرح اس پر جھپٹے، اور اس پر ایسی تلواریں چلائیں کہ اُسے مار ڈالا۔ یہ دونوں عفراء کے لڑکے تھے۔ یہ دونوں پیکرِ شجاعت لڑکے غزوۂ بدر میں لڑتے رہے، اور ایک ان میں سے بالآخر مرتبۂ شہادت پر فائز ہُوئے۔"

جب نوعمر اور نوخیز بچّوں کی ہمت اس درجہ بلند تھی تو اندازہ کیجیے کہ جوانوں اور مردوں کی ہمّت اور جُرأت کا عالم کیا ہوگا ؟

تاریخ کے ہر دور میں اور ہر جنگ کی تاریخ سے جو بات ثابت ہوتی ہے، یہ ہے کہ جدید ترین تنظیم اور اسلحہ بندی اور قوتِ تعداد ہی فتح و انتصار کے لیے ضروری نہیں ہیں۔ ان سب سے زیادہ جو چیز کام آتی اور فائدہ پہنچاتی ہے، وہ ہے عزم و استقلال اور ہمّت کی بلندی۔

دوسری جنگِ عظیم میں اٹلی کی جنگی تنظیم اور اسلحہ بندی دونوں چیزیں بے مثل اور لاجواب تھیں۔ ان کی تعداد بھی کم نہ تھی، بہت زیادہ تھی، لیکن چوں کہ وُہ پست ہمّت اور عزم و استقلال سے محروم تھے، لہٰذا بُری طرح ہارے۔ ان چیزوں سے انہیں ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچ سکا۔

جرمنی اٹلی کا حلیف اور دوست تھا، لیکن پست ہمّتی کے باعث اٹلی جرمنی کے لیے

ایک بوجھ بن گیا تھا، اطالوی سپاہی جس معرکے میں بھی شریک ہوتے تھے، نکمّے اور ناکارہ ثابت ہوتے تھے، معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ جس میدان میں اٹلی کی فوجیں لڑتی تھیں اسکے اتحادی، ادھر سے منہ موڑ لیتے تھے اور ان کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے تھے۔

یہی وہ معنویات (عزم واستقلال) عالیہ تھے۔ جن سے بدر کے میدان میں مسلمان آراستہ تھے، اس ابتدائی خطرناک اور فیصلہ کن جنگ میں یہی چیز تھی، جس نے مسلمانوں کو سربلند اور سرفراز کیا۔

بدر کی جنگ دو عقائد کے درمیان ایک بہت بڑا اور فیصلہ کن تصادم تھا۔ اور اس عظیم تصادم میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کامیابی عطا فرمائی۔

غزوۂ بدر سے
جو سبق ملتے ہیں کیا ہیں؟

۱۔ فراہمیٔ معلومات :

طرفین نے گشتی دستوں کے ذریعے معلومات فراہم کیے اور ان سے فائدہ اٹھایا۔ دونوں میں سے کوئی بھی اچانک اور ناگہانی حملہ نہ کرسکا۔ طرفین سے متعلق افواج اور اُن کے مقامات کے بارے میں مفید اور بہتر معلومات حاصل ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قریش کے گرفتار شدہ غلاموں سے جنگِ بدر واقع ہونے سے پہلے اُن کی تعداد کے بارے میں جو معلومات حاصل کر لیے تھے ـــ وہ حد درجہ مفید اور کارآمد تھے۔

اسی طرح ابوسفیان رکائب (سواری) مسلمین کی مینگنیوں کو توڑ کر یہ پتہ چلا لیتا ہے،

کہ یہ مدنی لوگ ہیں، اور مسلمانوں کا لشکر کہیں قریب ہی موجود ہے، ذہانت سے بھرپور اور انتہائی کار آمد اندازہ تھا۔

طرفین حصولِ معلومات میں، ہمہ تن مشغول تھے، اور برابر ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہنے میں کامیاب ہو جایا کرتے تھے۔ لہٰذا اچانک اور غیر متوقع حملہ کوئی بھی ایک دوسرے پر نہ کر سکا۔ اس معرکہ میں، انتصار و فتح کے ایک بہت بڑے عامل اور سبب سے استفادہ کرنا کسی کے لیے بھی ممکن نہ رہا۔

۲۔ قیادت :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزایا اور فضائل و کمالات اس جنگ میں کھُل کر نظر کے سامنے آ گئے۔ شجاعت ضبطِ اعصاب، جنگی معاملات سے متعلق جنگ سے پہلے، جنگ کے دوران میں، اور جنگ کے بعد مجالس مشورت کا انعقاد اور تمام معاملات و احوال میں، اپنے اور صحابہ کے مابین مکمّل مساوات کا قیام، یہ سب چیزیں اتنی زیادہ واضح اور نمایاں قبل ازیں کبھی نہیں ہُوئی تھیں ——— علاوہ ازیں اس جنگ میں پہلی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سالار کی بیٹھک کے لیے ایک جگہ کا انتخاب کیا، اور اس کی حفاظت کے لیے پہرہ مقرر کیا۔

۳۔ نظم و ضبط، عزم و استقلال اور عقیدۂ راسخ

اس جنگ میں نہایت وضاحت کے ساتھ نظم و ضبط محکم، معنویاتِ عالیہ، اور عقیدۂ راسخہ کے اثرات قریش پر مسلمانوں کی فتح و انتصار کی صُورت میں ظاہر ہوئے۔ آئندہ مسلمانوں کی جو لڑائیاں قریش اور یہود و نصاریٰ سے ہوئیں۔ اُن میں بھی ہمیں یہی خوبیاں بدرجۂ اتم نظر آتی ہیں۔

۴- جنگی فیصلے :

الف : لشکر کشی کے دوران میں

لشکر کشی کے دوران میں مسلمانوں کی ترتیب نہایت موزوں اور بہتر تھی، مقدمۃ الجیش، قسم اکبر اور مؤخرہ (عقب) اس ترتیب کے علاوہ ایک بات اور تھی، یعنی مہاجرین اور انصار کے پرچم جُدا جُدا تھے اور ایک عام جھنڈا تھا جو ساری فوج کے لیے تھا۔

معلومات کی فراہمی کے لیے گشتی دستوں کا فوج کے آگے آگے جانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہُوا کہ ایک تو قریش کے بارے میں اہم معلُومات حاصل ہوتے رہے، دُوسرا یہ کہ قریش مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کی جُرأت نہ کر سکے۔

لشکر کشی کے دوران میں مُسلمانوں کی ترتیب بالکل ویسی ہی تھی جیسی آج کل بھی میدانی جنگوں میں، نئے نظام کے ماتحت ملحوظ خاطر رکھی جاتی ہے۔

ب : لڑائی کے دوران میں

مسلمانوں نے پہلی مرتبہ مشرکین کے خلاف صف بندی کر کے فائدہ اٹھایا، یہ اصُول ان کے بہت کام آیا۔ اس کے برعکس قریش اسی فرسُودہ اور پُرانے ڈھرے پر، یعنی اقدام اور پسپائی پر عامل رہے، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے برعکس اپنی فوج پر کنٹرول کرنے، اور اس کی حفاظت کرنے، اور محتاط روش اختیار کرنے کے باعث زیادہ کامیاب رہے۔

اس جنگ میں اسلوبِ صف بندی ایک نیا طریقہ تھا، جو بے حد کامیاب رہا، اور اقدام اور پسپائی کا اسلوب گھسا پٹا طریقہ تھا، جو کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکا۔

ج : کلمۂ تعارف

جنگ کے دوران مُسلمانوں نے آپس میں تعارف کے لیے ——— احد، احد

کا لفظ مقرر کیا تھا، اس طرح جنگ کے میدان میں وہ ایک دوسرے کو پہچان لینے میں کامیاب رہے۔

جنگی حالات ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے، حد درجہ ضروری ہے کہ جنگ میں کوئی واضح اسلوب ہو جس سے لڑائی کرنے والے متعارف ہو سکیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ مسلمان اور مشرکین شکل و شباہت، خد و خال، قیافہ، اسلحہ بندی اور تنظیم میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے تھے۔

اگر طرفین اپنی صورت شکل، وضع قطع، خد و خال، قیافہ، اسلحہ بندی، اور تنظیم کے اعتبار سے باہم مختلف ہوں تو اس تعارفی کلمے کی قدر و قیمت اور اہمیت و ضرورت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

۵ - انتظامی فیصلے :

الف : رسد

مشرکین ہر روز نو یا دس اونٹ ذبح کیا کرتے تھے، تاکہ مقاتلین کے لیے تازہ، اور گرما گرم کھانا میسر ہو سکے، یہ اونٹ سرداران قریش کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے، اس کے برعکس مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ اکثر اوقات کھجور اور ستو پر گزارہ کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کی اقتصادی حالت اس وقت بہت سقیم تھی۔

ب : پانی

بدر کی جنگ کے موقع پر مسلمانوں نے پانی کا حوض تیار کیا، اور اسے پانی سے بھر لیا۔ لڑائی کے دن اس سے فائدہ اٹھاتے رہے، بدر کے باقی تمام تالاب انہوں نے مٹی اور پتھر سے پاٹ دیئے تاکہ مشرکین ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

جنگ کے روز مشرکین پانی سے محروم تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ بار بار نرغہ کر کے حوضِ آب

کے پاس آنے کی جدوجہد کرتے تھے، لیکن اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

مشرکین کی شکست کے جہاں اور عوامل تھے، وہاں ان میں ایک اہم عامل پانی سے محرومی بھی تھی۔

ج : غنائم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکۂ بدر کا مال غنیمت اکٹھا کیا، اور اُن لوگوں میں پُوری مساوات کے ساتھ تقسیم کر دیا۔ جنہوں نے اس جنگ کے جیتنے میں آپؐ کا ساتھ دیا تھا، آپؐ نے سوار کے لیے دو حصّے رکھے کہ وہ زائد حصّے سے اپنے گھوڑے کے دانے پانی کے مصارف پُورے کرے، پیادوں کو ایک حصّہ مرحمت فرمایا، جو حضرات اس معرکہ میں مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے تھے، اُن کے وارثوں کو بھی حصّہ دیا، اور اُن لوگوں کا حصّہ بھی نکالا گیا جو مدینہ سے سفر پر نہیں نکل سکتے تھے، اور بدر میں حاضری کی شرکت اور سعادت سے محروم رہ گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے، جنہیں مدینہ ہی میں کوئی ذمّے داری سونپی گئی تھی اور کسی کام پر مامُور کیا گیا تھا، ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کا حصّہ بھی مالِ غنیمت میں رکھا گیا جنہیں بدر کی طرف چلنے، اور سفر اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی تھی، لیکن وُہ کسی ایسے عُذر کے باعث مدینہ سے باہر نہ نکل سکے، جسے آپؐ نے معقول تسلیم کر لیا تھا۔

جنگ میں فتح صرف لڑنے والے ہی نہیں حاصل کرتے، بلکہ اس میں اُن لوگوں کا بھی بڑا حصّہ ہوتا ہے، جو اگلی صفوں میں، یا عقب میں مصرُوفِ کار رہتے ہیں۔ ان کا تعاون اور رفاقت اگر حاصل نہ ہو تو فتح کا حاصل کرنا ایک امرِ دشوار بن جاتا ہے ——— یہی وجہ تھی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت ان لوگوں کو بھی نہیں بھوُلے جو اگلی اور پچھلی صفوں میں کام کر رہے، اور اپنے فرائضِ مفروضہ انجام دے رہے تھے۔

د : اسیرانِ جنگ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قیدیوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ جو اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ یعنی انہیں جنگی مجرم قرار دیا گیا، نہ کہ جنگی قیدی۔ یہ دونوں، مسلمانوں اور اسلام کی عداوت میں حد سے بہت زیادہ متجاوز ہو چکے تھے۔ جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے انہیں عقوبت اور اذیت دینے کے جو یا، حد درجہ

---

[1] : ملاحظہ ہو " بین الاقوامی آئین جنگ و صلح "

واجبات و فرائض متعلق بہ اسیرانِ جنگ :

" ضروری ہے کہ قیدیوں کے معاملات و امور کا تصفیہ اصولِ انسانیت کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے۔ کسی جنگی قیدی پر نہ ظلم کیا جائے نہ اس کی تحقیر و تذلیل کی جائے۔ قیدیوں سے جسمانی مشقت لی جا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ ان کی طاقت سے زیادہ نہ ہو۔ نہ ایسا کام لیا جائے جو ان کے لیے جان لیوا ثابت ہو۔"

اسیرانِ جنگ کی رہائی :

" کسی قیدی کو کلمۂ شرف عطا کرنے کے بعد، کسی حکومت کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے، نہ اس پر یہ پابندی قبول کرنی لازم ہے، البتہ اسیرانِ جنگ کو اجازت ہے کہ وہ ان شرائط رہائی کو قبول کر لیں، جن کی اجازت ان کی اپنی حکومت نے دی ہو، اور قیدی کی حکومت پر یہ واجب ہے کہ اسے اپنا عہد توڑنے پر مجبور نہ کرے، اور اگر وہ رہائی کے بعد، پھر فوجی ملازمت حاصل کرنا چاہے تو اسے قبول کر لے، اور قیدی کی حکومت پر یہ بھی واجب ہے، کہ اگر قیدی کلمۂ شرف سے دستبردار ہونا چاہے، جس کی پابندی اس نے قبول کر لی تھی اور دوبارہ فوج میں شریک ہو کر پھر اسی حکومت پر حملہ کرے، جس نے اسے قید سے رہائی بخشی تھی، تو اگر وہ اس حکومت کے ہاتھوں (باقی اگلے صفحہ پر)

شقی القلب اور سفاک، اور دعوتِ اسلامیہ کے اعدی عدو۔

۲ : ان دو کے علاوہ باقی قیدی، جن کی تعداد اڑسٹھ[۶۸] تھی، انہیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرماتے ہُوئے اپنے صحابہؓ کے مابین تقسیم کر دیا کہ :

"ان قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرنا۔"

اس کے بعد ——— زردار قیدیوں سے فدیہ لیا گیا۔ حسبِ استطاعت ایک ہزار سے لے چار ہزار درہم تک فی کس وصول کیا گیا۔

باقی رہے، نادار اور تنگ دست قیدی، تو ان میں سے بعض کو آپؐ نے فدیہ لیے بغیر رہائی عطا فرمائی، اور جو قیدی پڑھے لکھے تھے ——— اس امر کا مکلّف اور پابند کیا کہ مُسلمان بچّوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ ان اطفال کی تعلیم کے بعد،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۸ :

یا اس کی کسی حلیف حکومت کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ——— تو اس پر عہد شکنی کا مقدمہ چلایا جائے گا، ایسے آدمی کو عموماً موت کی سزا دی جاتی ہے۔

وہ کلمۂ شرف، جس کا قیدی بطور خود پابند بنتا ہے۔ یہ ہے کہ آئندہ کبھی اس حکومت کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے گا، جس نے اسے پروانۂ رہائی عطا کیا تھا، اور نہ اس کے خلاف کسی ظلم یا زیادتی کے معاملے میں تعاون کرے گا خواہ وہ کسی طرح سے ہو، اور کسی طرف سے ہو۔

قید کی حالت قیدی کو آزاد کر دینے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ خواہ وُہ آزادی مشروط ہو، یا غیر مشروط، یا کلمۂ شرف کا عہد و پیمان کر لینے کے بعد، یہ قید بالکل اسی طرح ختم ہو جاتی ہے، جس طرح، قیدیوں کے تبادلے سے، یا مالی فدیہ حاصل کرنے سے ختم ہو جاتی ہے۔

یہ بھی رہا کر دیئے گئے۔

و : مقتول[1] اور زخمی

مسلمانوں نے ایک کنواں کھودا ——— اس میں مشرکین کی لاشیں دفن کر دیں۔

یہ اصول عہد جدید میں بھی رائج ہے کہ :

دشمن کے مقتولوں کو دفن کرنا ضرور اور لابدی ہے۔

اس طرح مسلمانوں نے مشرکین کے زخمیوں پر بھی پوری توجہ مبذول کی، ان کی مرہم پٹی بالکل اسی طرح کی گئی :

جس طرح مسلمانوں کی ——— کی گئی تھی۔

---

[1] : ملاحظہ ہو :-

"بین الاقوامی آئین جنگ و صلح"

مقتولوں کے بارے میں واجبات و فرائض :

جنگ کرنے والے فریقین پر لازم ہے کہ :-

- مقتول کی لاش کا احترام کریں۔
- اس کی توہین نہ کریں اور
- مقتول کی شخصی تحقیق کے بعد اسے دفن کر دیں۔

اس سپہ سالار پر لازم ہے، ——— جس کی کمان میں جنگ لڑی گئی ہو کہ ہر حرکت کے بعد احتیاطات لازمہ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، اس کا خیال رکھے کہ :

- مقتولوں کی چیزیں نہ لوٹی کھسوٹی جائیں، (باقی اگلے صفحہ پر)

ز : تہذیب

مسلمانوں نے تعلیم یافتہ قیدیوں سے اپنے بچّوں کو تعلیم دلانے کا —— فائدہ اٹھایا،

پھر یہی بچّے :

کتابتِ وحی کے امین —— اور

ثقافتِ اسلامیہ کے ترجمان بنے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰ :

نہ ان کی لاشوں کے ساتھ بے حرمتی کا برتاؤ کیا جائے۔

زخمیوں کے بارے میں واجبات و فرائض :

زخمیوں کی حفاظت اور ان کا احترام بسا ضروری، اور لازمی ہے۔

ان کا علاج معالجہ،

اور مرہم پٹی بالکل اپنے زخمیوں کی طرح کی جائے —— جب وہ تندرست ہو جائیں گے، تو :

ان کی حیثیت جنگی قیدی کی ہو جائے گی۔

◎

۹

ایک مضبوط و محکم مرکز

◎

واما تخافن من قوم خیانۃ
فانبذ الیھم الی سواء، ان
اللہ لا یحب الخائنین،

القرآن الکریم

"اگر کسی قوم سے خیانت (نقضِ عہد) کا
خوف ہو، تو ان کا معاہدہ اعلان کر کے ختم
کر دیں، بلا شبہ خدا خیانت کرنے والوں
کو پسند نہیں کرتا۔"

◎

مدینہ

اِسلام کا مستحکم مرکز

تطہیرِ مدینہ

قریشِ مکّہ کی اقتصادی ناکہ بندی

مؤقفِ عام

۱۔ مُسلمان :

جنگِ بدر سے پہلے مسلمان اپنے ہم وطن غیر مسلموں سے خائف اور ترساں رہتے تھے۔ وہ اس آدمی سے انتقام لینے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے جو مدینہ کے مسلمانوں میں سے کسی مسلمان پر ظلم وستم کرتا۔ لیکن جب بدر کے معرکہ سے کامیاب و کامران ہو کر واپس آئے تو حالات یکسر بدل چکے تھے، ان کے انتصار اور فتح کا نقش باشندگانِ مدینہ اور قرب وجوار مدینہ کے لوگوں پر اچھی طرح قائم ہو چکا تھا۔

اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ انھوں نے اسلام کے بدترین اور بدزبان دشمنوں میں سے کئی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ مثلاً، ابی عفک، یہ شخص مسلمانوں کی ہجو کہتا تھا۔

اور اپنی قوم کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر شدّت کے ساتھ اکسایا کرتا تھا، اور عصماء بنت مروان ـــــــ جو اسلام کی عیب چینی کرتی رہتی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخیاں کرکے انہیں اذیّت پہنچاتی، اور علانیہ اپنی قوم کے لوگوں کو اکساتی کہ وہ آپؐ کو قتل کر دیں، اور کعب بن اشرف، یہ وہ شخص تھا، جس نے سادات مکّہ کے قتل پر کہا تھا:

"یہ لوگ عرب کے اشراف، اور عوام کے بادشاہ تھے، خدا کی قسم، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سب کو قتل کر آئے ہیں تو اب زمین کا پیٹ (قبر) اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔"

سرداران مکّہ کے قتل کی خبر کی تصدیق کر چکنے کے بعد کعب بن اشرف بذاتِ خود مکّہ گیا۔ اور قریش کو آپؐ کے خلاف بھڑکانے اور قتل پر اکسانے لگا، یہ دردناک اشعار پڑھتا، بدر کے مقتولین قریش کا مرثیہ سناتا، اور پھوٹ پھوٹ کر روتا تھا۔ اس کے بعد، جب یہ مدینہ واپس آیا تو مسلمان عورتوں کا نام لے کر اشعار میں تشبیب اور گریز سے کام لیتا، اور ان کی رسوائی اور بدنامی کا موجب بنتا۔

بہت جلد یہ حقیقت نظر کے سامنے آجائے گی، کہ مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کا کس طرح خاتمہ کیا؟

۲- یہود اور مشرک :

الف : قریش نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ خواہ کتنے ہی ایثار سے کام لینا پڑے، قربانیاں دینا پڑیں۔ مال و دولت صرف کرنا پڑے۔ لیکن بدر کی شکست کا انتقام مسلمانوں سے لیا جائے گا، اور ضرور لیا جائے گا۔ چنانچہ اس کام کو سرانجام دینے کے لیے وہ ہمہ تن مصروف و منہمک ہو گئے۔

ب : مکّہ سے شام تک کے تجارتی راستے پر جو قبائل آباد تھے، اور بود و باش رکھتے تھے، ان میں سے اکثر نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدۂ صلح و امن کر لیا تھا۔ اس شاہراہ پر اب مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ کوئی فرد بھی مسلمانوں کی اجازت اور مرضی کے بغیر اس راستے پر سفر نہیں کر سکتا تھا۔

بایں ہمہ بعض قبائل محسوس کر رہے تھے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کا زور یوں ہی بڑھتا رہا تو خود ان کا وجود بھی خطرے میں پڑ جائے گا، خاص طور پر اس لیے بھی کہ قریش کے تجارتی قافلوں سے انہیں جو فائدہ پہنچتا تھا، اور جو مالی منافع حاصل کرتے تھے، اس سے محروم ہو چکے تھے۔ لہٰذا یہ قبائل سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے لگے کہ مسلمانوں سے کیوں کر اور کس طرح تعرض کیا جائے ———؟

ج : مشرکین مدینہ میں سے اکثر نے اسلام کی روز افزوں قوت و طاقت دیکھ کر اسلام قبول کر لیا، انہیں اپنی بھلائی اب اسی میں نظر آ رہی تھی۔

د : لیکن مدینہ کے یہودی پہلے سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن بن گئے۔ ان میں سے بعض تو علانیہ اسلام کے خلاف لب کشائی کرنے لگے۔ صرف اتنا ہی نہیں، مسلمانوں کی جملہ نقل و حرکت اور تمام سرگرمیوں سے قریشِ مکّہ کو واقفیت بہم پہنچانے لگے، اس طرح مدینہ کے اندر ان کا وجود مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتنہ اور خطرہ بن گیا تھا۔

اصل مقصد

ا : مدینہ کو یہودیوں سے پاک کرنا، یہاں تک کہ مدینۂ منورہ مسلمانوں کی جنبش اور

حرکت، اور اقدامات کے لیے ایک مضبوط مرکز بن جائے، اُن کے بارے میں معلومات دشمن تک نہ پہنچ سکیں۔ جیساکہ اس سے پہلے ہوتا رہا تھا۔ تطہیرِ مدینہ کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمان مدینہ کے اندرونی حالات سے بالکل مطمئن ہو گئے۔ اب وہ بڑی آسانی سے اپنے چند آدمی وہاں چھوڑ کر باہر جا سکتے تھے۔

۲ : قریش کو ان راستوں سے محروم کر دیا جائے، جو ایک طرف سے مکّہ، اور دوسری جانب سے شام اور عراق کا نقطۂ اتّصال تھے، اور انہی راستوں پر قریش کی تجارت اور معیشت کا انحصار تھا، اس طرح قریش کی مکمّل ناکہ بندی کر کے انہیں مادّی وسائل اور ذرائع سے محروم کر دیا جائے۔

حصار بنو قینقاع

۱۔ اسبابِ حصار :

الف : اسبابِ غیر مباشرہ (مخفی)

یہود مسلمانوں کی ایک ایک بات کا پتہ چلانے کی کوشش کرتے اور مشرکین کو ان سے باخبر رکھتے تھے، اس طرح قریش مسلمانوں کے جملہ عزائم، اور تمام ارادوں سے واقفیت بہم پہنچا لیتے تھے۔ علاوہ ازیں اب یہود کُھل کر میدان میں آ گئے تھے۔ اسلام اور مُسلمانوں کے خلاف برسرِ عام بدزبانی، اور عداوت و مخاصمت کا اظہار کرنے لگے تھے۔

ب : اسبابِ مباشرہ (ظاہری)

بنو قینقاع کے بازار میں ایک مسلمان عورت اپنا کوئی زیور فروخت کرنے آئی — یہودیوں نے برسرِ بازار اس کے ساتھ چھیڑ خوانی کی، عورت نے فریاد کی۔ ایک مُسلمان نے

اُچک کر یہودی سنار پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ یہودی اکٹھے ہو کر جمع ہوئے اور اس باغیرت و باحمیّت مُسلمان کو بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد نہایت اطمینان سے اپنے قلعوں میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے، اور یوں قلعہ بند ہو کر ہر طرح اپنے آپ کو محفوظ و مامون کر لیا۔

۲۔ طرفین کی قوت و طاقت :

الف : مسلمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر قیادت مدینۂ منورہ کے تمام مُسلمان۔

ب : یہُود

مدینۂ منورہ کے اندر رہنے والے بنو قینقاع کے تمام یہودی۔

۳۔ مقصد :

مدینۂ منورہ کو یہود بنو قینقاع سے پاک و صاف کر دینا، تاکہ وہاں صرف مسلمانوں کا تسلّط اور غلبہ قائم رہے، اور مدینۂ منورہ مسلمانوں کے لیے محفوظ ترین مرکز بن جائے، اور مستقبل کے لیے مسلمانوں کی نقل و حرکت مخفی اور پوشیدہ رہ سکے۔

۴۔ حوادث اور واقعات :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے یہود سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کی اذیّت رسانی کا مشغلہ ترک کر دیں اور جو پیمانِ صلح قائم ہو چکا ہے اس پر شرافت کے ساتھ عمل کریں، تاکہ ان کا بھی وہی حشر نہ ہو، جو قریش کا ہو چکا ہے۔

بنو قینقاع نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا استقبال تمسخر اور استہزاء

کے ساتھ کیا، انہوں نے یہ جواب دیا :

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) آپؐ کو غرور اور تکبّر نہ اختیار کرنا چاہیئے۔ ہمارا اور مشرکین قریش کا معاملہ بالکل الگ ہے، وہ ایسے لوگ تھے جو فنونِ جنگ سے یکسر ناواقف اور نابلد تھے، لہٰذا، ان کے مقابلے میں آپؐ کامیاب ہو گئے۔ خدا کی قسم، اگر آپؐ کا ہم سے مقابلہ ہُوا۔ تو آپؐ بہت جلد محسوس کر لیں گے کہ ہم مرد ہیں۔"

یہود کے اس گستاخانہ جواب کے بعد جو دھمکی سے بھرپور تھا، اب مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا کہ وہ بنو قینقاع سے آمادہ بہ جنگ ہو جاتے۔ چنانچہ انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ یہُود کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا، جو پندرہ دن تک جاری رہا ——— آخر کار وہ محاصرے کی تاب نہ لا سکے، اور ہتھیار ڈال دینے پر مجبُور ہو گئے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر رضامند ہو گئے کہ جو کچھ آپؐ اُن کے نیز اُن کے اہل و عیال اور مال و دولت کے بارے میں فیصلہ صادر فرمائیں گے، اُسے وہ بے چُوں و چرا قبول کر لیں گے ———

چنانچہ عبداللہ بن ابی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہُوا، اور عرض گزار ہُوا :

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) از راہ کرم میرے دوستوں پر احسان فرمایئے۔"

بات یہ تھی کہ یہ یہُود بنو قینقاع بنو خزرج (ایک انصاری قبیلہ، جس کا ایک فرد عبداللہ بھی تھا) کے حلیف تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کی بات سُنی اور سکوت اختیار فرمایا۔

عبداللہ بن ابی نے پھر اپنی بات دُہرائی۔

آپؐ نے اس کی طرف سے رُوئے مبارک پھیر لیا۔

عبداللہ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کے گریبان میں ڈال دیا۔

آں حضرتؐ کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیّر ہوگیا، اور فرمایا :

" میرے پاس سے ہٹ جا "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر برہمی کی کیفیّت طاری ہوگئی جس کے اثرات رخ انور سے عیاں تھے۔

عبداللہ بن ابی اب تک آس لگائے ہُوئے تھا، چنانچہ اس کا اصرار جاری رہا۔

وُہ کہنے لگا :

" خدا کی قسم میں آپؐ کا دامن اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک آپؐ میرے دوستوں کو پروانۂ عفو عطا نہیں فرمادیں گے۔ ان میں چار سو آدمی حاسر[۱] اور تین سو دارع[۲] ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے احمر و اسود سے میری حفاظت کی ہے آپؐ انہیں ایک ہی دن میں کاٹ کر رکھ دیں گے، بخدا میں شدائد و مصائب سے ہراساں اور خوف زدہ ہُوں !"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" اچھا تیری خاطر اُن کی جان بخشی کی جاتی ہے، لیکن وُہ مدینہ میں نہ رہیں اور ہمارا پڑوس چھوڑ دیں۔"

بنو قینقاع نے جلاوطنی اختیار کر لی، اور اپنے پیچھے اسلحہ، اور سونے کے

---

۱ : حاسر ——— وہ سپاہی جن کے پاس زرہ نہ ہو۔

۲ : دارع ——— وہ سپاہی جو زرہ زیب تن کیے ہوں۔

برتن جو وہ بنایا کرتے تھے چھوڑ کر وادی قریٰ[1] میں پہنچے، کچھ مدت یہاں قیام کیا۔ پھر سامان اٹھایا، اور شمال کی طرف چل نکلے یہاں تک کہ ایک مقام اذریعات[2] میں وارد ہوئے جو حدود شام میں تھا، یہاں اقامت اختیار کر لی، لیکن زیادہ عرصے تک یہاں بھی نہ ٹک سکے، ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے اس پانچویں کالم (الرتل الخامس) سے نجات پائی، جو ان کے درمیان رہ کر انہیں گزند پہنچانے کی سعی و سازش میں مصروف رہتے تھے، اور بے غل و غش زندگی بسر کر رہے تھے۔

قریش کی اقتصادی ناکہ بندی

۱۔ غزوۂ بنو سلیم :

الف : فریقین کی قوت و طاقت

مسلمان :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر قیادت دو سو (۲۰۰) سواروں، اور پیادوں کا جنگی دستہ۔

---

[1] : وادیٔ قریٰ ——— خیبر اور مدینہ کے مابین ایک مقام ہے، اور جنوب میں واقع ہے۔

[2] : اذریعات ——— منطقۂ شرق اردن کا ایک موضع، جو موجودہ نقشے کے مطابق اجنادین اور شام کے درمیان واقع ہے۔

مشرکین :

بنو سلیم اور بنو غطفان کے پورے قبائل۔

ب : مقصد

بنو سلیم اور بنو غطفان سے مقابلہ و مقاتلہ کر کے ان کے مرکز قرقرۃ الکدر[1] ہی میں گھس کر ختم کر دیا جائے، جو شام اور مکّہ کی تجارتی گزرگاہ پر واقع تھا۔

ج : واقعات و حوادث

مسلمانوں کو خبر ملی کہ بنو سلیم اور بنو غطفان کا ایک بڑا گروہ ان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معیّت میں دو سو سوار اور پیادے لے کر قرقرۃ الکدر کی طرف نکلے تاکہ انہیں راستے ہی میں جا لیں، جب اس جگہ وارد ہوئے تو کسی کو بھی نہ پایا۔ بنو غطفان اور بنو سلیم کی جماعتیں مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑی ہوئی تھیں، اونٹوں اور دیگر سامان کی صورت میں جو مال ملا، وہ مالِ غنیمت تصوّر کیا گیا، جسے کامل مساوات کے ساتھ آپؐ نے تقسیم فرما دیا۔

ان لوگوں کے منازل میں مسلمانوں نے تین دن تک قیام کیا، تاکہ ان کی قوت و شوکت کا اظہار ہو، اور دشمن محسوس کر لے کہ مسلمان نہ اس سے خائف ہیں، نہ اس کی ذرا بھی پروا کرتے ہیں۔

اس کے بعد مسلمان اپنے مقام و مستقر پر واپس آ گئے۔

---

[1] : واقدی کا بیان ہے کہ :۔

"یہ جگہ عدن کی طرف، ارحضیبہ کے قریب واقع ہے۔"

بعض کا خیال ہے :۔

"یہ مقام بنو سلیم کا گھاٹ تھا۔"

۲۔ غزوۂ سویق :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مُسلمان :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ قیادت ایک چھوٹی سی تعاقب کرنے والی فوجی ٹکری۔

مُشرکین :

ابُوسفیان کی قیادت میں دو سو (۲۰۰) سوار۔

ب : مقصد

ابوسفیان کی قوت و طاقت ختم کرنے کے لیے، جنگ اور لڑائی پر آمادگی، اور تعاقب۔

ج : واقعات و حوادث

ابوسفیان دو سو (۲۰۰) سوار لے کر مکّہ سے نکلا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ مدینۂ منورہ پر اچانک ٹوٹ پڑے، تاکہ جنگ بدر میں قریش کی شوکت و عظمت کو جو زبردست نقصان پہنچا تھا۔ اسے ازسرِنو حاصل کیا جائے اور مسلمانوں کو جتنا زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جاسکتا ہے بے دریغ پہنچایا جائے۔ اس طرح وہ اپنی نذر بھی پُوری کرنا چاہتا تھا، جنگ بدر کے بعد، از خود اُس نے اپنے آپ پر یہ نذر عائد کی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک جب تک جنگ نہ کرلوں گا، نہ غسلِ جنابت کروں گا، نہ سر پر پانی ڈالوں گا۔

ابُوسفیان اطرافِ مدینہ میں اپنی فوج لے کر مساکن بنو نضیر تک وارد ہوگیا۔ یہ رات کا وقت تھا، وہ یہودیوں کے سردار سلام بن مشکم کے پاس آیا۔ اس سے مُسلمانوں کے بارے

میں ضروری معلومات فراہم کیے۔ پھر دونوں سر جوڑ کر بیٹھے، اور اس امر پر بحث کرنے لگے کہ وہ کون سا بہترین طریقہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں پر کاری ضرب بھی لگائی جائے اور اُن کے تعاقب کا خطرہ بھی مول نہ لینا پڑے، خوب اچھی بحث و گفتگو اور تبادلۂ خیال کے بعد ابوُسفیان نے عُریض [1] پر حملہ کر دیا اور دو گھر اور کچھ کھجُور کے درخت جلا دیئے۔ ایک انصاری، اور اس کا دوست اپنے کھیتوں میں موجود تھے ان کو قتل کر دیا، جھٹ پٹ یہ کام کر کے ابوُسفیان بھاگ کھڑا ہُوا۔ اسے اندیشہ تھا کہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ ضرور اس کا تعاقب کریں گے، اور اس سے وُہ بچنا چاہتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر ملتے ہی صحابۂ کرامؓ کو تعاقب کا حکم دیا۔ وہ فوراً کمر کس کر اس کام پر روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ قرقرۃ الکدر تک آ گئے۔ ابوُسفیان اور اُس کے ساتھی، صبار فتاری کے ساتھ بھاگ رہے تھے، تعاقب ہوتا دیکھا تو اور زیادہ گھبرائے اور حواس باختہ ہو گئے۔ زیادہ تیز بھاگنے کے لیے وُہ غذائی تھیلے پھینکنے لگے، جو اپنے ساتھ لائے تھے، آخر کار وُہ اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ پھینکے ہُوئے تھیلے مسلمانوں کے ہاتھ آئے، جو ستوّ سے بھرے ہُوئے تھے، اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوۂ سویق (ستوّ والا غزوہ) پڑ گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ ہلکے پھلکے ہو کر یہ بہت دُور نکل چکے ہیں تو آپؐ صحابہؓ سمیت مدینۂ منورہ واپس آ گئے۔

---

[1] : یہ ایک جگہ کا نام ہے، جہاں ایک قبیلہ جو اسلام قبول کر چکا تھا۔ بود و باش رکھتا تھا۔

یاقوت حموی کا بیان ہے کہ یہ مدینہ کے قریب ایک وادی ہے۔ جس کا نام مغازی میں آتا ہے۔

۳۔ غزوۂ ذی امر[1]

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مسلمان :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ساڑھے چار سو سوار اور پیادے۔

مشرکین :

قبائل بنو ثعلبہ و محارب۔

ب : مقصد

قبل اس کے کہ بنو ثعلبہ اور محارب ان پر حملہ آور ہوں۔ اُن سے جنگ کر کے اُنکے عزائم خاک میں ملا دیئے جائیں۔

ج : واقعات و حوادث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو ثعلبہ اور محارب کے قبائل، ذی امر کے مقام پر مجتمع ہو رہے ہیں، اور اطرافِ مدینہ پر حملہ کرنے کا تہیّہ کر چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فوج لے کر نکلے، جو ساڑھے چار سو افراد پر مشتمل تھی، جس میں سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ راستے میں ایک آدمی بنو ثعلبہ کا مل گیا۔ اس سے پوچھ گچھ کی، تو معلوم ہُوا وہ ابھی تک اپنے گھروں سے باہر نہیں

---

[1] : ذی امر،

یہ نجد کے علاقے میں ایک موضع تھا ——— جہاں غطفانی بود و باش رکھتے تھے۔

نکلے ہیں، اور یہ طے کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کی آمد کا حال معلوم ہوتے ہی پہاڑوں میں جا کر دبک جائیں گے۔

چنانچہ جب بنو ثعلبہ اور محارب نے مُسلمانوں کی آمد کا حال سُنا تو فوراً پہاڑوں میں رُوپوش ہو گئے۔

اس دیار میں کامل ایک مہینہ تک قیام کرنے کے بعد بدُوں قتال و جدال کے مسلمانوں کو واپس لوٹنا پڑا۔

۴- غزوۂ بحران :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مُسلمان :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت ہی تین سو مقاتل (جنگ آزما) سوار بھی اور پیادے بھی۔

مُشرکین :

قبیلۂ بنو سلیم۔

ب : مقصد

قبل اس کے کہ بنو سلیم مسلمانوں پر لوٹ پڑیں، ان پر حملہ کر کے ان کی قوت اور طاقت کا خاتمہ کر دیا جائے۔

ج : واقعات و حوادث

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ملی کہ بنو سلیم مسلمانوں سے جنگ کی تیاری

کر رہے ہیں۔ آپؐ تین سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر مقابلے کو نکلے۔ سفر زیادہ سے زیادہ تیزی کے ساتھ جاری رہا، تاکہ اچانک بنو سلیم پر حملہ کر دیا جائے۔ جب بحران کا سفر ایک رات کا رہ گیا تو بنو سلیم کا ایک آدمی ہاتھ میں آ گیا، پوچھ گچھ کے بعد معلوم ہُوا کہ ان لوگوں نے جیسے ہی مسلمانوں کی آمد کی خبر سنی، فوراً بھاگ گئے۔

اس دیار میں دو مہینے تک قیام کرنے کے بعد آپؐ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

۵۔ سریۂ زید بن حارثہ :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مسلمان :

سو سواروں کا ایک گشتی دستہ، زیر قیادت زیدؓ بن حارثہ

مشرکین :

صفوان بن امیہ کی زیر قیادت قریش کا تجارتی کارواں۔

ب : مقصد

مکّہ اور شام کے تجارتی راستے سے قریش منقطع کیے جا چکے تھے۔ اب پیش نظر یہ تھا کہ عراق سے مکّہ جانے والا تجارتی راستہ بھی قریش کے قبضے میں نہ رہے اور انہیں اس سے یکسر محروم کر دیا جائے۔

ج : واقعات و حوادث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے شام جانے والی تجارتی گزرگاہ سے قریش

کو محروم کر دیا تو اس سے قریش کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا۔ اس لیے کہ باشندگانِ مکّہ کی معیشت کا انحصار تمام تر تجارت ہی پر تھا۔ اس لیے کہ مکّہ وادی غیر ذی زرع تھا۔ یعنی جہاں کھیتی باڑی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

صفوان بن امیہ نے قریش سے کہا :

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اور اُن کے ساتھیوں نے ہماری تجارت کا راستہ بند کر دیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کا تدارک کس طرح کیا جائے، یہ لوگ ہمہ وقت ساحل پر ڈیرہ جمائے رہتے ہیں، اور اہلِ ساحل نے ان کے ساتھ معاہدے کر لیے ہیں، آخر ہم کیا کریں؟ اور کہاں جائیں؟ اگر ہم اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ساری پونجی کھا جائیں، اگر ایسا کیا تو زندہ رہنے، اور زندگی بسر کرنے کی صُورت کیا ہو گی؟ اور صُورتِ احوال یہ ہے کہ مکّہ میں رہ کر، موسم گرما میں شام سے، اور موسم سرما میں حبشہ سے ہماری تجارت اور کاروبار کا دار و مدار رہا ہے۔"

اسود بن عبد المطلب نے کہا :

"ساحل کا راستہ چھوڑ دو، اور عراق کے راستے پر سفر شروع کر دو۔"

اس کے بعد اسود نے بنو بکر بن وائل کے ایک آدمی کا پتہ بتایا ——— جس کا نام فرات بن حیان تھا، اور یقین دلایا کہ اس سفر میں وہ ہر طرح سے تعاون اور اعانت کرے گا۔

صفوان نے تجارتی قافلہ تیار کیا۔ جس میں چاندی، اور دوسری مصنوعات تھیں۔ اس سامان تجارت کی قیمت ایک لاکھ درھم کے لگ بھگ تھی۔

جب قریشِ مکّہ، کاروانِ تجارت لے کر نکلنے کا سرو سامان کر رہے تھے۔ اس وقت یثرب (مدینہ) کا ایک شخص نعیم بن مسعُود بھی وہاں آیا ہُوا تھا۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ

مدینۂ منورہ آیا۔ مجوّزہ کاروانِ تجارت اور قریش کے راستے کی ساری تفصیلات اپنے ساتھ لایا۔ ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ وہ سلیط بن نعمان کی بزم مے میں شریک ہُوا، اور قافلۂ قریش کی ساری کہانی سنا ڈالی۔ سلیط نے آکر یہ سارا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گوش گزار کر دیا۔

آپؐ نے اسی وقت سَوْ سوار دے کر زیدؓ بن حارثہ کو اس مہم پر روانہ کر دیا، اور حکم دیا کہ ——— "قافلہ بچ کر نکلنے نہ پائے۔"

زیدؓ نے اسے پانی کے ایک گھاٹ پر جو قردہ کے نام سے مشہور تھا، اور نجد کے گھاٹوں میں سے ایک گھاٹ تھا، روک لیا، مشرکین دہشت زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہُوئے اور کاروانِ تجارت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ مسلمانوں نے اس قافلے کے سربراہ فرات ابن حیّان کو گرفتار کر لیا ——— جب وہ گرفتار ہو کر مدینہ آیا، تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس طرح قریش مکّہ سے عراق جانے والے تجارتی راستے سے بھی محروم ہو گئے۔ اس سے پیشتر مکّہ سے شام جانے والی تجارتی گزرگاہ سے محروم ہو ہی چکے تھے۔ اب قریش کی ناکہ بندی ہر اعتبار سے مکمّل ہو گئی، اور شام و عراق جانے والے تمام راستے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے۔

تطہیر کے اقدام سے

جو سبق حاصل ہوتے ہیں، کیا ہیں؟

۱۔ مستحکم مرکز :

مستحکم مرکز سے مراد وہ منطقہ ہے، جس پر ہر فوجی نقل و حرکت کے سلسلے میں

پورا بھروسہ کیا جاسکتا ہو، لڑنے والی فوجوں کی روانگی وہیں سے ہو۔ ہر ضروری چیز کا ذخیرہ بھی وہاں ہو، اور اگر حالات نامساعد ہو جائیں تو محفوظ ترین پناہ گاہ بھی وہی ثابت ہو۔

ہر قسم کی فوجی نقل وحرکت کی کامیابی کی شرطِ اوّل ایک مضبوط و مستحکم مرکز کا وجود ہے تاکہ جنگ کے ہر مرحلے پر وہاں قوت وطاقت، اور افواج مرتکز کی جاسکیں۔

بالکل اسی طرح ہر کامیاب دعوت کے لیے بھی ایک مضبوط و مستحکم مرکز لابدا ضروری، اور لازمی ہے، تاکہ وہ دعوت اور داعیوں کے لیے ایک مستحکم قلعہ ثابت ہو، اور تاکہ وہاں سے دعوت کا سلسلہ بیرونی علاقوں تک وسیع کیا جاسکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لے آئے، تو یہ شہر ایک اچھا اور مستحکم مرکز بن گیا۔ لیکن جب تک یہود بنو قینقاع مدینہ سے جلا وطن نہیں ہو گئے اس وقت تک بالکل مکمل طور پر یہ مضبوط مرکز نہیں بن سکا۔

مدینہ کے یہود اور مدینہ کے مشرکین کا مؤقف تمام تر مختلف اور جدا تھا۔

مشرکین مدینہ کا انصار سے برتاؤ نسبتاً بہتر تھا۔ کیونکہ ان کے درمیان اختلاف مذہب کے باوجود، نسب اور قرابت کا اشتراک موجود تھا۔

لیکن یہودِ مدینہ کا مُعاملہ بالکل برعکس تھا۔ ان کی نہ انصار سے قرابت تھی، نہ کوئی نسبی تعلق تھا۔ انہیں اگر کسی سے ہمدردی تھی، یا تعلقِ خاطر تھا، تو بس وہ یہودِ مدینہ ہی تھے۔

جنگِ بدر کے بعد، مشرکینِ مدینہ میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔ جو شرک کے مذہب پر قائم تھے۔ ان کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی۔ لہٰذا اب مُسلمانوں کو ان کے وجود سے کسی طرح کا خطرہ اور اندیشہ نہیں رہ گیا تھا۔

لیکن یہودِ مدینہ کا عالم یہ تھا کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور انتصار نے انہیں وقفِ اضطراب کر دیا تھا۔ اشتعال، برہمی اور کینہ نے ان کی حالت غیر کر دی تھی۔ یہ لوگ

مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے دل سے خواستگار اور متمنّی تھے۔ یہ اُن کے خلاف جاسوسی کیا کرتے تھے، اور ان کے دشمنوں کو بھڑکایا کرتے تھے کہ ان سے لڑیں اور ان کا خاتمہ کر دیں، غرض قول و عمل ہر اعتبار سے یہ مسلمانوں کی اذیت رسانی کے درپے، اور اُن کے استیصال کے ساعی رہتے تھے۔

ان حالات میں، بدر کی فتح مبین کے بعد، یہود کا مدینہ میں رہنا ایک مستقل خطرہ تھا اور سر پر لٹکتی ہوئی اس تلوار کو ہٹانا بے حد ضروری تھا تاکہ مدینہ صحیح معنوں میں، اسلام کا پُر امن، اور مستحکم مرکز بن سکے، اور مستقبل کی عسکری نقل و حرکت کے لیے، مسلمان فوجیں اسے اپنا مرکز بنا سکیں، اور دعوتِ اسلام کی نشر و اشاعت کے اعتبار سے بھی مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو جائے۔

بنو قینقاع کی جلا وطنی کے بعد، مدینہ کے یہودیوں کا زور ٹوٹ گیا۔ اکثر یہودی جو مدینہ کی شہریت سے تعلق رکھتے تھے، وہ اب مدینہ سے دور جا کر بس گئے تھے، مثلاً : خیبر اور ام القریٰ میں، اس طرح مسلمانوں نے مدینہ کی اپنے بدترین دشمنوں سے تطہیر کر لی، اور داخلی طور پر بدترین دشمنوں کے خطرہ سے محفوظ ہو گئے اور اس شہر کو انہوں نے اپنے لیے ایک پُر امن اور محفوظ مرکز بنا لیا۔

۲۔ اقتصادی ناکہ بندی :

زندگی کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے قریش کو سب سے پہلے جس چیز پہ بھروسہ تھا وہ تجارت تھی۔

یہ لوگ کچھ چیزیں تو حبش اور شام سے درآمد کرتے تھے، مثلاً : خوراک اور غذا کا سامان، پارچہ جات اور ملبوسات اور کچھ خام مال برآمد بھی کرتے تھے، مثلاً : چمڑا، اُون، اور خوشبویات وغیرہ جو ہندوستان سے آتی تھیں۔

مکّہ اور شام کے درمیان قریش کی جو تجارتی گزرگاہ تھی وہ سب سے بڑا تجارتی راستہ تھا ——— اور بے حد اہم بھی، کیوں کہ شام کی تجارت کو وہ خاص طور پر زیادہ اہمیت دیتے تھے، اس کا سبب شاید یہ تھا کہ یہ خشکی کا راستہ تھا۔ جسے ریگستانی کشتیوں یعنی اونٹوں کے ذریعے بہ آسانی طے کر لیا جا سکتا تھا۔

مسلمانوں نے جب مکّہ اور شام کا تجارتی راستہ قطع کر دیا تو قریش کی اقتصادی حالت پر اس کا بہت برا اثر پڑا۔

آخر انھوں نے فیصلہ کیا کہ :

مکّہ سے نجد، اور وہاں سے عراق ہوتے ہوئے شام کا راستہ اختیار کیا جائے۔ اس طول طویل راستے کے اختیار کرنے کا مطلب یہ تھا کہ قریش کی تجارت بالکل ہی دم نہ توڑ دے۔

لیکن مسلمانوں نے یہ تجویز بھی نہ چلنے دی ——— اور قریش کو آخر کار اس راستہ سے بھی محروم کر دیا۔

اس زبردست اور مکمل اقتصادی ناکہ بندی کے بعد قریش کے سامنے دو راستے رہ گئے تھے۔

ایک تو یہ کہ وہ مسلمانوں کی قوت و طاقت کو یکسر ختم کر دیں، تاکہ ان کا تجارتی راستہ از سرِ نو کھل جائے۔

اور یا پھر بھوکوں مر جانے کے مقابلے میں، بہتر طریقہ اختیار کریں یعنی ہتھیار ڈال دیں، اور مسلمانوں کی بالادستی قبول کر لیں۔

غزوۂ بدر کے بعد سے مسلمانوں کے پیشِ نظر یہ چیز تھی کہ بنو سلیم، غطفان، بنو ثعلبہ، بنو محارب اور دیگر قبائل اسلام کے راستے میں سنگِ گراں بن کر حائل نہ ہو سکیں اور مسلمانوں سے تعرض کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

ایک دوسری بات یہ بھی مسلمانوں کے پیشِ نظر تھی کہ مکّہ سے جو راستے، نجد، عراق اور شام کو جاتے ہیں، ان سے مشرکین کو محروم کر دیا جائے اور مسلمانوں کا ان پر غلبہ اور تصرّف و تسلّط ہو جائے۔ اس سلسلے میں جو غزوات پیش آئے، ان سے مسلمانوں کا مقصد، مالِ غنیمت کا حصول ہرگز نہیں تھا۔ اس لیے کہ جو لوگ غارت گری اور لوٹ کھسوٹ کے لیے گھر سے باہر نکلتے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنے مستقر پر واپس آجاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں خوف ہوتا ہے، مبادا دشمن یہ مالِ غنیمت ہم سے چھین نہ لے، وہ دیارِ اعداء میں "ہفتوں کیا، مہینوں" تک قیام نہیں کرتے جیسا کہ مسلمانوں نے کیا۔

دیارِ بنو سلیم میں پہلی مرتبہ مسلمان تین دن "تک ٹھہرے، اور دوسری مرتبہ کامل دو ۲ ماہ تک، اسی طرح دیارِ بنو ثعلبہ، اور دیارِ بنو محارب میں، اُن کی مدتِ قیام پورا ایک مہینہ تھی۔ بھلا اتنی لمبی مدت تک غارت گر اور لٹیرے یا دشمن سے ڈرتے رہنے والے اور سلب و نہب، یعنی مالِ غنیمت کے رسیا قیام کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟

قریش کی اقتصادی ناکہ بندی سے مسلمانوں کا اوّلین مقصد یہ تھا کہ انہیں مادّی اور معنوی اعتبار سے متاثر کیا جائے، "تاکہ مسلمانوں کے خلاف انہوں نے جو رویّہ اختیار کر رکھا ہے، اس پر نظرِ ثانی کرنے کے لیے وہ اپنے آپ کو آمادہ اور تیار کر سکیں۔

اس مدت میں ——— آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے قبائلِ عرب پر جو لشکر کشی کی، اس کا مدعا اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ :

یہ عرب قبائل ——— قریش کی ہیبت اور سطوت سے جو مرعوب اور دہشت زدہ چلے آرہے ہیں، اس کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ اور قریش کا رُعب اور داب جاتا رہے۔

قریش کی اقتصادی ناکہ بندی سے جو مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیشِ نظر تھا،

وہ یہ کہ :

اس اقدام کا جو اصل مقصد ہے وہ حاصل ہو جائے۔ یعنی ایک طرف تو اعراب کے دل سے ان کا رعب جاتا رہے،

اور دوسری طرف، دعوتِ اسلام کی آزادی برقرار رہے۔

اس زمانے میں جو غزوات ہوئے، انہیں آج کل کی اصطلاح میں "غزواتِ باردہ" (سرد جنگ) کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اور اپنے مرکز (مدینہ) کی تطہیر اس لیے لازمی اور لابدی تھی کہ :

ان غزوات سے جو فتح حاصل ہوئی ہے، اس کے اثرات و نتائج برقرار اور قائم رہ سکیں۔

◎

بدر و اُحد کے درمیانی عرصہ میں غزوات و سرایا کا نقشہ

نمبر شمار	نام غزوہ	مسلمانوں کی طاقت	مسلمانوں کا سپہ سالار	مشرکین یا یہود کی طاقت	مشرکین کا سپہ سالار	مقام غزوہ	تاریخ	مختصر نتیجہ
۱	بنو قینقاع کا محاصرہ	مدینہ کے مسلمان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم	مدینہ کے اندر رہنے والے بنو قینقاع کے یہودی	-	مدینہ	شروع شوال ۲ھ ہجری	مدینہ کو یہود سے پاک کر دیا گیا۔
۲	غزوہ بنو سلیم	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	نبی صلی اللہ علیہ وسلم	بنو سلیم و غطفان	-	مکہ اور مدینہ کے راستہ پر	آخری شوال ۲ھ	لڑائی نہیں ہوئی۔ کیوں کہ مشرکین اپنے گھر خالی چھوڑ

نمبر شمار	نام غزوہ	مسلمانوں کی طاقت	مسلمانوں کا سپہ سالار	مشرکین یا یہود کی طاقت	مشرکین کا سپہ سالار	مقام غزوہ	تاریخ	مختصر نتیجہ
						مقام قرقرۃ الکدر		کر بھاگ گئے تھے۔ مسلمان تین دن انکے گھروں میں رہے اور پھر مال غنیمت لے کر مدینہ واپس آ گئے۔
۳	غزوہ السویق	تھوڑی سی تعاقب کرنے والی جماعت	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	دو سو آدمی سوار	ابو سفیان	مدینہ سے قرقرۃ الکدر جو کہ مکہ اور مدینہ کے راستہ پر ہے قریش کا تعاقب	ذی الحجہ ۲ھ ہجری	۱۔ معلوم ہو گیا کہ یہود مدینہ میں مسلمانوں کی جاسوسی کرتے تھے اور اُن کے دشمنوں کو جگہ دیتے تھے۔ ۲۔ قریش بھاگ گئے، اور مسلمان تعاقب سے بغیر لڑائی کیے واپس آ گئے۔

نمبر شمار	نام غزوہ	مسلمانوں کی طاقت	مسلمانوں کا سپہ سالار	مشرکین یا یہود کی طاقت	مشرکین کا سپہ سالار	مقام غزوہ	تاریخ	مختصر نتیجہ
۴	غزوۂ ذی امر	چارسو پچاس سوار اور پیدل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	بنو ثعلبہ اور محارب	-	ذوامر (نجد میں ایک گاؤں)	محرم ۳ھ ہجری	مشرکین بھاگ گئے۔ اور مسلمان ان کے گھروں میں پورا مہینہ رہے، اور بغیر لڑائی کے واپس آ گئے۔
۵	غزوۂ بحران	۳۰۰ سوار اور پیادے	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	بنو سلیم	-	بحران جو کہ مکہ اور مدینہ کے راستہ پر واقع ہے	ربیع الاوّل ۳ھ ہجری	مسلمان ایک مہینہ دشمن کے شہروں میں رہ کر بغیر لڑائی کے واپس آ گئے۔
۶	سریہ زید بن حارثہ	۱۰۰ سو آدمی سوار	زید بن حارثہ	قافلۂ قریش	صفوان بن امیہ	قردۃ (نجد میں پانی کا چشمہ)	-	مسلمانوں نے قافلہ کا سامان لوٹ لیا۔

189 صفحہ

۱۰

مغلوبؐ کی فتح

◎

ولا تھنوا ولا تحزنوا
وانتم الاعلون ان
کنتم مؤمنین!

القرآن الکریم

◎

نہ اضمحلال طاری ہونے دو، نہ غم
کرو۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو تم ہی سربلند
رہو گے۔

◎

غزوۂ اُحد

عام حالات اور کیفیات

۱۔ مُسلمان :

اُن تجارتی راستوں پر مسلمان مکمل طور پر قابض اور متصرف ہو چکے تھے جو شام اور عراق کو جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے کس بل پر قریش کے لیے یہ ناممکن بنا دیا تھا کہ وُہ اس رہ گزر کو پار کر سکیں۔

اب لے دے کے قریش کے پاس جو کاروبار کی منڈی رہ گئی تھی، وُہ صِرف مُلک حبش تھا، یہاں وہ فائدے کہاں، جو شام سے تجارت اور کاروبار کی صورت میں حاصل ہوتے تھے ——— !

نتیجہ یہ نکلا کہ :

قریش کی تجارت سرد، اور کاروبار ماند پڑ چکا تھا، یہی اُن کا ذریعۂ رزق، اور وسیلۂ حیات تھا۔

علاوہ ازیں : مُسلمان مدینۂ منورہ پر قابض اور متصرف تھے، جس کے باعث نشرِ دعوتِ اسلام آسان ہوگئی، اور بہ وقتِ ضرورت فوجی سر و سامان بہم پہنچانے کے وسائل بھی پیدا ہو گئے۔

۲- مُشرک اور یہود :

الف : قریش

جنگِ بدر میں قریشِ مکہ کو ذلت بخش ہزیمت اور شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس وجہ سے وہ تلملا رہے تھے، اور بہانے تلاش کر رہے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو، اپنی شکست و ہزیمت، اور توہین و ذلّت کا انتقام لے کر دل کی آگ ٹھنڈی کریں، انہوں نے طے کر لیا تھا کہ ہر قیمت پر، اور ہر صُورت میں، وہ اپنی کھوئی ہُوئی کرامت، اور شرف کو حاصل کر کے رہیں گے۔

غزوۂ سویق بھی، قریش کے زخمِ دل کا مرہم نہ بن سکا، مُسلمانوں کی یورشں کی اس جنگ میں وہ تاب نہ لا سکے، اور آخر کار روبہ فرار لائے۔ بدر کی ذلّت کیا کم اندوہناک تھی کہ ایک اور شکست، ایک اور ذلّت سے انہیں دوچار ہونا پڑا۔

اس موقع پر ان کے جذباتِ انتقام اسی طرح بھڑک اُٹھے، جیسے سریّۂ زید بن حارثہ سے مسلمانوں کے خلاف ان کی عداوت اور بغض کے جذبات بھڑک اُٹھے تھے۔

کافی غور و خوض، اور فکر و تامّل کے بعد قریشِ مکّہ کے اکابر نے فیصلہ کیا کہ ابُوسفیان کے کاروانِ تجارت نے جو نفع حاصل کیا تھا، اس کی چوتھائی رقم اسلحہ کی فراہمی، اور ساز و سامانِ جنگ کی دستیابی پر خرچ کی جائے کہ درحقیقت اسی کے باعث بدر کی لڑائی ہوئی تھی، اور جو بات بہ ظاہر اَنہونی نظر آتی تھی، وُہ ایک واقعہ کی صُورت میں رُونما ہو گئی، یعنی شکست!

ب : مدینۂ منورہ اور پڑوس کے مُشرکین

چوں کہ مدینۂ منورہ کے باشندوں کا بہُت بڑا حصّہ، دعوتِ اسلام پر لبیک کہہ کر،

اسلام قبول کر چکا تھا، اور مکّہ مکرمہ سے بھی ہجرت کر کے مہاجرین مدینہ میں آبسے تھے۔ اس لیے یہاں کے مشرکوں کا دم خم کمزور پڑ چکا تھا، اور جنگ و پیکار کا حوصلہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ ان کا بعینہٖ وہی حال تھا، جو حوالی مدینہ کے قبائل کا تھا، یعنی اسلام کی اُبھرتی ہوئی، اور بڑھتی ہوئی قوت سے وہ مرعوب اور خوف زدہ ہو چکے تھے۔ اور مسلمانوں کے پاس آ آکر صلح و امن کے معاہدے کر لیے تھے، اور جنھوں نے معاہدے نہیں کیے تھے، وہ عالمِ ہراس میں دبکے بیٹھے تھے۔

ج : یہُود حوالی مدینہ :

بنو قینقاع کی جلاوطنی کے بعد اب صوُرتِ احوال یہ تھی کہ اندرونِ مدینہ میں کوئی یہودی بھی موجود نہیں رہ گیا تھا، اور وہ یہودی جو مدینہ کے آس پاس بود و باش اختیار کیے ہوُئے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ بنو قینقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف کے قتل نے انہیں حواس باختہ کر دیا تھا، وہ حد درجہ سہمے ہوُئے تھے۔ لیکن جہاں تک نیّت اور ارادے کا تعلق تھا، موقع پاتے ہی نقضِ عہد پر آمادہ اور تیار تھے، مگر موقعہ نہیں مل رہا تھا۔ اسلیے بادلِ نخواستہ معاہدے پر قائم تھے اور مسلمانوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ نقضِ عہد کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، بلکہ اس پر قائم اور عامل ہیں۔

طرفین کی قوت و طاقت

ا۔ مسلمان :

مسلمانوں کی فوجی قوت و طاقت کا حال یہ تھا کہ ساڑھے چھ سو پیادے، اور پچاس

سواران کے پاس تھے، امیرِ سپاہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تھے۔

۲۔ مُشرکین :

مشرکین کی فوجی قوت و طاقت کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا لشکر دو ہزار نوسو افراد پر مشتمل تھا، اس میں قریش، ان کے موالی، اور مختلف دوسرے قبائل شریک تھے ۱۰۰ سو افراد بنو ثقیف کے بھی ہمراہ تھے۔

اس لشکر کے ساز و سامان کی کیفیت یہ تھی کہ اس میں سات سو سپاہی زرہ پوش تھے۔ ساتھ ہی ساتھ دو سو گھوڑے، اور تین ہزار اونٹ۔ اس لشکرِ گراں کی سالاری ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔

زعماء قریش کی خاصی تعداد اپنے ساتھ اپنی بیویوں کو بھی لائی تھی، کہ جنگ اگر کوئی نازک صورت اختیار کرلے، تو یہ اپنے مردوں میں ولولۂ جنگ پیدا کریں۔ ان کی ہمّت بڑھائیں، نہ انہیں پسپا ہونے دیں، نہ راہ فرار اختیار کرنے کا موقع دیں۔

طرفین کے خیالات و مزعومات

۱۔ مشرکین :

مشرکین یہ عزم راسخ لے کر میدانِ جنگ میں وارد ہوئے تھے کہ :

بدر کی شکست و ہزیمت کا جی بھر کے انتقام لیں، اور سریۂ زید بن حارثہ کا بدلہ بھی چکا دیں، اور اس طرح وہ شرف و کرامت عربوں میں پھر حاصل کرلیں۔ جس سے وہ ان دونوں مواقع پر محروم ہو چکے تھے۔

۲ - مُسلمان :

مسلمانوں کے پیش نظر کیا تھا؟

وہ قریش کی یلغار کو، اپنی جان دے کر بھی روکنا چاہتے تھے، تاکہ مدینہ، مشرکوں کے تسلّط اور تغلّب سے آزاد رہے۔ کیونکہ مدینہ کا ہاتھ سے نکل جانا، زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اس کے بغیر نہ وہ اپنی حریّت اور آزادی قائم رکھ سکتے تھے، نہ دعوتِ اسلام کا سلسلہ جاری رکھ سکتے تھے، نہ امن و سکون کے ساتھ نشر و ترویج اسلام کا فریضہ انجام دے سکتے تھے۔

یہ تمام باتیں صرف اس بات پر منحصر تھیں کہ مدینۂ منورہ اُن کے ہاتھ سے نہ نکلنے پائے۔

حالات قبل از جنگ

۱ - مُشرکین :

الف : وسائل حرب و پیکار بہم پہنچانے، اور ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کے ارادے سے مشرکین مکّہ کا لشکر، مدینہ منورہ کی رہ گزر پر چل پڑا، اور آخر کار یہ لشکر، مدینہ سے قریب ایک آبادی تک پہنچ گیا۔ جس کا نام صمغہ تھا۔ مشرکین کی خود اعتمادی، اور اطمینانِ قلب کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اونٹ اور گھوڑے انصار کے کھیتوں میں چرنے کے لیے چھوڑ دیئے۔ پھر یہاں سے آگے بڑھے، اور عقیق تک بڑھتے چلے آئے۔ بعد ازاں یہاں

سے کُوچ کیا اور کوہ احد کے دامن میں خیمے نصب کر دیئے، یہ جگہ مدینۂ منورہ سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر تھی۔

ب : مشرکین کے لشکر کی ترتیب یہ تھی :-

* میمنہ پر خالد بن ولید ،
* میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل ،
* پرچم بردار، طلحہ بن ابی طلحہ قرار پایا، جو بنو عبدالدار میں سے تھا۔

ج : مشرکین نے اپنی صفیں آراستہ کیں۔
میمنہ کی امداد و اعانت کے لیے، پیادہ فوج تھی، اور میسرہ کو مدد دینے کے لیے سواروں کے دستے۔

د : قریش کی عورتوں نے اس موقع پر، وہ فریضہ مُستعدی سے ادا کیا، جس کے لیے وہ آئی تھیں، یعنی جنگ و پیکار کے لیے اپنے مردوں میں بہادری کے جذبات پیدا کرنا، قوم کی حرمت پر کٹ مرنے کی تلقین، اور جذبۂ جنگ و حرب کو زیادہ سے زیادہ ابھارنے کی کوشش، پیش پیش عتبہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بیوی ہند تھی۔

۲- مُسلمان :

الف : عم رسولؐ، عباسؓ نے ایک قاصد کے ہاتھ، آپؐ کی خدمت میں نامہ بھیجا، جس میں بتایا گیا تھا کہ قریش مکّہ جنگ کے لیے کب نکل رہے ہیں، اور انہوں نے جنگی تیاریاں کیا کیا کی ہیں، قاصد، یہ نامہ لے کر صبا رفتاری کے ساتھ مدینہ روانہ ہُوا۔ اس نے مکّہ اور مدینہ کی مسافت صِرف تین دن میں طے کر لی۔ آپؐ مسجد قبا میں رونق افروز تھے کہ پیامبر حاضر ہُوا، اور اس نے آتے ہی نامہ آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ب : اُبی بن کعبؓ نے نامے کا مضمون آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو سُنایا۔ آپؐ نے انہیں تاکید کی

کہ خبردار، یہ بات افشا نہ ہونے پائے، اور کسی کو کانوں کان خبر نہ لگے۔ اس کے بعد آپؐ مدینۂ منورہ تشریف لے آئے۔

ج : آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ میں سے دو بزرگوں کو اس کام پر مامور فرمایا کہ جائیں اور (جلد از جلد) یہ معلوم کر کے آئیں کہ قریش نے پڑاؤ کہاں کیا ہے؟ اور کہاں تک پہنچ چکے ہیں، ان دونوں نے جو ماجرا دیکھا وہ یہ تھا کہ لشکرِ قریش، مدینہ کے قریب وارد ہو چکا ہے، ان کے اُونٹ اور گھوڑے اطمینان سے یثرب کے کھیتوں میں چر رہے ہیں۔

د : مسلمان اس لڑائی کے انجام سے خائف اور ہراساں نظر آرہے تھے۔ کیونکہ قریش اس مرتبہ ایسی اور اتنی تیاریاں کر کے آئے تھے کہ اس سے پہلے کی لڑائیوں میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ رات مسلمانوں کے لیے بہت سخت تھی۔ انہوں نے یہ رات اس طرح گزاری کہ ہتھیار بند اور مسلح مسجد میں بیٹھے رہے یا شہر کی حفاظت اور حراست کے لیے مداخل مدینہ میں گشت کرتے رہے۔

۷ : آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ۵ ا رشوال ۳ھ، جمعہ کی صبح کو مسلمانوں کے اصحابِ فکر و رائے کو طلب کیا۔ تاکہ بذریعۂ شوریٰ یہ بات طے کی جائے کہ دشمن کا مقابلہ کیوں کر اور کس طرح کیا جائے؟

خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اپنی جو رائے ظاہر فرمائی وہ یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر، مورچہ بندی کی جائے، اور قریش کو مدینہ کے باہر رہنے دیا جائے اور اگر وہ شہر میں داخل ہو جائیں تو گلیوں اور بازاروں میں ان سے پُوری قوت سے جنگ لڑی جائے۔ اس میں ایک فائدہ یہ تھا کہ قریش شہر اور اس کے اطراف و جوانب سے ناواقف تھے۔ اس کے برعکس مسلمان ایک ایک چپے اور گوشے سے واقف تھے۔ اس صُورت میں اگر اندرونِ شہر جنگ برپا ہوئی تو قریش کی بڑی تعداد کھیت رہے گی اور انہیں زبردست نقصان پہنچایا جا سکے گا۔ کبار صحابہؓ نے اس رائے سے اتفاق کا اظہار کیا (حد یہ ہے کہ منافقِ کبیر) عبداللہ بن ابی نے بھی

اس کی تائید کی۔

لیکن وہ حضرات جو (بعض وجوہ سے) جنگ بدر میں شرکت کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے۔ خاص طور پر نوجوان گروہ، انہوں نے جوش اور زور کے ساتھ یہ رائے دی، کہ دشمن کا مقابلہ مدینہ سے باہر نکل کر کیا جائے۔ بعض ایسے حضرات نے بھی جو جنگ بدر میں شرکت کر چکے تھے اس رائے کی تائید کی۔ ان حضرات کا خیال یہ تھا کہ اگر جنگ اندرونِ شہر میں لڑی گئی، تو یہ مسلمانوں کے ضعف اور کمزوری کا ثبوت ہوگا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ اصحابِ شوریٰ کی اکثریت یہ چاہتی ہے کہ جنگ مدینہ سے باہر نکل کر لڑی جائے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"اس صورت میں مجھے اندیشہ ہے کہیں شکست سے سامنا نہ ہو۔"

آپؐ کے اس ارشاد کو سننے کے باوجود من چلے حضرات برابر اسی پر مُصر اور بضد رہے کہ جنگ اندرونِ مدینہ میں نہیں بلکہ باہر نکل کر لڑی جائے۔ آخر کار آپؐ نے یہ رائے تسلیم کر لی، اس لیے کہ شوریٰ ہی وہ نظام تھا، جس پر آپؐ (حکم خدا سے) عامل تھے اور اسے کسی حالت میں نظر انداز کرنا نہیں چاہتے تھے۔

و: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرامؓ کو حکم دیا کہ باہر نکل کر جنگ لڑنے کے لیے فوراً تیار ہو جائیں، پھر آپؐ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ تلوار گلے سے لٹکائی۔ اور جدال و قتال کے لیے تیار ہو کر برآمد ہوئے۔

اب لوگوں کو احساس ہُوا کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو ان کی رائے کے خلاف عمل پیرا ہونے پر آمادہ کیا ہے۔ چنانچہ نادم ہوئے، اور عرض کیا کہ آپؐ ہی کی رائے درست اور بجا تھی۔ ہم اس پر عمل کرنے کو تیار ہیں۔

آپؐ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ اب ان کی رائے ڈانواں ڈول ہو رہی ہے اور ان میں

اختلاف و تردّد پیدا ہو رہا ہے، تو ارشاد فرمایا:

"ایک نبیؐ کے لیے یہ سزاوار نہیں کہ وہ سلاح جنگ سے آراستہ ہونے کے بعد، اسے اتار دے، جب تک خدا اسکے اور اسکے دشمن کے مابین فیصلہ نہ کر دے"۔ ؎۱

پھر آپؐ نے شدائد جنگ میں صبر و برداشت کی تلقین فرمائی۔

ز : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار آدمی لے کر آگے بڑھے، یہاں تک کہ ایک مقام "شیخین" میں آکر اُترے، یہ جگہ ضواحی مدینہ میں شمار ہوتی ہے، یہاں آپؐ نے مسلمانوں کے ساتھ کچھ ایسے لوگ دیکھے جن سے آپؐ نا آشنا تھے۔ جب ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو پتہ چلا کہ یہ عبداللہ بن ابی کے حلیف یہودی ہیں۔ آپؐ نے ان کی مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور ارشاد فرمایا: "دو ہی صورتیں ہیں، یا تو مسلمان ہو جاؤ، اور ہمارے پہلو بہ پہلو جنگ کرو، ورنہ اپنے گھر واپس چلے جاؤ"۔ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔ اپنے گھر واپس چلے گئے۔

عبداللہ بن ابی (منافق) کو بھی یہ اچھا موقع ملا۔ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر وہ بھی یہودیوں کے رخصت ہوتے ہی کھسک گیا۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بس سات سو آدمی رہ گئے۔ یہ تھوڑی سی تعداد تھی جسے تین ہزار کی مسلّح اور با وسائل فوج سے مقابلہ کرنا تھا۔

ح : مسلمانوں کی فوج کوہ احد کی گھاٹی کے بالکل آخری سرے پر، اس طرح صف آراء تھی کہ کوہ اُحد اس کی پشت پر تھا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جنگ لڑنے کا جو پروگرام وضع فرمایا وہ حسب ذیل تھا:

ا : عبداللہ بن جُبیرؓ کی سرکردگی میں پچاس تیر اندازوں کو آپؐ نے کوہ اُحد کے عقب میں

؎۱ : مصنف نے اس جگہ "لامہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کے عام معنی تو زرہ کے ہیں۔ لیکن، وسعت پذیر ہو کر یہ لفظ "سلاح جنگ" کے لیے بولا جانے لگا میں نے ترجمہ میں یہی آخری لفظ رکھا ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

ایسی جگہ کھڑا کیا کہ وہ دشمن کے اقدام کو روک سکتے تھے۔ اگر وہ عقب سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش کرے، ان تیراندازوں کے باعث مسلمانوں کا عقب بالکل محفوظ ہو گیا۔ دشمن کوئی جتن بھی کرتا۔ اس طرف سے حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، جس کے نتیجے کے طور پر مسلمانوں میں تحفظ کا احساس پیدا ہو گیا۔ کیونکہ دشمن عقب سے اب اُن پر حملہ آور ہونے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا، اور اگر بہ تقاضائے حالات و مصالح مسلمان پسپا ہونا چاہتے تو نہایت آسانی کے ساتھ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ جتنا چاہیں پیچھے ہٹ آئیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے تیراندازوں کے گروہ کو جو حکم جازم دیا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

"تمہارا فرض ہے کہ ہمارے عقب کا تحفظ کرو، ہمیں اندیشہ ہے کہ دشمن ہم پر پیچھے سے وار کرنے کی ضرور کوشش کرے گا۔ تم اپنی جگہ (چٹان کی طرح) جم جاؤ، اور یہاں سے ہلنے کا نام بھی نہ لو۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم قتل ہو رہے ہیں تو بھی تم اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ نہ ہماری امداد و نصرت کے لیے لپکنا نہ ہمارے دفاع کی کوشش کرنا۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ کرتے رہو، کیوں کہ جب تیراندازی ہو رہی ہو تو گھوڑے قدم آگے نہیں بڑھاتے۔"

۲ : آپؐ نے اپنے اصحاب کی صف بندی اس طرح کی، جو خالص حربی انداز تھا۔ توانا، اور مضبوط لوگوں کو آگے رکھا، تاکہ پیچھے کے لوگ ان کے کارنامے دیکھ کر، حوصلہ نہ ہاریں اور ایک ولولہ سا اپنے اندر محسوس کریں۔

۳ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم صادر فرمایا، جب تک میری طرف سے حکم نہ ملے کوئی شخص بھی جنگ کا آغاز نہ کرے۔

۴ : آپؐ نے اپنے اصحاب کی ہمت بندھائی، حوصلہ بڑھایا، اور معرکۂ قتال میں صبر اور

برداشت کی تلقین فرمائی۔

ط : ولولۂ جنگ اور جوش بے درنگ پیدا کرنے کے لیے آپؐ نے ایک تلوار اپنے دستِ مبارک میں لی، اور صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

"ہے کوئی جو اس کا حق ادا کرے ؟"

یہ سُن کر کئی لوگ اٹھے ، لیکن آپؐ نے انہیں تلوار مرحمت نہیں فرمائی ، یہاں تک کہ ابو دجانہ سماک بن حرشہ کھڑے ہوئے ، اور پوچھا :

"یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے ؟"

آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا :

"دشمن پر ایسی ضربیں لگاؤ کہ یہ مُڑ جائے !"

ابو دجانہ ایک مرد دلیر تھے ، اُن کے پاس ایک لال رنگ کا صافہ تھا ، جب اسے زیب سر کر لیتے تو لوگ محسوس کر لیتے ، اب یہ پوری قوت اور شدت کے ساتھ جنگ شروع کرنے والے ہیں ، چنانچہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تلوار لے لی ، اور سرخ صافہ باندھنے کے لیے نکالا ، جس کا نام ہی "موت کی پگڑی" پڑ گیا تھا ، پھر اسے سر پر رکھا اور اپنی عادت اور معمول کے مطابق ، اکڑتے ہوئے ، شانِ تکبر کے ساتھ صفوں میں گشت کرنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب اُن پر نگاہ پڑی ،

تو فرمایا :

"یہ (تکبر کی) چال اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے ، لیکن ایسے (آج کے سے) موقعوں پر نہیں۔"

ی : آغازِ جنگ سے پیشتر ــــــــــــــــ

مسلمانوں کی وضع و ہیئت اس طرح تھی :

❖

نظارۂ قتال وجدال

آغازِ جنگ :

الف : قریشِ مکّہ کی ایک جماعت ابوعامر عبد عمرو بن صیفی الاوسی کی سربراہی میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھی، جنگ کی چنگاری سُلگی اور شعلے بھڑکنے لگے، یہ ابوعامر، مدینہ سے مکّہ آکر بس گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ قریش کو قتلِ محمدؐ پر اُکسائے، اور بھڑکائے۔ غزوۂ بدر میں یہ قریشِ مکّہ کے ساتھ آکر شریکِ جنگ نہیں ہُوا تھا۔ اب غزوۂ احد میں، اپنے قبیلۂ اوس کے پندرہ نفوس اور کچھ دوسرے غلامان اہلِ مکّہ کو لے کر نمودار ہُوا۔ اس کا گروہ اوسیوں کے ماسوا انہی غلاموں پر مشتمل تھا، جنہیں وہ اپنی سرکردگی میں لڑانے کے لیے لایا تھا۔ اس نے قریش مکہ کو باور کرا رکھا تھا کہ جوں ہی میں نے اپنے قبیلۂ اوس کے ان لوگوں کو جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور صفوفِ محمدؐ میں شریک ہو کر حرب و پیکار میں مصروف ہیں پکارا، میری آواز سُنتے ہی، وہ میرے ساتھ آملیں گے، اور قریش کی امداد و اعانت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

ابوعامر نے باہر نکل کر آواز دی :

"اے گروہِ اوس، مَیں ابوعامر ہُوں !"

قبیلۂ اوس کے مُسلمان مجاہدوں نے جواب دیا :

"اے فاسق، خدا تجھے غارت کرے۔"

یہ کہہ کر وُہ ٹوٹ پڑے، اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِذن پانے کے بعد باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا، اور طرفین میں شدّت کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی۔

ب : ابو عامر اور عکرمہ بن ابی جہل نے، مسلمانوں کے بازو پر، از راہ فریب حملہ کیا، لیکن مسلمانوں نے ایسے تابڑ توڑ پتھر برسائے کہ آخر ان کے بڑھتے ہوئے قدم رُک گئے۔ اور انہیں پسپا ہونا پڑا، ویسے بھی مسلمانوں کے بازو پر حملہ کرنا کچھ آسان نہیں تھا۔ کیونکہ جبلِ احد نے ان کے عقب کو محفوظ کر رکھا تھا۔ اس اقدام کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دشمن کی ایک نہ چلی، اور مشرکین کا پُر زور حملہ سراسر ناکام رہا۔

ج : جنگِ احد میں، تعارفِ مسلمین کے لیے، حمزہ بن عبد المطلب رض نے جو علامتی لفظ رائج کیا تھا وہ "امت" "امت" تھا۔

ابو عامر جب مشرکین کے لشکر میں واپس پہنچا تو مشرکین کی قوم کے ایک سورما اور پرچم بردار طلحہ بن ابی طلحہ نے دعوتِ مبارزت دیتے ہوئے اعلان کیا :

"ہے کوئی جو مجھ سے دو دو ہاتھ کرنے کی جرأت کرے؟"


یہ سنتے ہی علیؑ بن ابی طالب میدان میں نمودار ہوئے،

اور طلحہ کو قتل کر دیا۔

ابو دجانہ رض کا یہ حال تھا کہ سر پر "موت کی پگڑی" پہن رکھی تھی، ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی تلوار تھی، اور برابر گشت کر رہے تھے۔ جو دشمن سامنے آیا، اس کی گردن اڑا دی، اُن کی اس معرکہ آرائی نے مشرکین کی صفوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص مشرکین کو جنگ اور قتال کے لیے ابھار رہا ہے، فوراً اس کی طرف لپکے، کہ گردن اڑا دیں۔ لیکن قریب آ کر معلوم ہُوا یہ ہند بنتِ عتبہ اور زوجۂ ابو سفیان تھی۔ سر پر تلوار چمکتی دیکھی تو بھاگ کھڑی ہوئی۔

ابو دجانہ رض چاہتے تو پھر بھی اس کی گردن کاٹ سکتے تھے، لیکن سیفِ رسولؐ کا احترام مانع ہُوا کہ :

اس سے ایک عورت کی جان لیں۔


میدان احد
مسلمان
مشرکین
شمال
جبل احد
کوہ سلع
مسلمان لشکر
مشرکین کی فوج
خالد بن ولید کے سورما
مدینہ
قبا
حرة المدینہ

۲- اشتدادِ قتال و جدال

قریش نے پوری شدت اور سختی کے ساتھ جنگ کا آغاز کر دیا، بدر کی جنگ میں اُن کے جو اشراف و سادات قتل ہوئے تھے، ان کے انتقام کا جوش انہیں بے خود کیے ہوئے تھا۔ مردوں کی صفوں کی پُشت پر مشرک عورتیں تھیں جو دُہائی دے دے کر اپنے مردوں میں ایک نیا ولولہ، ایک تازہ جوش، لڑ مرنے، اور کٹ مرنے کا حوصلہ، ثبات قدم اور عزم و استقلال کا جوش پیدا کر رہی تھیں۔

ان عورتوں میں کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں، جنہوں نے اپنے غلاموں کو بیش بہا انعام و اکرام کا لالچ دے رکھا تھا کہ اگر انہوں نے جنگِ بدر میں —— قتل ہونے والے شوہر، باپ، بھائی، یا عزیز کے قاتل کو قتل کر دیا تو خیرِ کثیر کے سزاوار قرار پائیں گے۔

ابوسفیان کی بیوی، ہند بنت عتبہ نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی سے کہا:

"اگر تو میرے چچا کے قاتل حمزہؓ بن عبدالمطلب کو ہلاک کر دے تو تجھے اتنا کچھ دُوں گی کہ مالا مال ہو جائے گا اور اپنے آقا کے واجبات حریت بہ آسانی ادا کر دے گا۔"

پھر اُس نے صاف صاف کہہ دیا:

"اگر تُو نے عمِ محمدؐ حمزہ کو قتل کر دیا تو پھر تُو آزاد ہے!"

ہند کی اس تلملاہٹ کا سبب یہ تھا کہ حمزہؓ بن عبدالمطلب نے اس کے چچا کو میدانِ جنگ میں بیک وار ڈھیر کر دیا تھا۔

وحشی اس نعمتِ غیر مترقبہ کی بشارت سُن کر جامے میں پھُولا نہ سمایا، تاک میں لگا رہا، اور صفوں میں گشت کرتا رہا۔ اس کی نگاہیں حمزہؓ کی جستجو کر رہی تھیں۔ آخر اُس نے دیکھا کہ حمزہؓ مشرکینِ قریش سے نبرد آزما ہیں، اور اُن کے بہادروں اور سُورماؤں کو خاک و خُون میں تڑپا رہے ہیں۔ اس سے اچھا موقع وحشی کو کیا مل سکتا تھا کہ حمزہؓ اس کی طرف سے بالکل بے خبر

داد شجاعت دے رہے تھے۔

اُس نے اپنا "حربہ"[1] ٹھیک کیا، نشانہ باندھ کر اسے پھینکا، وہ تیر کی طرح حمزہؓ کی ناف میں جا کر لگا، اور ٹانگوں کے درمیان سے نکل گیا، یہ اتنا اچانک اور کاری وار تھا، کہ وہ سنبھل نہ سکے، فوراً شہید ہو گئے۔

ب : حضرت حمزہؓ کی شہادت سے اگرچہ مسلمانوں کو بہت بڑا جھٹکا لگا، اور انتہائی صدمہ ہُوا، لیکن بایں ہمہ ان کے عزم و ثبات اور استقلال میں رائی برابر فرق نہیں آیا۔ اس غم کو انہوں نے جھیل لیا، اور اپنے کام (جنگ) میں مشغول رہے۔ مشرکین کا پرچم، کبھی اس ہاتھ میں جاتا تھا، کبھی دوسرے میں، طلحہ بن ابی طلحہ کو جب علیؓ نے قتل کر دیا تو عثمان بن ابی طلحہ نے پرچم سنبھال لیا، جب یہ بھی قتل ہو گیا تو ابو سعید بن ابی طلحہ نے علم برداری کے فرائض انجام دینا شروع کیے، آخر اسے بھی علیؓ بن ابی طالب یا سعد بن وقاص میں سے کسی ایک نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بنی عبدالدار کے افراد، یکے بعد دیگرے پرچم برداری کے فرائض انجام دیتے رہے یہاں تک کہ ان میں سے ۹ آدمی قتل ہو گئے۔ پھر ان کا ایک غلام جھنڈا ہاتھ میں لے کر آگے بڑھا، لیکن موت اس کا بھی انتظار کر رہی تھی۔ اس کے قتل کے بعد، ایک عورت نے جھنڈا ہاتھ میں لے لیا۔ کیونکہ اب مشرکین میں یہ ذمّے داری انجام دینے کی ہمّت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

ج : آخر، افرادی جنگ کے بعد، دشمن کی صفوں پر، مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ پڑیں، جس سے ان کے چھکّے چھوٹ گئے، ان میں افراتفری اور ابتری پیدا ہو گئی، ان پر

---

[1] : "حربہ" ایک مُہلک ہتھیار ہوتا ہے، نوکیلا اور چھوٹا، دھار نہایت تیز، لمبائی میں چاقو سے کم، اتنا مختصر کہ بہ آسانی مُٹھی میں آ جائے، دھوکے سے قتل کرنے میں یہ بڑا کارگر ہتھیار تھا۔ (رئیس احمد جعفری)

شکست طاری ہو چکی تھی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمانوں نے مشرک عورتوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا، اور وہ بُت بھی اونٹ پر سے زمین پر آ رہا، جسے برکت حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔

مشرکین سر پر پاؤں رکھ بھاگے، مسلمانوں نے تعاقب جاری رکھا، تعاقب کی شدّت کا یہ عالم تھا کہ اپنے فوجی اڈے سے مشرکین بہت دور تک پسپا ہو گئے۔ یہ رنگ دیکھ کر مسلمانوں کو مالِ غنیمت کا خیال آیا اور وہ اسے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔

جن تیر اندازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں۔ اور تاکید فرما دی تھی کہ اگر وہ مسلمانوں کو قتل ہوتا دیکھیں تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلیں —— لیکن مالِ غنیمت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ دیکھ کر ان تیر اندازوں میں سے بعض نے بعض سے کہا:

"اب تم یہاں آخر کس مقصد کے لیے ٹھہرے ہوئے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمن کو شکستِ فاش دی اور تمہارے بھائی (مسلمان) مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہیں"

اس بات پر کافی رد و کد ہوئی کہ آیا، حسبِ ارشادِ رسولؐ یہیں ٹھہرے رہیں یا جنگ کے ختم ہونے کے باعث خود بھی جا کر، مالِ غنیمت میں سے اپنا حصّہ وصول کریں۔ لیکن زیادہ تر لوگ اس رائے کے تھے کہ اب یہاں ٹھہرنا بیکار ہے، اس لیے کہ مقصد حاصل ہو چکا، چنانچہ یہ چلے گئے، اور مالِ غنیمت لوٹنے میں جا کر مصروف ہو گئے۔ صرف دس آدمی ایسے تھے، جنہیں کوئی ترغیب و تحریص متاثر نہ کر سکی۔ وہ بدستور اپنی جگہ ڈٹے رہے۔

۳۔ جنگ آزما مشرکین کا اچانک حملہ:

الف: یہ کیفیت دیکھ کر خالد بن ولید نے، ان مسلمان تیر اندازوں کو جو اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے، اور اب اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ بڑی آسانی سے ان کی جگہ پر قبضہ کر لیا، اور جو مسلمان تیر انداز ابھی تک ڈٹے ہوئے تھے، انہیں بڑی آسانی

کے ساتھ پسپا ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ اس لیے کہ یہ تھے ہی کتنے ؟ مٹھی بھر، خالد کے بائیں ہاتھ پر مشرکین کا لشکر ابھی تک موجود تھا۔ خالد کو یقین تھا کہ جن چند مسلمانوں کو انہوں نے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ہے، یہ اب کسی قیمت پر بھی اپنی جگہ واپس نہیں لے سکتے۔

مسلمانوں کا ذہن خالد کی اس جنگی چال کی طرف منتقل نہیں ہوا۔ خالد نے قریش کو للکارا کہ میں نے عقب سے گھیرے میں لے لیا ہے، قریش کا شکست خوردہ لشکر، یہ صدا سنتے ہی تیزی سے پلٹا اور اچانک پوری سرعت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوا، خالد پہلے ہی سے اسلامی لشکر کے عقب کو گھیرے میں لے چکے تھے، اب صورت احوال یہ تھی کہ مسلمان ہر طرف سے گھیرے میں آچکے تھے، اور ان کے لیے پیش قدمی تو درکنار دفاع بھی دشوار تر ہو گیا تھا۔ مزید برآں یہ کہ مسلمانوں کی صفوں میں بھی انتشار پیدا ہو چکا تھا، اور وہ تتر بتر ہو چکے تھے۔ قدم جما کر، دشمن سے لڑنا اب ان کے بس میں تھا ہی نہیں، کیوں کہ ان کی ایک خاصی تعداد مالِ غنیمت فراہم کرنے میں مشغول تھی۔

ب : یہ نئی صورت حال مسلمانوں کے لیے یکسر غیر متوقع اور تمام تر اچانک تھی، ان کی ایک بڑی تعداد روبہ فرار لائی، بہت معمولی تعداد مسلمانوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئی تھی، لیکن ان لوگوں نے حق ایمان اور حق وفا ادا کر دیا، بڑی بے جگری سے مشرکین کے وار روکتے، اور خود حملہ آور ہوتے رہے۔ کوشش یہ تھی کہ مشرکین کا گھیرا توڑ کر راستہ بنا سکیں، رفتہ رفتہ مشرکین کے سپاہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر آتے گئے۔ ان میں سے ایک نے پتھر آپؐ کے چہرۂ مبارک پر کھینچ مارا۔ جس سے آپؐ کی ناک زخمی ہوئی اور کئی دندان مبارک شہید ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے استقلال اور تہوّر کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالا، اور

جو چند صحابہ ساتھ رہ گئے تھے، ان کی معیت میں راستہ بناتے ہوئے چلنے لگے۔ ناگہاں آپؐ ایک گڑھے میں گر پڑے، جو جنگی چال کے طور پر ابو عامر نے پہلے سے کھود رکھا تھا، علیؓ بن ابی طالب نے آپؐ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے آپؐ کو اٹھایا، یہاں تک کہ آپؐ باہر نکل آئے، اور سیدھے کھڑے ہو گئے۔

ج : مشرکین تواتر اور تسلسل کے ساتھ، آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو ہلاک کرنے کے لیے تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے، اتنے میں ان میں سے ایک پکارا :

"میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا"

لیکن صحابہ کرامؓ کی مختصر ٹولی، آپؐ کو چشمِ زخم سے محفوظ رکھنے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے تھی۔

ام عمارہ نسیبہ قبیلۂ خزرج کی ایک خاتون تھیں، ان کا معمول تھا کہ صبح ہوتے ہی مشک پانی سے بھرتیں، کندھے پر رکھتیں، اور مسلمانوں کی صفوں میں گشت لگا کر پیاسوں کی تشنہ لبی دُور کرتیں۔ جب مشرکوں نے خود آپؐ کو گھیرے میں لے لیا اور صورتحال انتہائی نازک اور سنگین ہو گئی تو نسیبہ نے مشک ایک طرف پھینکی، اور تلوار سونت کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچانے کی کوشش کرنے لگیں، ساتھ ہی ساتھ تیر بھی دشمن پر پھینکتی جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ سخت مجروح ہوئیں۔ ابو دجانہ نے اپنے جسم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنا لیا۔ پیٹھ آپؐ پر جُھکا دی، اور اس پر دشمن کے تیر آ آ کر پڑتے رہے۔ سعدؓ بن ابی وقاص آپؐ کے پہلو میں آ کر کھڑے ہو گئے، اور تیر اندازی کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اٹھا اٹھا کر انہیں دیتے جاتے تھے، اور ان کی تیر اندازی کے کرشمے بھی ملاحظہ فرماتے جاتے تھے۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس اتنی اور ایسی تیر اندازی

فرمائی کہ کمان ٹوٹ گئی ۔آپؐ کے آمنے سامنے مسلمان شہیدوں کی لاشوں کا ڈھیر لگنے لگا۔ جو آپؐ کا دفاع کرتے رہے تھے، اس پیہم حرب و پیکار کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے کفار کا گھیرا توڑ ڈالا، اور جبل احد کی چوٹیوں میں سے ایک پر چڑھنے کے لیے کفار کی صفیں توڑ کر راستہ پیدا کر لیا، مسلمانوں کی یہ دلیری اور جواں مردی دیکھ کر قریش کے چھکے چھوٹ گئے، آخر ان کے حملے کا زور کمزور پڑا ۔اس موقع کو غنیمت پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوہ احد پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے، جب آپؐ اُوپر چڑھ رہے تھے تو کعبؓ بن مالک نے آپؐ کو دیکھ لیا۔ جو اس وقت بہت کافی فاصلے پر ان مسلمانوں کے پاس کھڑے تھے جو قریش کے اس اچانک حملے کے باعث تتر بتر ہو گئے تھے، اس انتشار کا ایک سبب یہ بھی تھا، کہ آپؐ کی شہادت کی خبر بھی مشہور ہو چکی تھی، جس سے مسلمان حد درجہ دل گرفتہ اور مایوس ہو چکے تھے، اب کعبؓ نے جو آپؐ کو دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے :

"مسلمانو، مبارک ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ سلامت موجود ہیں۔"

قریش نے یہ آواز سنی، لیکن سُنی کی ان سُنی کر دی۔ وہ یہ بات باور ہی کرنا نہیں چاہتے تھے کہ آپؐ زندہ ہیں ۔انہوں نے خیال کیا اس طرح مسلمانوں کا حوصلہ ابھارنے اور انہیں ڈھارس دینے کی کوشش کی جا رہی ہے، پھر بھی ایک گروہ مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں پر شدت سے حملہ آور ہوا، ابی بن خلف آگے بڑھا، اور بلند آواز سے گویا ہوا :

"کہاں ہیں محمدؐ ؟ اگر وُہ بچ گئے ہیں، تو پھر میں زندہ نہیں رہوں گا ؟"

یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر، اُسے ایسا کچوکا دیا کہ وہ گھوڑے ہی پر تڑپنے لگا، اور گھر کی طرف سرپٹ بھاگا، لیکن موت آ چکی تھی، راستے ہی میں فنا کے گھاٹ اتر گیا۔

د : اب مسلمان جبلِ احد کی سب سے بلند چوٹی پر پہنچ گئے، لیکن خالد بن ولید بھی غافل نہیں تھے، اپنے سواروں کو لے کر وہ بھی فوراً سر پر آن پہنچے، مسلمانوں نے ڈٹ کر، خالد کے لشکر کا مقابلہ کیا اور اسے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھنے دیا۔

ہ : مسلمانوں کو شکست دینے اور فنا کرنے کے سلسلے میں قریش کی تمام امیدیں اب نقش بر آب ثابت ہو چکی تھیں، اب مسلمان پھر مجتمع ہو چکے تھے، اور اپنے رسولؐ کی قیادت میں ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے، عزم و ثبات کے ساتھ تیار تھے، وُہ وقت گزر چکا تھا کہ جب مالِ غنیمت کی ترغیب نے انہیں ایک غیر منظم اور بے قائد مجمع بنا دیا تھا، لشکر کا لشکر لڑتے لڑتے نڈھال ہو چکا تھا۔ اس کے تابڑ توڑ حملے ناکام ہو چکے تھے، اور مسلمانوں کو فنا کر دینے کا مقصد یکسر ناکارہ ہو چکا تھا، چنانچہ لڑائی بند ہو گئی۔

مکّہ واپس جانے سے پہلے ابوسفیان کوہ احد پر چڑھا، اور بہ آواز بلند پکارا :

"کیا تم میں محمد (زندہ) موجود ہیں ؟"

مسلمانوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اب ابوسفیان نے ایک مرتبہ اور پکار کر پوچھا :

"کیا ابوقحافہ کا بیٹا (ابوبکرؓ) تم میں (زندہ) موجود ہے ؟

مسلمانوں نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔

ابوسفیان نے پکار کر اب تیسرا سوال کیا :

"کیا تم میں عمرؓ بن خطاب (زندہ) موجود ہیں ؟

اس مرتبہ بھی مسلمانوں کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

ابوسفیان نے ان تینوں کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوال نہیں کیا، کیونکہ نہ صرف

اس کا، بلکہ تمام قریش کا یہ خیال تھا کہ اسلام انہی ستونوں پر قائم ہے۔ اب اُس نے بہ آواز بلند کہا :

"یہ تینوں تو رخصت ہوئے !"

یہ سُن کر عمرؓ بن خطاب سے ضبط نہ ہو سکا، انہوں نے کڑک کر جواب دیا :

"اے دشمنِ خدا، جن لوگوں کا تُو نے ذکر کیا ہے، سب زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہ چیز باقی رکھی ہے، جو تیرے لیے ناگوار اور ناقابلِ برداشت ہے، اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیری باتیں سُن رہے ہیں۔"

جب ابوسفیان اپنے لشکریوں کے ساتھ واپس جانے لگا ——— تو اُس نے پکار کر کہا :

"اچھی بات، اگلے سال بدر میں پھر ہمارا آمنا سامنا ہوگا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا :

"کہہ دو، ہاں ہمارا تمہارا یہ وعدہ رہا۔"

اللہ تبارک تعالیٰ نے کتنی سچّی بات ارشاد فرمائی :

ولقد صدقکم اللہ	یعنی :
وعدہ اذ تحسّونھم	اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ پورا
باذنہ حتی اذا فشلتم	کر دکھایا، وہ وقت یاد کرو، جب
وتنازعتم فی الامر	تم انہیں خدا کے حکم سے قتل کر رہے
وعصیتم من بعد ما	تھے، پھر جب تم نے بزدلی اختیار
اراکم ما تحبون،	کی، اور اپنے کام میں جھگڑنے لگے۔
منکم من یرید الدنیا	اور اپنی محبوب چیز (فتح) کو دیکھ لینے
ومنکم من یرید الآخرۃ	کے بعد پھر نافرمانی میں مبتلا ہو گئے۔

ثم صرفكم عنهم ليبتليكم، ولقد عفا عنكم والله ذو فضل على المؤمنين!"	تم میں بعض ایسے تھے، جو دنیا کے طلب گار تھے، اور بعض آخرت کے طالب تھے۔ پھر اس نے تم کو ان سے پھیر دیا، تاکہ تمہیں آزمائے۔ بلا شبہ خدا نے تمہیں معاف کر دیا، اور ایمان والوں کے لیے وہ بڑا اکرم کرنیوالا ہے۔

طرفین کی مراجعت

۱۔ مشرک :

مشرکین مکہ واپس چلے، جب مقامِ روحاء[1] پر آئے تو ابوسفیان کو خبر ملی کہ مسلمان تعاقب میں جنگ کے ارادے سے چلے آرہے ہیں، اور آپؐ نے مدینۂ منورہ سے تازہ دم فوج اپنے ساتھ لی ہے۔

معن خزاعی ابوسفیان کے پاس سے گزرا، یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ رسولؐ کے پاس سے آرہا تھا۔ اس سے ابوسفیان نے مسلمانوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔

معن نے (جو اب تک مشرک ہی چلا آرہا تھا) جواب میں کہا :

"محمدؐ ایسا لشکرِ گراں لے کر آرہے ہیں کہ میں نے ایسا لشکر آج تک نہیں دیکھا،

---

[1] : حمراء الاسد کے قریب یہ ایک بستی ہے، جو مکہ، مدینہ کے راستے پر واقع ہے یہاں سے مدینہ آٹھ میل کی مسافت پر ہے۔

اب ان کے ساتھ وہ لوگ آرہے ہیں جو پہلی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے، ان میں سے ہر فرد، جوشِ انتقام کا پتلا بنا ہوا ہے، اور طے کر کے گھر سے نکلا ہے کہ جی بھر کے بدلہ لے کر واپس آئے گا۔"

ابوسفیان نے یہ سن کر خیال کیا کہ اگر دوسری جنگ اب برپا ہوئی، اور اس حرب و پیکار میں ہماری قوت اور زیادہ کمزور ہوگئی تو گویا، قریش ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گئے۔ پھر وہ کبھی سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔

آخر ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی۔ بنو عبد القیس کا ایک قافلہ مدینہ جا رہا تھا، اس نے اس قافلے کے ایک سوار سے کہا :

"محمدؐ تک میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ ابوسفیان نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ایک مرتبہ پھر حملہ آور ہو، اور مسلمانوں کی بچی کھچی طاقت کو بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دے۔" یہ پیام دے کر تیزی کے ساتھ وہ مکہ مکرمہ روانہ ہوگیا۔

۲- مسلمان :

مشرکین کے واپس جانے، اور اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینۂ منورہ واپس آنے کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت ہی جرأت مندانہ فیصلہ کیا، تاکہ احد کی جنگ میں شکست نے جو زخم پہنچایا ہے وہ کسی حد تک مندمل ہو جائے، اور ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کا دبدبہ قائم ہو جائے اور یہود و منافقین مرعوب اور دہشت زدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ان مسلمانوں کو ساتھ لیا جو جنگِ احد میں شریکِ کارزار رہے تھے، اور ۱۶ر شوال ۳ھ یوم اتوار کو، قریش سے ایک مرتبہ پھر جنگ کرنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے۔

جب آپؐ حمراء الاسد کے موضع کے قریب تشریف لائے، جو مکۂ مکرمہ اور مدینہ

منورہ کے راستے پر واقع ہے تو آپؐ کو یہ خبر ملی کہ قریش پھر جنگ کے ارادے سے واپس آرہے ہیں۔

اس خبر سے مسلمانوں میں ذرا بھی بے حوصلگی نہیں پیدا ہوئی، اور انہوں نے اپنی جگہ فیصلہ کرلیا کہ :

اچھا ہے کہ ایک مرتبہ پھر قوت آزمائی ہو جائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حمراء الاسد میں تین دن تک قیام پذیر رہے اور قریش کا انتظار کرتے رہے۔

آخرکار جب آپؐ کو یہ اطلاع مل گئی کہ :

قریش مکہ واپس جا چکے، تب آپؐ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

اس طرح مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی ——— جسے احد کی لڑائی نے کم کر دیا تھا۔

خسائرِ (نقصانات) طرفین

۱۔ مُشرکین :

قریش کے بائیس آدمی قتل ہوئے۔

۲۔ مُسلمان :

مسلمانوں میں سے ستّر افراد نے جامِ شہادت نوش کیا۔

❁

اسبابِ نکبت (شکست)

ا- فتح یا شکست؟

غزوۂ احد کے انجام کے سلسلے میں، اُن مؤرخین سے مجھے قطعاً اتفاق نہیں ہے۔ جن کا خیال یہ ہے کہ اس جنگ میں مشرکین کے حصّے میں فتح، اور مسلمانوں کے حصّے میں شکست آئی، بلاشبہ اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان مشرکین کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہُوا، لیکن خالص فوجی نقطۂ نظر سے درحقیقت فتح مسلمانوں ہی کو ہُوئی۔

غزوہ احد کے حقیقی نتائج تک رسائی حاصل کرنے کے لیے خالص فوجی نقطۂ نظر سے اس مسئلے پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

جنگ کے آغاز میں مُسلمانوں کی فتحمندانہ یورش کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے مشرکین کو اتنا پیچھے دھکیل دیا کہ وُہ اپنے اڈّے سے بھی بہت دُور ہو گئے۔ ان کی عورتوں کو گھیرے میں لے لیا۔ ان کا ساز و سامان خطرے میں پڑ گیا۔ ان کا پرچم کئی مرتبہ گرا، اور زمین میں خاک آلُود ہُوا۔ لیکن بعدازاں خالد بن ولید کا (خود مسلمانوں کی غفلت کے باعث) عقب سے حملہ کرنا، اور مُسلمانوں کی واپسی کا راستہ کٹ جانا۔ اور مقابل سے مشرکین کا اچانک بھرپور حملہ کر دینا۔ اور مُسلمانوں کا ہر طرف سے محاصرے میں آجانا۔ یہ وہ اسباب تھے جو مسلمانوں کے لیے حد درجہ نقصان دہ ثابت ہُوئے، لیکن آخری ساعت تک غلبہ مسلمانوں ہی کا رہا۔

بات یہ ہے کہ کسی جنگ کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ صرف نقصان جان سے ——— جہاں تک فوجی نقطۂ نظر کا تعلق ہے ——— نہیں کیا جاتا، بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ آیا شکست پانے والوں کا جذبہ بھی کُچلا جا سکا۔ آیا ان کے ولولے کو بھی شکست دی گئی؟

آیا ان کا جذبہ بھی قتل ہُوا؟

درحقیقت یہی وہ چیز تھی، جو قضائے میرم بن کر دشمن پر نازل ہوئی، مادی، اور معنوی ہر لحاظ سے۔

کیا آخرِ وقت تک ــــــ مشرک مسلمانوں پر ــــــ مادّی یا معنوی ــــــ کسی اعتبار سے بھی غالب آ سکے؟

مُسلمانوں پر خالد بن ولید کا حملہ بالکل اچانک تھا، پھر مستزاد یہ کہ مقابل سے مشرکین کا پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہونا، مسلمانوں کا گھیرے میں لے لیا جانا، اور مشرکین کا جو مسلمانوں سے تعداد میں پانچ گنا زیادہ تھے، ایکا کر کے ٹوٹ پڑنا، یہ تمام باتیں اس امر کی متقاضی تھیں، کہ مسلمانوں کا بالکلیہ خاتمہ ہو جاتا، اور ان کا کہیں نام و نشان بھی نہ ملتا۔ جب کہ عددی اعتبار سے بھی وہ بہت قلیل تھے۔ ہر طرف سے گھرے ہوئے بھی، اور دس فیصد نفوس ان کے شہید بھی ہو چکے تھے، ایسی حالت میں ان کا صحیح سلامت نکل آنا، ایک بہت معمولی سی طاقت کے بہت بڑے غلبہ کا ثبوت ہے۔

اتنی بڑی قوت و طاقت والا لشکر بھی، اگر اپنے پانچ گنا کم سپاہ کو معنوی اور مادّی اعتبار سے فنا نہ کر سکے تو اس میں کیا شبہ ہے کہ اس کی کم حوصلگی، دوں ہمتّی، اور حربی استعداد سے نکمّے ہونے کی دلیل ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ دشمن (مسلمان) ان کے محاصرے میں آ کر بالکل ان کے رحم و کرم پر تھا۔

قریش کی ناکامی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد بھی وُہ مسلمانوں کے حوصلے اور ولولے کو ختم نہ کر سکے۔

ان میں یہ جرأت بھی نہ تھی کہ مدینہ سے اتنی دُور نکل جانے کے بعد بھی، مقابلہ کرنے کی جسارت کرتے، حالانکہ حالت یہ تھی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دوبارہ قتال و جدال کے لیے صرف انہی لوگوں کو لے کر نکلے تھے، جو اُحد میں ساتھ تھے۔ ان کے علاوہ

کوئی کسی اور گروہ یا جماعت سے استمداد نہیں کی گئی۔

مسلمان جس تنگنائے میں پھنس گئے تھے۔ اس سے صحیح سلامت نکل آنا، بلاشبہ ان کی نصرِ عظیم ہے، کیونکہ مشرکین کے انہیں ہر چہار طرف سے محصور کر لینے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور ہونا ہی نہیں چاہیئے تھا کہ وہ مکمل طور پر فنا ہو جاتے۔

۲۔ اسبابِ خسائر (نقصانات) مسلمین :

جنگِ احد میں مسلمانوں نے بہت زیادہ نقصان اٹھایا۔ اس نقصان کے اسباب و عوامل ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :

الف : عدمِ مطاردہ (تعاقب) [1]

جنگ کے پہلے حلے میں مشرکین کے ہزیمت خوردہ ہونے کے بعد مسلمانوں نے ان کا تعاقب نہیں کیا، حالانکہ وہ پسپا ہوتے ہوتے اپنے فوجی مرکز سے بھی کافی پیچھے جا چکے تھے اس کے بجائے انہوں نے کیا یہ کہ مالِ غنیمت جمع کرنے میں منہمک ہو گئے اگر کہیں ایسا ہوتا کہ مشرکین کی شکست و ہزیمت کے فوراً بعد، مسلمان ان کے تعاقب میں لگ جاتے تو ان کا سارا زور ٹوٹ جاتا، اور وہ پورے طور پر بے بس ہو جاتے، ظاہر ہے اس کے

---

[1] : مطاردہ :-

ایک فوجی اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کا مادی اور معنوی قوتوں کا تعاقب کر کے پے در پے ایسی ضربیں لگائی جائیں کہ وہ سنبھل نہ سکے۔ اور اسے جتنا زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جا سکتا ہو، پہنچایا جائے تا کہ دشمن بالآخر راہ فرار اختیار کرنے یا شکست قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔

بعد سارا مالِ غنیمت انہی کا تھا۔

ب : احکام سے سرتابی

"آرڈر" کی بے چوں و چرا تعمیل جنگی ضابطۂ اخلاق میں سب سے بڑی چیز ہے۔ اسے بجا طور پر عسکری روح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ہر معرکے میں بڑی حد تک فتح و شکست کا دار و مدار اور انحصار صرف اسی چیز پر ہوتا ہے۔

تیر اندازوں کا حکم کے برخلاف اپنی جگہ چھوڑ دینا اور رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کرنا اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں منہمک ہو جانا، بہت بڑی غلطی تھی جو اس جنگ میں مسلمانوں سے سرزد ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا عقب غیر محفوظ ہو گیا اور خالد بن ولید نے اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر، مسلمانوں کو عقب سے گھیرے میں لے لیا جس کا آخر کار نتیجہ یہ برآمد ہُوا کہ مسلمان ہر جانب سے پُورے طور پر محاصرے میں آ گئے۔

ج : اچانک حملہ :

مبادیاتِ جنگ میں اچانک حملے کو غیر معمولی اہمیّت حاصل ہے، فوجی اصطلاح میں اچانک حملے سے مراد یہ ہے کہ دشمن پر ایسی جگہ اور ایسے وقت یا ایسے اسلوب سے اچانک وار کیا جائے جو اس کے لیے تمام تر غیر متوقع ہو اور حملے کی نوعیت ایسی ہو کہ دشمن کی مادّی اور معنوی قوت پارہ پارہ کر کے رکھ دی جائے۔

مشرکین کی شکست کے بعد خالد بن ولید کا سنبھل کر مسلمانوں کے عقب سے حملہ آور ہونا، اچانک حملہ تھا۔

مسلمانوں کی صفیں اس طرح گڈمڈ ہو گئیں کہ وہ اپنے اور بیگانے میں تمیز نہ کر سکے،

اس طرح کئی مسلمانوں کو دشمن کے ہاتھ سے نہیں خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کرنا پڑا، وہ اس سے کچھ ایسے حواس باختہ ہوئے کہ محسوس ہی نہ کر سکے، کہ کیا کر رہے ہیں ؟

جنگِ اُحد
سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں وہ کیا ہیں؟

۱- حصُولِ معلُومات :

مسلمانوں کو بہت کافی معلومات قریش کے عزائم، ان کی نقل و حرکت، اُن کے سازوسامان، اور جنگی تیاریوں کے بارے میں، عم رسولؐ عباسؓ کے خط سے حاصل ہو گئے تھے، یہ ابتدائی معلومات اس وقت حاصل ہوئے تھے، جب مسلمانوں سے لڑنے کیلئے قریش مدینہ کا رخ کر رہے تھے۔

بعدازاں قبل از جنگ مُسلمانوں نے اپنے طلایہ گرد دستے روانہ کیے، جنہوں نے قریش کے فوجی ٹھکانوں کا سراغ لگایا۔

پھر ایک اور طلایہ گرد دستہ جنگِ اُحد کے بعد بھیجا کہ معلوم کر کے آئے، آیا قریش واپس آنے کا ارادہ کر رہے ہیں یا نہیں ؟ یہ معلومات بہت کام آئے اور مشرکین پر مسلمانوں کی طرف سے اچانک حملے میں اس سے بڑی مدد ملی۔

۲- فوجی قیادت :

جنگِ احد میں قریش کا سپہ سالارِ اعلیٰ ابوسفیان تھا۔ اس معرکہ میں یہ اپنی شخصیت

میں ثبات و استحکام نہ پیدا کر سکا۔ اپنے ماتحتوں کے لیے اس کی شخصیت اس درجہ ضعیف اور غیر مؤثر اور اس کے احکام اس درجہ کمزور اور ناقابلِ تعمیل تھے کہ مشرک عورتیں مسلمان شہیدوں کی لاشوں کا مثلہ[1] کرنے سے اس کی مرضی کے خلاف رک نہ سکیں، اور وُہ کچھ بھی نہ کر سکا۔

اگر ابو سفیان فوجی قائد کی حیثیت سے بھاری بھر کم ہوتا اور حقیقی سوجھ بوجھ رکھتا ہوتا۔ تو گھیرے میں لیے جانے کے بعد، مسلمانوں کو بے دریغ فنا کے گھاٹ اتار دیتا۔

ابو سفیان کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فوجی قائد کی حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں۔

آپؐ نے جنگ کے لیے جگہ خود منتخب فرمائی، اور قریش کو مجبور کر دیا کہ وہ اسی جگہ کو مرکزِ جنگ بنائیں۔

قتال و جدال کے لیے آپ نے ایک ضابطہ مقرر کر دیا تھا، جس کی پُوری پُوری تعمیل ہوئی، آپؐ نے مسلمانوں کے عقب کا تحفظ کرنے کے لیے تیر اندازوں کی ایک جماعت منتخب کی، اور اسے ایک خاص مقام پر متعین کر دیا۔ اور اس کی حفاظت کے لیے، اور دفاع کی خاطر کافی سامان بہم پہنچا دیا، اور دیکھ بھال، اور نگرانی کے لیے ایک شخص کو ذمّہ دار قرار دیا۔

یہ تمام باتیں بلا شبہ اپنی جگہ خاصی اہم ہیں۔ لیکن آپؐ کی اس فوجی عبقریت کے سامنے بالکل ہیچ اور بے مایہ نظر آتی ہیں۔ جس کا مظاہرہ آپؐ نے جنگ کے دوسرے دور میں کیا، مشرکین پہاڑ کی چوٹی پر قابض ہو چکے تھے۔ مُسلمان گھیرے میں آ گئے تھے۔ دشمن (مشرکین) کی تعداد پانچ گنا زیادہ تھی۔ جس کی نسبت سے مُسلمان بہت کم تھے۔

---

[1] : مثلہ ——— یعنی مقتول کی لاش کو ناک، کان وغیرہ کاٹ کر بگاڑ دینا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر گرم تھی۔ جس نے مسلمانوں کے دل و دماغ کو ماؤف و مفلوج کر دیا تھا۔ مسلمان میدانِ جنگ سے رو بہ فرار ہو چکے تھے اور جو لوگ اس نازک گھڑی میں آپؐ کے پاس رہ گئے تھے، وہ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔

یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال اور یکتا فوجی قیادت کا کرشمہ تھا کہ اس انتہائی نازک اور سنگین حالت میں بھی آپؐ نے مسلمانوں پر اپنا تسلط اور اقتدار و اختیار پورے طور پر قائم رکھا، آپؐ گھرے ہوئے مسلمانوں کی، کفار کا حلقہ توڑ کر نکلنے میں قیادت فرماتے رہے۔ پھر ایک بلند مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، اور اپنی بکھری ہوئی جماعت کو منظم کیا، اور اس میں پھر وہی ولولہ اور حوصلہ پیدا کر دیا۔ جو مشرکین کے اچانک حملے کے دوران میں بہت کام آیا۔ اور اس شکست کو جس کا انجام ہلاکت نظر آ رہا تھا، فتح سے بدل دیا۔ آپؐ نے قریش میں مایوسی کی لہر پیدا کر دی، ان کا دم خم جواب دے گیا۔ وہ مسلمانوں کو مٹا دینا چاہتے تھے لیکن اب انہیں اپنی یہ امید بر آتی نظر نہیں آتی تھی، حالاں کہ، امر واقعہ یہ ہے کہ حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے، کہ مسلمانوں کی ہلاکت اور بربادی ایک قطعی اور یقینی چیز نظر آ رہی تھی۔ آخر آپؐ نے حالات کا رُخ اس طرح موڑا کہ مشرکین، دل گرفتہ، اور آشفتہ خاطر ہو کر عالمِ مایوسی میں واپس چلے جانے پر مجبور ہو گئے۔

مزید یہ کہ آپؐ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جنگ کے دوسرے روز (فاتح) افواج مشرکین کے تعاقب میں نکلے۔ یہاں تک کہ وہ غلط اطلاعات ارسال کرنے کا فریب استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے۔

یعنی انھوں نے کہلایا کہ :

وہ مسلمان فوج پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے واپس آ رہے ہیں۔

لیکن آپؐ اس خبر سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے۔ بلکہ آپؐ کی شہامت و تہوّر میں اور اضافہ ہو گیا ——— اور آپؐ نے فیصلہ کر لیا کہ ہر حالت میں مشرکین

کا مقابلہ کیا جائے گا۔

یہ ہے وہ قیادتِ عبقریہ جس کا مظاہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ میں کیا، اور اس کا بہت معمولی سا نتیجہ جو ظاہر ہوا وہ یہ تھا کہ شکست خوردہ مسلمانوں نے فاتح فوج کی حیثیت اختیار کر لی۔

۳۔ جنگی فیصلے

الف : نافرمانیٔ احکام

تیر اندازوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کر کے بہت بڑی غلطی کی کہ اپنی جگہ چھوڑ کر جہاں وہ متعیّن کیے گئے تھے، مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔

اگر وہ اپنی جگہ پر جمے رہتے، تو خالد بن ولید عقب سے حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکتے نہ مشرکین مسلمانوں کو گھیرے میں لے سکتے۔

احد کے معرکہ میں، حکم رسولؐ سے سرتابی، ایک بہت بڑا سبق ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فوجی معاملات و امور میں احکام کی نافرمانی کرنا، جنگ کے لیے تباہ کن اور مہلک نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔

جنگِ اُحد کے نتائج معروفہ اس سبق کو دل میں راسخ کرنے کے لیے کافی ہیں، کہ آئندہ کبھی اس طرح کی غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے۔

ب : عدمِ مطاردہ (تعاقب)

ہر کامیاب حملے کے بعد، یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ دشمن کا شدت سے تعاقب کیا جائے

تاکہ اس کی قوت پارہ پارہ ہو جائے۔

مسلمانوں نے مشرکین کا تعاقب نہ کر کے بہت بڑی غلطی کی۔ درآں حالیکہ مشرکین کے پاؤں اکھڑ چکے تھے، اور وہ اپنے مرکز سے دُور تک پسپا ہوتے چلے گئے تھے اور مُسلمانوں کے گھیرے میں مشرکین کی عورتیں، اونٹ، دولت اور مویشی وغیرہ جنگِ اُحد کے پہلے ملّے میں آ چکے تھے، اگر مسلمانوں نے زیادہ نہیں صرف دس میل ہی تک مشرکین کا تعاقب کر لیا ہوتا تو مشرکین کو ناقابلِ تصوّر نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا، اور معرکۂ احد کا خاتمہ اس طرح ہوتا کہ نتائج جنگ مسلمانوں کے حق میں ہوتے۔

ج : اسلوُبِ قتال :

طرفین کے مابین صف بندی کے اصُول پر جنگ جاری رہی۔ اس طرح قریش نے فائدہ اٹھایا اور جنگِ مغلوبہ کی نسبت میدانِ جنگ پر زیادہ متصرف ہو گئے۔ اگر جنگ —— صف بندی کے بجائے مغلوبہ ہوتی، یعنی دونوں فوجیں آپس میں گتھ جاتیں، تو مشرکین اتنا زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔

۴- اسبابِ ظاھری

الف : نقل و حرکت

مشرکین کو مسلمانوں پر متعدد حیثیات سے برتری حاصل تھی۔ مسلمانوں کے پاس سازوسامان جنگ بھی ناکافی تھا، اس کے برعکس مشرکین کے پاس کھانے پینے کا سامان اور سامانِ دفاع وحفاظت بہ افراط تھا، ان چیزوں کا اثر قدرتاً لڑنے والوں پر اچھا ہی پڑتا ہے یعنی وہ آسودہ اور مطمئن نظر آتے ہیں۔

ب : تدفین و تکفین

مشرکوں نے اپنے مقتولوں کو دفن کر دیا، لیکن مسلمان شہداء کی لاشیں اسی طرح چھوڑ دیں۔

پھر معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا، بلکہ مسلمان شہداء کی لاشوں کا نہایت شنیع طریقے پر مثلہ بھی کیا۔ ابوسفیان کی بیوی یعنی ہند بنتِ عتبہ اور اس کی رفیق کار عورتیں بڑی دھٹائی کے ساتھ مسلمان شہیدوں کی لاشوں کا مثلہ کرنے میں مصروف تھیں۔ ان کے کان، اور ناک وغیرہ کاٹ رہی تھیں۔

جنگِ اُحد تاریخ کے آئینہ میں

مؤرخین عام طور پر اس خیال میں تقریباً متفق ہیں، کہ جنگِ اُحد میں، مشرکین کو فتح، اور مسلمانوں کو شکست حاصل ہوئی۔ لیکن جہاں تک جنگی حقائق کا تعلق ہے، وہ مؤرخین کے اس اجتماع سے ہم آہنگ نظر نہیں آتے۔

مشرکین کو اس امر کا پورا موقعہ حاصل ہو گیا تھا کہ اُحد میں مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں، کیوں کہ مسلمان بے بس ہو کر، اُن کے گھیرے میں آ چکے تھے۔ جنگی ساز و سامان کے اعتبار سے بھی مشرکین مسلمانوں سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور ہر اعتبار سے اُن پر تفوق رکھتے تھے۔ لیکن با ایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے حلقے کو توڑ ڈالا، اور اپنی نوّے فیصد فوج کو صحیح سلامت بچا لائے، جس کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا۔

مسلمانوں پر تفوق اور برتری رکھنے اور انہیں گھیرے میں لے چکنے کے باوجود، مشرکین جو مسلمانوں کا صفایا نہیں کر سکے یہ ان کی بہت بڑی شکست ہے۔

اسی طرح ——— صرف دس فیصد نفوس کا نقصان اٹھا کر مسلمان جو مشرکین کا مضبوط حلقہ توڑ کر صحیح سلامت باہر نکل آئے، یہ ان کی بہت بڑی فتح ہے۔

مزید برآں یہ کہ معرکۂ احد میں فناء تام سے مسلمانوں کا بچ نکلنا بہت بڑی کامیابی تو ہے ہی، منافقین کی حقیقت کو پہچان لینا اور انہیں اپنی صفوں سے معرکۂ احد سے قبل و بعد نکال باہر کر دینا بھی بہت بڑی کامیابی ہے، اس طرح یہ ممکن ہو گیا کہ معرکۂ احد کے بعد، اپنی صفوں کی تطہیر عام بصیرت اور دانش کے ساتھ کر سکیں۔

ان تمام امور اور حقائق کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو ماننا اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ جنگِ اُحد سے مسلمانوں کو نقصان کم پہنچا اور فائدہ بہت زیادہ حاصل ہُوا۔

معرکۂ احد کا نتیجۂ تعبوی[1] تو یہ ہے کہ مشرکین کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہُوا، لیکن مشرکین کو شکست سوقی[2] حاصل ہُوئی، اور سوقی شکست کے مقابلے میں تعبوی فتح کوئی خاص منزلت نہیں رکھتی۔

---

[1] : یعنی میدانِ جنگ میں جنگی اصولوں پر کام کرنا۔

[2] : یعنی لڑائی سے وہ فائدہ حاصل کرنا جو جنگ کا اصل مقصد ہو۔

سوق اور تعبیہ کی یہ تعریف جو ہم نے درج کی مختصر ہے، جو مطلب سمجھنے کیلئے کافی ہے، لیکن کتب فن حرب میں ان جنگی اصطلاحوں کی تعریف میں بڑی طولانی عبارتیں لکھی گئی ہیں۔

بہر حال اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ :

سوق (یعنی نتائج جنگ پورے کے پورے) اور تعبیہ (اعمالِ جنگ) درحقیقت ایک ہی نتیجہ کے متقاضی ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

۱۱

اعادۂ اصلاح نظام

◎

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین
یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ
لا یحب المعتدین !

القرآن الکریم

◎

خدا کے راستے میں ان لوگوں سے مقاتلہ کرو
جو تم سے برسرپیکار ہوں، لیکن زیادتی نہ کرنا۔
اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند
نہیں فرماتا۔

◎

تطہیر

جنگ اُحد کے بعد.. ..!

مؤقفِ عام

۱۔ مسلمان :

مسلمانوں کے لیے یہ امر بسالابدی ہو گیا تھا کہ مدینہ اور خارجِ مدینہ میں تطہیرِ عام بروئے کار ...ئیں تاکہ اپنے بارے میں عربوں کو اعتراف امتیاز و اختصاص پر مجبور پائیں۔

مدینہ کے اندر غزوۂ احد سے پہلے مسلمان اسلام کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن اب اس لڑائی نے داخلی اور خارجی کئی مشکلات اور صعوبات ان کے لیے پیدا کر دیں۔

داخلی مشکلات و صعوبات کا سہرا یہودیوں کے سر تھا، جو دل و جان سے مسلمانوں کے ...ترین دشمن بنے ہوئے تھے، لیکن تھے بڑے موقع شناس، مسلمانوں کو مبتلائے آلام و مصیبت دیکھتے تو کھُل کر سامنے آجاتے، اور مظاہرۂ عداوت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ اس کے برعکس اگر مسلمان کامیاب و کامران، فاتح و شادماں دکھائی دیتے تو دبک جاتے اور دشمنی دل کے ...ہاں خانے تک رہ جاتی، زبان پر نہ آتی، نہ عمل سے مظاہرہ ہوتا۔

داخلی مشکلات وصعوبات میں یہود توسرِ فہرست تھے ہی، لیکن منافقین بھی کچھ کم نہ تھے۔ یہ ظاہر میں مسلمان تھے، لیکن درحقیقت تخریب اسلام ومسلمین کے درپے اور آرزومند رہا کرتے معرکۂ احد سے قبل وبعد، بعض مواقع پر ان کی بدنفسی اور خبثِ نفس کی کیفیات واضح طور پر سامنے آچکی تھیں۔

اب رہا خارجی مشکلات وصعوبات کا معاملہ، سو اُن کے پیدا کرنے میں قریش کا ہم پلّہ کوئی نہ تھا، انہوں نے جنگِ اُحد کے نتائج کا کچھ اس انداز میں پروپیگنڈا کیا کہ خود تو اپنی قدر وقیمت بڑھالی اور مسلمانوں کی وقعت اور دھاک میں کمی کر دی۔

قریش کے علاوہ خارجی مشکلات پیدا کرنے میں پڑوسی قبائل بھی کچھ کم حصّہ نہیں لے رہے تھے۔ یہ اعراب تھے، جو طاقت ور کے سامنے سرنگوں ہو جانا موجب فخر ومباہات سمجھتے تھے، لیکن جسے کمزور پاتے اسے اتنی سنگ دلی سے گرفت میں لینے کی کوشش کرتے جس میں رحم اور نرم دلی کا شائبہ بھی نہ پایا جاتا۔

مسلمانوں کے لیے یہ بات ازبس ضروری ہوگئی تھی کہ وہ اپنی دھاک اور ساکھ قائم کرنے کے لیے تطہیرِ عام بروئے کار لاتے، تاکہ اپنی صفوں کو از سرِ نو منظم کر لیتے۔ مدینہ اور حوالی مدینہ کے علاقوں پر بہ حدّ کامل اپنا اقتدار قائم رکھتے، اور ساتھ ہی ساتھ مشرکین قریش اور دُوسرے قبائل کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیتے۔

۲۔ مشرکین :

جنگِ اُحد کے نتائج نے قریش کو نشۂ فتح وطرب سے سرشار کر دیا تھا، حالاں کہ صورتِ احوال بالکل برعکس تھی، انہیں جو کامیابی حاصل ہُوئی تھی، وہ جنگی کارکردگی کے لحاظ سے حاصل ہوئی تھی، لیکن جنگی اسپرٹ اور عسکری رُوح ——— جو اصل چیز ہے ——— ان میں بالکل مفقود تھی، اور اس اعتبار سے انہیں بڑی سخت، اور

ذلّت بخش شکست ہوئی تھی۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیئے کہ قریش کو جو کامیابی معرکۂ اُحد میں حاصل ہُوئی تھی وہ صرف ظاہری تھی، ورنہ معنوی حیثیت سے وہ ہزیمت خوردہ تھے۔

قریش، اس واشگاف حقیقت کا اندازہ نہ کرسکے، وہ بڑے فخر کے ساتھ اپنی فتح اور نصرت کی داستان نمک مرچ لگا کر بیان کرتے، اور عرب کے گوشے گوشے میں وہ اپنی مبینہ فتح کا اعلان و اظہار کرتے رہتے۔

بالکل یہی کیفیّت حوالی مدینہ کے رہنے والے عرب قبائل کی تھی، وہ بھی بات کی تہ تک نہ پہنچ سکے، اور اس طمع میں مُبتلا ہوگئے کہ مُسلمان پکّے ہُوئے پھل کی طرح ان کی گود میں، وقت آنے پر آگریں گے۔

۳- یہود :

یہُود اس خیالِ خام میں مُبتلا تھے کہ :

جنگِ احد نے مسلمانوں کے انجر پنجر ڈھیلے کردیئے ہیں، اور اب ان میں کچھ بھی سکت باقی نہیں رہ گئی ہے۔

چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ :

اپنے ہم مذہب بھائیوں بنو قینقاع کی جلاوطنی اور کعب بن اشرف کے قتل کا بدلہ لینے کا اس سے بہتر اور نادر موقعہ کوئی اور نہیں مل سکتا۔

حزم و احتیاط اور مصلحت کوشی کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ——

وُہ علی الاعلان مسلمانوں کے راستے میں مشکلات پیدا کرنے لگے، اور سازشوں کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔

طرفین کے احساسات و تصوّرات

۱۔ مُسلمان :

مسلمانوں کا مقصد نہ جنگ تھا، نہ چھیڑ چھاڑ،
وہ صرف ایک بات کے جویا تھے، یعنی :
نشر و تبلیغ اسلام کے راستے میں مشرکوں اور یہُودیوں کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔
وہ مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔
اور جو لوگ مسلمانوں پر ظلم و جور کریں ——— ان سے اپنی جان، اور مال کی حفاظت کر سکیں۔

۲۔ مشرکین اور یہُود

ان دونوں کی متفقہ خواہش یہ تھی کہ :
* مسلمانوں کو فنا کر دیا جائے۔

اور

* ان کا مال و زر لوٹ لیا جائے۔

⁂ ⁂ ⁂

حوادث پر ایک نظر

۱- سریہ ابن ابی سلمہ :

الف : طرفین کی قوت وطاقت ،

مسلمان :

ابن ابوسلمہ بن عبد الاسد کی سرکردگی میں ڈیڑھ سو پیادوں اور سواروں پر مشتمل ایک طلایہ گرد، دستہ ،

مشرکین :

طلیحہ اور سلمہ۔ خویلد کے دونوں بیٹوں کی سرکردگی میں بنو اسد کا پورا قبیلہ۔

ب : مقصد

مدینہ میں مسلمانوں پر قبیلۂ بنو اسد کی یلغار، اور یورش کو روکنا۔

ج : واقعات وحوادث

غزوۂ احد کے دو ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ خویلد کے دونوں بیٹے۔ طلیحہ اور سلمہ اپنے قبیلے کو اکسا رہے ہیں کہ مدینہ پر چڑھائی کردی جائے، اور مسلمانوں کا

مال، اور ہر قسم کا اسباب وسامان لوٹ لیا جائے۔

یہ خبر سُن کر آپؐ نے ایک طلایہ گرد دستہ بھیجا۔ جو ڈیڑھ سو پیادوں اور سواروں پر مشتمل تھا، اس میں ابوعبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص بھی شریک تھے میرِ قافلہ ابن ابوسلمہ بن عبدالاسد تھے۔ پیشِ نظر یہ امر تھا کہ قبل ازیں کہ بنواسد مدینہ پر حملہ کریں، ان سے نمٹ لیا جائے۔

آپؐ کی تاکید یہ تھی کہ رات کو سفر کریں، اور دن کو کسی مناسب جگہ پر پوشیدہ ہو جائیں۔ اور راستہ وہ اختیار کریں جس پر عمومی آمد ورفت نہ ہو، تاکہ کوئی ان کے عزائم اور احوال سے مطلع نہ ہو سکے۔

یہ حکم بھی آپؐ نے دیا کہ بنواسد پر اچانک اور غیر متوقع حملہ کر کے انہیں حواس باختہ کر دیا جائے۔

ابن ابوسلمہ اپنا چھوٹا سا لشکر لے کر نکلے۔ اور ہدایاتِ رسولؐ پر عمل کناں بنواسد کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ بنواسد کو پتہ تک نہ چل سکا کہ دشمن سر پر آن پہنچا ہے۔ دفعتہً مسلمانوں نے انہیں گھیر لیا، اس آفتِ ناگہانی کا اثر یہ ہُوا کہ بنواسد کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وُہ بھاگ کھڑے ہُوئے۔

ابن ابوسلمہ نے اپنے لشکر کو دو ٹکڑیوں میں تقسیم کیا، اور ان بھاگنے والوں کا تعاقب شروع کر دیا۔

کافی مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس کے بعد ابن ابوسلمہ اپنا چھوٹا لشکر لے کر فاتح و غانم کی حیثیت سے داخل مدینہ ہُوئے۔

۲۔ عبداللہ بن اُنیس کا گشت :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

⁞ مُسلمان :

بس عبداللہ بن اُنیس تن تنہا اس کام پر نکلے۔

⁞ مشرکین :

قبیلۂ ہذیل کی ایک شاخ بنو لحیان کے لوگ خالد بن سفیان ہذلی کی سرکردگی میں نکلے۔

ب : مقصد

اعراب کو مُسلمانوں پر، حملے کی تیاری اور پیش قدمی سے پہلے پہلے روک لینا۔

ج : واقعات واحوال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو پتہ چلا کہ خالد بن سفیان ہذلی اعراب کی خاصی بڑی جمعیت کے ساتھ، پورے زور شور سے مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، تاکہ مسلمانوں سے غنائم، اور مال و دولت حاصل کر سکے۔

چنانچہ آپؐ نے عبداللہ بن انیس کو تن تنہا اس مہم پر روانہ کیا کہ اس خبر کی صحت و صداقت کا صحیح صحیح پتہ چلا کر واپس آئیں، اور صحیح معلُومات بارگاہِ رسُولؐ میں پیش کردیں۔

عبداللہ بن انیس روانہ ہوُئے، تو ایک مقام پر خالد بن سفیان سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ جو اپنے آدمیوں اور ساتھیوں سے خاصے فاصلے پر تھا، البتہ اس کے ساتھ کچھ عورتیں تھیں۔

خالد نے پوچھا :

" اے شخص تُو کون ہے ؟ "

عبداللہ نے جواب دیا :

" ایک عرب ہُوں ، سُنا تھا کہ آپ محمدؐ سے لڑنے کے لیے ایک لشکر فراہم کر رہے ہیں میں بھی چلا آیا۔ ! "

خالد بن سفیان ، عبداللہ کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا۔ عبداللہ نے جب اچھی طرح اندازہ کر لیا کہ اس کے آدمی اور ساتھی اس سے خاصے فاصلے پر ہیں، ساتھ صرف یہی چند عورتیں ہیں، تو وہ بھی ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

ذرا دور چلنے کے بعد ——— دفعتہً تلوار سونتی اور خالد بن سفیان پر وار کیا ، گردن کٹ کر گر پڑی۔

عبداللہ بن انیس شاداں اور فرحاں مدینۂ منورہ واپس آ گئے ، اور اعراب کا لشکر جو مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے مجتمع ہو رہا تھا ، خود بخود منتشر ہو گیا۔ کیوں کہ اس کا قائد تو ہلاک ہو چکا تھا۔

۳۔ غزوۂ بنو نضیر :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مُسلمان :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ——— بس مدینۂ منورہ کے مُسلمان۔

؛: یہُود :

بنو نضیر کا پُورا یہُودی قبیلہ۔

ب : مقصد

بنو نضیر کی سازشوں اور فتنہ سامانیوں سے نجات حاصل کرنا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برابر لوگوں کو اُکسایا اور بھڑکایا کرتے تھے۔

ج : واقعات و احوال

مضافاتِ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے علاقے میں داخل ہوئے۔ آپؐ کے تشریف لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ عمرو بن امیہؓ نے غلطی سے، ایسے دو آدمیوں کو، جو مسلمانوں کے معاہد تھے، قتل کر ڈالا تھا، درحقیقت انہیں اس معاہدے کا علم نہیں تھا۔ آپؐ چاہتے تھے کہ مقتولین کی دیت کا تصفیہؓ کر لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گفت و شنید کا آغاز فرمایا، تو یہودیوں نے آمادگی کے ساتھ تعاون اور اعانت کا وعدہ کیا۔ آپؐ ایک یہُودی کے مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ دس صحابی بھی تھے، جن میں ابو بکرؓ عمرؓ اور علیؓ بھی شامل تھے۔

اس اثناء میں کہ بعض یہُودی آپؐ کے ساتھ تپاک اور گرم جوشی سے گفتگو کر رہے تھے، بعض کچھ کانا پھُوسی بھی کر رہے تھے۔ کوئی آدمی اُن میں سے اُٹھ کر ایک طرف چلا جاتا، اور لوٹ آتا ——— یہ کھُلی ہوئی سازش تھی۔ ایسا اندازہ

ہُوا جیسے یہ یہُودی کعب بن اشرف کے قتل پر سرگوشیاں کر رہے ہیں، اِتنے میں ایک یہُودی عمرو بن جحاش اس گھر میں داخل ہُوا جس کی دیوار سے ٹیک لگائے آپؐ بیٹھے تھے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہودیوں کی باتوں اور حرکتوں سے شُبہ پیدا ہُوا، ساتھ ہی ساتھ، آپؐ کا ذہن اُن سرگوشیوں کی طرف بھی منتقل ہُوا، جو ابھی ہو رہی تھیں، آپؐ دیوار کے پاس سے سرک آئے۔ پھر اُٹھے اور تن تنہا مدینۂ منورہ واپس آ گئے۔

صحابہ نے خیال کیا کہیں اِدھر اُدھر آپؐ تشریف لے گئے ہیں۔ ذرا دیر میں واپس آ جائیں گے، لیکن جب کافی مدت گزر گئی، تو پریشانی پیدا ہُوئی، اور وہ آپؐ کا کھوج لگانے کے لیے اٹھ کھڑے ہُوئے، اتنے میں انہوں نے ایک آدمی کو مدینہ سے آتا ہُوا دیکھا۔ اس نے بتایا آپؐ تو مدینہ میں تشریف فرما ہیں، چنانچہ یہ لوگ بھی مدینہ کی طرف لپکے، اور آپؐ کی خدمت میں باریاب ہو گئے۔

جب آپؐ نے یہُودیوں کے بارے میں اپنے شک وشبہ کا اظہار، اور غدر و خیانت کا اندیشہ ظاہر کیا تو صحابۂ کرام کو بھی احساس ہُوا کہ واقعی امرِ واقعہ یہی تھا وہ سازش اور دھوکے سے آپؐ کی جان لینا چاہتے تھے۔

بعد میں اس بات کی تحقیق بھی ہو گئی کہ عمرو بن جحاش ہی وہ شخص تھا جو آپؐ کے قتل کا تہیّہ کر چکا تھا، اور چکّی کا پاٹ آپؐ پر پھینکنا چاہتا تھا، اسی مقصد کے پیشِ نظر یہ اس گھر میں گیا تھا، جس کی دیوار کے سایے میں آپؐ بیٹھے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے محمد بن مُسلمہ کو اپنے حضور میں طلب کیا، اور ان سے فرمایا :

"یہُودِ بنی نضیر کے پاس جاؤ، اور اُن سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور کہلایا ہے کہ تم ہمارے شہر (حوالیٔ مدینہ) سے خارج ہو جاؤ، تم نے مُجھ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم)

سے غداری کا ارادہ کرکے وہ معاہدہ خود توڑ دیا، جو ہمارے مابین تھا۔ میں تمہیں دس روز کی مُہلت دیتا ہُوں۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد تمہارا جو آدمی یہاں دیکھا جائے گا، اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے کے بعد یہود مدینہ سے نکلنے پر مجبور ہو گئے اب وہ بالکل بے بس تھے، چنانچہ کُوچ کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن منافقینِ مدینہ بالخصوص عبداللہ بن ابی نے انہیں پیغام بھیجا کہ :

"خبردار، جو تم نے جنبش کی۔ اپنی جگہ ڈٹے رہو۔ ہم محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں کے خلاف تمہاری ہر طرح سے مدد کریں گے۔"

اب یہودیوں کی خود اعتمادی واپس آگئی ——— اور وُہ لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔

چنانچہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا :

"ہم تو مدینۂ منورہ کسی قیمت پر چھوڑنے والے نہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو ہو سکے کر لیں۔"

یہ اطلاع بھیج کر یہود، جنگ و دفاع کی تیاریاں کرنے لگے، انہوں نے بازاروں میں بہت سے پتھر جمع کر لیے، اور اپنے قلعوں کے باہر خندقیں کھودنا شروع کر دیں اور مورچے بنانے لگے کہ جنگ اچھی طرح لڑی جا سکے۔ قلعوں میں رسد اتنی اکٹھا کر لی کہ سال بھر تک از قبیل خورد و نوش کسی چیز کی انہیں ضرورت نہیں محسوس ہو سکتی تھی۔ پانی پہلے ہی وافر تھا۔

آخر مسلمان سپاہ نے بنو نضیر کے علاقے کی طرف کُوچ کیا۔ میرِ لشکر خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

آپؐ نے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا، جو بیس روز تک جاری رہا، اس اثناء میں یہود

اپنی جگہ بدلتے رہتے، کبھی یہاں منتقل ہو جاتے کبھی وہاں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ یہودیوں کو اپنے مضبوط و مستحکم قلعوں پر بڑا گھمنڈ ہے، اور وہ جنگ پر تلے ہوئے ہیں تو اپنے صحابۂ کرام کو حکم دیا، کہ یہودیوں کے باغاتِ خرما کاٹ ڈالیں، اور ان میں آگ لگا دیں[۱]، تاکہ یہود مال بچانے کیلئے جنگ برپا کرنے کی جسارت نہ کریں۔

---

۱ : ملاحظہ ہو "آئینِ جنگ اور قانون اولی"

احتلالِ حربی

"جب کوئی لشکر دشمن کی اقلیم میں داخل ہو جائے، تو اسے حق ہے کہ اس جگہ پر قبضہ کرے اور اس نقل و حرکت سے وہ علاقہ دشمن کے لیے میدانِ جنگ قرار پاتا ہے، اور دشمن کو اس احتلال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ یعنی ہر طرح کا حربی نقصان، مادّی نقصان، کھیتوں اور درختوں کی آتش زنی، علاوہ ازیں مالی اور جسمانی نقصان کا جواز بھی ہے، یعنی وہ ہر حیلہ اور تدبیر، جنگ کو کامیابی کے ساتھ اتمام تک پہنچانے میں بروئے کار لا سکتا ہے۔ یہ پورا علاقہ میدانِ جنگ قرار پائے گا۔

دشمن کی کھیتی باڑی معطّل ہو جائے گی، اس کے مکانات تباہ ہوں گے اس کا کاروبار برباد ہو گا۔

داخل ہونے والی یعنی حملہ آور فوج کو حق ہے کہ:

اس اقلیم کے رہنے والوں سے جبری کام لے، اسے یہ حق بھی ہے، کہ ہر اس چیز پر قبضہ و تسلّط کرلے۔ جس کی اسے ضرورت محسوس ہو، لشکر کی حربی ضروریات، اور سپاہیوں کے سامانِ خورد و نوش کے سلسلے میں ہر چیز حملہ آور فوج لے سکتی ہے!"

اس صورتِ احوال نے یہودیوں پر سراسیمگی اور دہشت طاری کردی۔ عبداللہ بن ابی، اور دوسرے منافقین اور دشمنوں نے تعاون اور امداد و اعانت کے جو وعدے کیے تھے، ان پر عمل کرنے کی بھی کسی کو جرأت نہ ہوسکی، وہ پادر ہوا نظر آئے۔ آخر ہر طرح سے تنگ آکر، یہود نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی، ہماری جان، مال اور اولاد کو امان دی جائے تو ہم مدینہ سے نکل جانے پر تیار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصالحت پر آمادہ ہوگئے۔

شرط یہ رکھی کہ :

"تین یہودی ایک بار شتر پر سامان لے جاسکتے ہیں۔ اس ایک بار شتر میں، از قبیل مال و دولت یا خورد و نوش جتنا سامان چاہیں لے سکتے ہیں۔"

آخر بنو نضیر مدینۂ منورہ سے جلاوطن ہوگئے، بعض مضافاتِ شام میں جاکر بس گئے اور بعض خیبر میں جاکر مقیم ہوگئے۔ بہت کچھ اپنے ساتھ لے گئے۔ پھر بھی اپنے پیچھے مسلمانوں کے لیے بے اندازہ مالِ غنیمت چھوڑ گئے۔ علاوہ ازیں بہت سے ہتھیار بھی۔ پچاس زرہیں، تین سو چالیس تلواریں، اور غلّے کا بہت بڑا ذخیرہ، ان سب پر بالا، یہود کی زمینیں بھی مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں۔

۴۔ غزوۂ ذات الرقاع :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مُسلمان :

چار سو سوار اور پیادے، میرِ سپاہ آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

ا : مشرکین :

بنو غطفان کی شاخیں بنو ثعلبہ اور بنو محارب۔

ب : مقصد

بنو ثعلبہ اور بنو محارب سے انتقام لینا تھا، کیوں کہ ان لوگوں نے بئر معونہ لہ میں مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

لہ : واقعۂ بئر معونہ

ماخوذ از سیرۃ ابن ہشام :

"ابو براء عامر بن مالک بن جعفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینۂ منورہ حاضر ہوا۔

آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پر اسلام پیش کیا اور مسلمان ہو جانے کی دعوت دی۔

لیکن نہ اس نے اسلام قبول کیا نہ انکار کیا، بلکہ کہا :

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپؐ اپنے کچھ اصحاب اہلِ نجد کی طرف روانہ فرما دیں، اور وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں، تو مجھے امید ہے یہ دعوت بے اثر نہ رہے گی۔"

جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اُن کے بارے میں مجھے اہلِ نجد سے خطرہ ہے۔"

یہ سن کر ابو براء نے کہا :

"میں انہیں پناہ دُوں گا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے (باقی اگلے صفحہ پر)

ج : احوال اور واقعات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ نجد کے بنو غطفان مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ معلوم کر کے آپؐ چار سو نفوس کے ساتھ نکلے۔ جن میں سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔

بقیہ حاشیہ : صفحہ ۲۴۱

صحابہ کو ضرور وہاں بھیجئے، تاکہ وہ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی طرف سے دعوت دیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن عمرو کے ساتھ اپنے ستر صحابہ روانہ کیے، جن کا شمار خیار مسلمین میں تھا۔ یہ لوگ روانہ ہوئے اور بئر معونہ پر جا کر خیمہ انداز ہوئے۔ بعدازاں انہوں نے عامر بن طفیل کو نامہ رسولؐ بھیجا۔

جب نامہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے اس پر نظر بھی نہ ڈالی، اور جو قاصد نامہ لے کر گیا تھا، اسے قتل کر ڈالا۔ پھر اس نے بنو عامر کی دہائی دی۔ انہوں نے اس کی پکار سننے سے انکار کر دیا۔

پھر اس نے قبائل بنو سلیم کو بلایا۔ انہوں نے اس کی بات سُنی اور مانی، وہ مسلح ہو کر نکلے اور آتے ہی صحابۂ کرام پر حملہ آور ہوئے، اور اُن کا محاصرہ کر لیا صحابہ نے یہ رنگ دیکھا، تو خود بھی تلواریں سونت لیں، اور مصروفِ جنگ ہو گئے۔ یہاں تک کہ سب نے جامِ شہادت نوش کیا۔ بس صرف کعب بن زید بچ گئے۔ اور یہ کعب بن زید بھیؓ اس طرح بچ گئے کہ زخموں سے چُور چُور ہو چکے تھے۔ صرف سانس کی آمد و شد جاری تھی، ورنہ بظاہر موت سے ہمکنار ہو چکے تھے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

ایک مقام نخلہ میں آکر آپؐ نے پڑاؤ کیا۔ جہاں بنو محارب اور بنو ثعلبہ ——(بنو غطفان کی شاخیں) مجتمع ہو رہے تھے۔

اگرچہ تعداد میں اعراب بہت زیادہ تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اچانک حملے نے انہیں پراگندہ کر دیا۔ یہ اتنے حواس باختہ ہو کر بھاگے کہ اپنے پیچھے عورتیں، ساز و سامان اور مویشی بھی چھوڑ گئے۔

مسلمانوں نے غنائم میں سے جتنا کچھ لیا جا سکلے لیا، اور مدینۂ منورہ واپس آ گئے۔ لیکن راستے بھر یہ اندیشہ لگا رہا کہ مشرکین بھی تاک میں ہوں گے، جوابی حملہ نہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ کیفیت یہ تھی کہ باری باری سے رات کو پہرہ دیتے تھے، اور دن کو پھونک پھونک کر قدم بڑھاتے تھے، لیکن مشرکین کی طرف سے کوئی اقدام نہیں ہُوا۔

آخر کار پندرہ روز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام سمیت مدینۂ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

۵- غزوۂ بدر آخرہ :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

بقیہ حاشیہ، صفحہ ۲۴۲ :

اسی لیے یہ حملہ آور انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

(ورنہ اگر یہ جانتے کہ ابھی زندہ ہیں، تو لازمی طور سے ان کا بھی خاتمہ کر جاتے۔ اس لیے کہ انہوں نے فیصلہ ہی یہ کیا تھا کہ مبلّغین اسلام صحابۂ رسولؐ میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے)

:: مُسلمان :

ایک ہزار پیادے اور سوار، میرِ سپاہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

:: قریش :

قریش کی تعداد دو ہزار سے متجاوز، سالارِ فوج ابوسفیان۔

ب : مقصد

قریش کی قوت وطاقت کو توڑنا، اور ان پر غالب آنا، اور اس طرح مشرکین اور یہودیوں پر شوکتِ مُسلمین کی دہاک بٹھانا۔

ج : واقعات واحوال

ایک سال کی مدت گزر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی سپاہ لے کر بدر کے مقام پر پہنچے، تاکہ ابوسفیان کی دعوتِ جنگ منظور کرتے ہوئے آپؐ نے جو وعدہ کیا تھا، اس کا ایفاء کریں۔

اسی موقع پر ابُوسفیان نے کہا تھا :

” آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا، آئندہ سال پھر وہیں ہم جنگ آزما ہوں گے ! “

یہ قحط سالی کا زمانہ تھا، ابوسفیان کی مرضی یہ تھی کہ جنگ کا وعدہ اگلے سال تک کے لیے ملتوی ہو جائے، چنانچہ اس نے ایک پیامبر مدینۂ منورہ بھیجا کہ مسلمانوں سے جا کر کہے :

” قریش نے ایسا لشکرِ جرّار تیار کر لیا ہے جس کا مقابلہ عرب کا کوئی لشکر نہیں کر سکتا،

وہ ایسی قضائے مبرم بن کر آرہے ہیں کہ اُحد کا المیہ اس کے مقابلے میں ہیچ ثابت ہوگا"

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دھمکی کی ذرا پروا نہیں کی، اور باہر نکل کر بدر کے مقام پر جنگ کے فیصلے پر قائم رہے۔

حسبِ قرار داد مسلمان بدر کے مقام پر پہنچ گئے، اور لشکرِ قریش کا انتظار کرنے لگے۔

لیکن مشرکین کا لشکر جسے ابوسفیان اپنی قیادت میں مکہ سے لے کر نکلا تھا، متردّد تھا کہ آیا پیش قدمی کرے یا واپس جائے؟ آخر عافیت واپس جانے ہی میں نظر آئی، اور دو منزل سفر طے کرنے کے بعد یہ لشکر صحیح سلامت مکّہ مکرمہ واپس آگیا۔

مسلمانوں نے بدر کے مقام پر آٹھ روز تک دشمن کا انتظار کیا۔ پھر وہ بھی مدینۂ منورہ واپس آگئے۔

اس غزوۂ بدر آخرہ کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ جنگِ اُحد کے اثراتِ ہزیمت، پورے طور پر محو ہوگئے۔ مدینہ کے اندر بھی اور مدینہ سے باہر بھی۔

۷۔ غزوۂ دومۃ الجندل :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

مُسلمان :

سالارِ سپاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس، تعدادِ سپاہ ایک ہزار، جس میں سوار اور پیادے شامل تھے۔

:: مشرکین :

منطقۂ دومۃ الجندل میں جتنے بدوی قبائل آباد تھے سب کے سب!

ب : مقصد

دومۃ الجندل کے علاقے میں رہنے والے قبائل کی فتنہ سامانیوں کی روک تھام، ان لوگوں کا پیشہ رہزنی، اور قتل وغارت تھا۔ قافلوں پر چھاپے مارتے، اور انہیں لوٹ لیتے۔ اب ان کا حوصلہ اور بڑھ گیا تھا، اور یہ مدینۂ منورہ پر حملے کی تیاریاں بھی کر رہے تھے چنانچہ اصل مقصد یہ تھا کہ ان کا زور توڑ دیا جائے۔

ج : واقعات واحوال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار مسلمانوں کا لشکر لے کر نکلے۔ دن کو پوشیدہ رہتے، اور رات میں سفر کرتے، یہاں تک کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبائل دومۃ الجندل پر دفعتہً نمودار ہوئے۔ یہ بالکل غیر متوقع آمد تھی۔ اس کا انہیں وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ مسلمان اس طرح یکایک نمودار ہوں گے۔

دومۃ الجندل شام اور حجاز کی سرحد پر واقع ہے۔ مسلمانوں نے مدینہ اور دومۃ الجندل کی مسافت کو صرف پندرہ مرحلوں میں طے کر لیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے، تو یہ قبائل ٹک نہ سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ کیوں کہ مسلمانوں سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ اس طرح اہلِ دومۃ الجندل نے بھی فرار پر قرار کیا۔ مسلمانوں کو ان میں سے ایک آدمی بھی نظر نہ آیا۔ چنانچہ انہوں نے گشتی دستے، اور طلایہ گرد دستے روانہ کیے، کہ مسلمان سپاہی ان مشرکین کو تلاش

کریں، اور ان کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کریں ——— تاکہ اُن کا تعاقب کیا جاسکے۔

لیکن گشتی دستوں اور طلایہ گردوں کی یہ کوششیں رائیگاں گئیں، مشرکین کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

دومۃ الجندل میں چند دن ٹھہرنے کے بعد مسلمان صحیح سلامت مدینۂ منورہ واپس آ گئے۔

۷۔ غزوۂ بنی المصطلق :

الف : طرفین کی قوت و طاقت

:. مُسلمان :

تقریباً ایک ہزار سوار اور پیادے، قائدِ فوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

:. مشرکین :

قبیلۂ بنی مصطلق، قائدِ فوج حارث بن ابی ضرار۔

ب : مقصد

قبل اس کے کہ :

یہ لوگ مدینۂ منورہ پر حملہ آور ہوں، ان کی فتنہ سامانیوں اور شر انگیزیوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔

ج : واقعات و احوال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ بنو مصطلق جو بنو خزاعہ کی شاخ تھے۔ مریسیع کے مقام پر لشکر جمع کر رہے ہیں، یہ مقام مکّہ کے قریب تھا۔

بنو مصطلق کا ارادہ یہ تھا کہ مدینۂ منورہ پر حملہ کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک ان پر حملہ کر دیا تاکہ یہ بے خبری میں پکڑے جائیں۔

اس لڑائی میں مہاجرین کے پرچم بردار ابو بکرؓ اور انصار کے علمبردار سعد بن عبادہؓ تھے، مسلمانوں نے بنو مصطلق کے گھاٹ کے پاس جو مریسیع کہلاتا تھا، پڑاؤ کیا۔ بعد ازاں ان کا محاصرہ کر لیا گیا، جو لوگ بنو مصطلق کی امداد و اعانت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر روبہ فرار لائے۔

اس معرکہ میں بنو مصطلق کے دس آدمی قتل ہوئے، اور مسلمانوں میں سے ایک نے جامِ شہادت نوش کیا۔ آخر بنو مصطلق نے ہتھیار ڈال دیئے۔ چنانچہ انہیں جنگی قیدی بنا لیا گیا۔

عمرؓ کے پاس ایک اجیر تھا۔ جو ان کا گھوڑا سنبھالا کرتا تھا۔ جنگِ بنی مصطلق کے بعد بنو خزرج (انصار) کے ایک آدمی سے اس کا کچھ جھگڑا پانی پر ہوگیا۔ چنانچہ دونوں مقاتلہ کرنے لگے۔

اس موقع پر خزرجی نے پکارا :

"اے گروہِ انصار مدد !"

عمرؓ کے اجیر نے آواز دی :

"اے گروہِ مہاجرین الغیاث !"

عبداللہ بن ابی نے یہ آواز سُنی۔ جو منافقین اس جنگ میں شامل تھے، ان میں یہ بھی تھا، اور بظاہر اپنے اسلام پر قائم تھا، اس نے اس موقع کو غنیمت جان کر مہاجرین و انصار کے مابین ایک خطرناک فتنہ برپا کرنے کی کوشش شروع کردی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک جب یہ بات پہنچی، تو آپؐ نے فوراً کوچ کا حکم صادر فرمایا، تاکہ بات زیادہ طُول نہ کھینچے۔ آپؐ نے خلافِ معمول شام تک مسلسل سفر جاری رکھا، پھر ساری رات بھی سفر میں گزار دی، اور دوسرے دن کے پہلے حصّے میں بھی سفر کا سلسلہ منقطع نہیں کیا۔

آخر تمازتِ آفتاب نے جب بہت ستایا، تو آپؐ نے پڑاؤ کا حکم دیا، صحابۂ کرام تھکے ہوئے تو تھے ہی، لیٹتے ہی فوراً سو گئے۔

اس تکان کے باعث عبداللہ بن ابی کی فتنہ طرازی کو مسلمانوں نے فراموش کر دیا اور مدینۂ منورہ صحیح سلامت، مالِ غنیمت اور قیدیوں کو لے کر پہنچ گئے۔

مسلمانوں کو گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کے اس فعل شنیع سے درگزر نہیں فرمائیں گے، ضرور اسے کچھ سزا دیں گے۔

یہ سن گن پا کر، اس کا بیٹا عبداللہ[1] بن عبداللہ بن ابی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے اجازت طلب کی کہ :

" اگر ارشاد ہو تو باپ کی گردن اتار لاؤں ؟ "

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو معاف کر دیا، اور اس کے

---

[1] : کتنی عجیب بات ہے۔ منافقوں کے اس سردار کا یہ بیٹا ایک جلیل القدر صحابی، اور انتہائی مخلص مسلمان تھا۔ جو اسلام کے لیے اپنی ہر چیز، ہمہ وقت قربان کرنے کو تیار رہتا تھا۔

(رئیس احمد جعفری)

مؤمن بیٹے سے فرمایا :

"ہم اسے قتل نہیں کریں گے۔ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہیں گے۔ جب تک بھی وہ ہمارے ساتھ رہے گا۔"

غزواتِ تطہیر

سے جو سبق حاصل ہوئے کیا ہیں ؟

۱۔ رات کا سفر :

غزواتِ تطہیر کے دوران آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر سفر کا سلسلہ رات کو جاری رکھا، تاکہ دشمن آپؐ کے عزائم سے واقف نہ ہو سکے، اور اسلامی لشکر کی سمت کا اندازہ نہ کر سکے، اور مسلمانوں کے اچانک حملے کا اندیشہ اس کے دل میں نہ پیدا ہو۔

جن قبائل سے آپؐ نے جنگیں لڑیں۔ وہ خاصے طاقتور تھے۔ ساتھ ساتھ ان کے حلیف اور انصار بھی اچھی خاصی تعداد میں تھے۔ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزائم سے یہ باخبر ہو جاتے اور اسلامی لشکر کی نقل و حرکت کا انہیں پتہ چل جاتا، تو مقابلے کی تیاری بہ اطمینان کر سکتے تھے، اور اپنے حلیفوں اور مددگاروں سے بھی امداد و اعانت کے طلب گار ہو سکتے تھے، لیکن یہ رات کا سفر ان تمام چیزوں میں حائل تھا، نتیجہ یہ ہُوا کہ بہت تھوڑی سی سپاہ کے ساتھ آپؐ کو، ان طاقت ور قبیلوں پر غالب آجانے کا موقعہ مل گیا۔ کیونکہ انہیں آپؐ کے عزائم کی کچھ خبر ہی نہیں تھی، وُہ تو اپنے عزائم کی تکمیل کا سروسامان بہ اطمینان بہم پہنچا رہے تھے۔ اس سفرِ شب سے ایک مزید فائدہ یہ ہُوا کہ مسلمانوں کی دھاک مفتوح اور غیر مفتوح

قبائل پر نقش ہوگئی۔ جن تک آپؐ کے فتوحاتِ کاملہ کی خبریں پہنچی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قبائل کی کیفیتِ نفسی سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ راتوں رات کوچ کر کے آپؐ نے ان کی قوت پر شدید ضرب لگائی۔ اعراب کی نفسی خصوصیّت کچھ ایسی ہے کہ اگر پہلے معرکے میں ان پر زبردست چوٹ لگائی جائے تو وہ ٹھہر نہیں سکتے۔ راہ فرار اختیار کرتے ہیں، ورنہ ان سے نمٹنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

۲۔ سویرے سویرے حملہ :

سریۂ ابی سلمہ میں بنو اسد پر سویرے سویرے حملہ کیا گیا اور وہ بہت کامیاب اور فیصلہ کن رہا، بنو اسد ٹک نہ سکے، بالآخر بھاگ کھڑے ہوئے۔

صبح کے حملے میں دشمن کے مقابلے کا چنداں خطرہ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ دشمن کے کچھ لوگ سو رہے ہوتے ہیں، یہ کسی کام نہیں آ سکتے۔ جو بیدار ہوتے ہیں۔ وہ حوائج ضروری میں مصروف ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی قتال کے لیے مستعد نہیں ہوتا۔ لیکن صبح کے حملے میں حد درجہ احتیاط اور فراست سے کام لینا پڑتا ہے کہ آدمی اپنے اور بیگانے میں تمیز کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے ہاتھوں، اپنے ہی آدمی قتل ہونا شروع ہو جائیں۔ ایسی صورت میں دشمن کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا۔ جتنا خود اپنے آپ کو پہنچ جاتا ہے۔

چونکہ صبح کا حملہ اعلیٰ درجہ کی قیادت، ڈسپلن، اور طاعتِ احکام کا طالب ہوتا ہے، ایسے حملوں میں مسلمانوں کی کامیابی اس حقیقت پر شاہد ہے کہ وہ ضبط و نظم کے بلند ترین مقام پر آپؐ کی قیادتِ عالیہ میں فائز تھے۔

۳۔ شہروں اور چوراہوں میں جنگ :

بنو نضیر (یہود) نے اپنے راستوں پر پتھر اکٹھا کر لیے تھے، اور دروازوں کے

پیچھے لکڑیوں کا سہارا دے کر انہیں مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا تھا، بزعم خویش انہوں نے دفاع اور جنگ کی پوری تیاری کر لی تھی۔

مُسلمانوں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ شہروں اور گھروں کو ایسے ساز و سامان سے پاک کیا جو خطرناک ہو سکتا تھا، پھر ایک راستے سے دُوسرے راستے کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ اور ایک ایک کر کے دشمن کے مکانوں کا جائزہ لیتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے یہُود کو کچھ اس طرح نرغہ میں لے لیا کہ وہ ہتھیار ڈالنے اور شکست قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

شہروں، چوراہوں اور مکانوں کی جنگ دفاع کرنے والوں کے لیے بہت آسان، اور سہل ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ چوراہوں، دکانوں، بازاروں اور مکانوں میں داخل ہونے کے راستے سے بہت اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ یہ علم دفاع کے سلسلے میں حد درجہ کار آمد ہوتا ہے اور وہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس طرح کی جنگ حملہ آور کے لیے اتنی ہی مشکل اور دشوار ہوتی ہے۔ اسے کامیاب بنانے کے لیے بہترین قیادت، بہترین ڈسپلن اور حد درجہ عزم و ثبات کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایسی جنگ میں مسلمانوں کی نمایاں کامیابی، اور دشمن کی ذلّت بخش شکست اس حقیقت پر شاہد ہے کہ مسلمانوں کی قیادت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ نیز ان کا نظم و ضبط اور عزم و ثبات حد درجہ قابلِ تعریف تھا۔

۴۔ ابداع [1] :

اس جگہ ابداع سے مراد یہ ہے کہ فوری طور پر دل میں کوئی ایسی بات آجائے،

---

[1] : اس حربی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ ایسی تدبیر اختیار کرنا، کہ دشمن اپنے ارادے میں تبدیلی کر دے اور اپنے "دشمن" کی مرضی اور خواہش کے مُطابق عمل پیرا ہونے پر مجبور ہو جائے۔

جو اس درجہ اعتماد بخش ہو کہ سنگین اور نازک ترین گھڑی میں بھی دماغ حاضر رہے اور حواس جواب نہ دینے پائیں اور اس ثابت قدمی کا نتیجہ یہ نکلے کہ حسب دل خواہ مقصد پورا ہو جائے اگرچہ اس کے نتائج کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔

مثلاً : عبداللہ بن انیس کا یہ اقدام بہترین "ابداع" تھا کہ انہوں نے خالد بن سفیان ہذلی کو فوراً قتل کر دیا، جس نے مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے لشکر مجتمع کر لیا تھا، عبداللہ بن انیس کے اس اقدام کا نتیجہ یہ برآمد ہُوا کہ خالد کا قبیلہ منتشر اور پراگندہ ہو گیا، اور اس طرح عبداللہ بن انیس نے تن تنہا وہ کارنامہ انجام دے ڈالا، جس کے لیے ایک لشکرِ کثیر کی ضرورت تھی، کہ بنو لحیان کی سرکوبی بغیر اس کے ممکن نہ تھی، اور اگر لشکرِ کثیر ہوتا تو بھی وقت، مال اور ہمت صرف کرنے کے نتائج معروفہ مجہول ہی رہتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کیا ہوتا، لیکن عبداللہ کی ایک جنبشِ شمشیر نے بساط الٹ دی۔

غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر، جب عبداللہ بن ابی کی شر انگیزی، ایک انتہائی ہولناک فتنے کی موجب بن رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے باز پرس کیے بغیر فوراً لشکر کو حکم دے دیا کہ کوچ کرے مسلسل تیس گھنٹے تک آپؐ نے سفر جاری رکھا، جس سے سارا لشکر تھک کر چور ہو گیا۔ یہ بہترین "ابداع" تھا۔ اگر آپؐ فوری طور پر کوچ کا حکم صادر نہ فرماتے تو مہاجرین اور انصار میں ٹھن جاتی۔ مسلمان آپس میں لڑنے لگتے، اور عبداللہ بن ابی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔

"ابداع" یعنی، ٹھیک وقت پر، کوئی فیصلہ کن تجویز سوچ لینا، ایک سالارِ فوج کا بہترین کمال ہے۔

۵۔ معنویات (عزم و استقلال)

مشرکین اور منافقین جب میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے عہدہ برآ ہونے میں

کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے مسلمان مبلغین کو شہید کر کے، نقصان پہنچائے۔ مسلمانوں کو پریشان اور حواس باختہ کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں۔

مشرکین نے ایڑی چوٹی کا زور اس بات پر لگا دیا کہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ پریشان کیا جائے، تاکہ کبھی بھی یکسوئی اور سکونِ خاطر کے ساتھ وہ تبلیغ کا فریضہ انجام نہ دے سکیں اور مبلغوں کو مدینہ سے باہر بھیجنے کی فرصت نہ پائیں۔ اس طرح اسلام کی دعوت مدینہ ہی کے اندر محصور رہے گی، اور وہاں سے باہر قدم نہیں جما سکے گی۔ وہ ایک محدود دائرے میں منحصر رہے گی۔ اس میں وسعت نہیں پیدا ہو سکے گی، اور مدینہ سے باہر کے قریب اور بعید مقامات پر نہ پہنچ سکے گی، نہ اپنا کوئی اثر دکھا سکے گی۔ ظاہر ہے یہ بات مشرکین کے لیے حد درجہ دل خوش کن تھی، وہ اس پر بہ آسانی قانع ہو سکتے تھے کہ اسلام مدینہ میں تو رہے لیکن وہاں سے باہر نہ نکلے۔

بنو عضل اور قارہ نے بنو ہذیل کی مدد سے غداری کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں کے چھ مبلغوں کو مقامِ رجیع میں شہید کر ڈالا، حالانکہ یہی رجیع اور قارہ کے قبائل تھے جنہوں نے خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التماس کی تھی کہ مبلغ بھیجیں تاکہ وہ ان سے اسلام سیکھ سکیں۔

بنو عامر میں سے عامر بن طفیل نے بعض اعراب کی پشت پناہی اور تعاون سے غداری کی اور ستر مسلمان مبلغوں کو بئر معونہ کے مقام پر نجد کے علاقے میں انتہائی بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیا۔ ان ستر میں سے اتفاقاً صرف ایک آدمی زندہ بچا۔ جس نے مدینہ منورہ میں آکر ساری روداد بیان کی۔

کیا ان خسائر (نقصانات) نے مسلمانوں کے معنویات (عزم و استقلال) میں ذرا بھی تزلزل پیدا کیا؟

مبلغین کی شہادت نے مسلمانوں کے ثباتِ قدم پر ذرا بھی اثر نہیں کیا۔ اس لیے کہ ان حادثات کے بعد بھی وہ اپنے مبلغ باہر بھیجتے رہے، البتہ ان شہید مبلغین کا انتقام

لینے میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کی، اور ایسا زبردست انتقام لیا کہ پھر اس طرح کی غداری کی جرأت مشرکین کو نہیں ہُوئی۔

منافقین نے ایک دُوسرے انداز و اسلوب سے مُسلمانوں کے معنویات (عزم واستقلال) کو متاثر اور کمزور کرنے کی کوشش کی، یعنی جھُوٹا پروپگنڈا۔

چنانچہ غزوۂ بنی مصطلق کے بعد انھوں نے حضرت عائشہ صدّیقہؓ پر تہمت لگائی، لیکن اس طرح بھی مسلمانوں کی سرگرمیوں میں کسی طرح کی کمی نہیں آئی، نہ تعطّل پیدا ہُوا، نہ وُہ گھبرائے اپنی یہ ناکامی دیکھ کر اب ان کے لیے کوئی اور چارۂ کار نہ رہ گیا۔ اپنی پُوری طاقت مجتمع کر کے مَیدان میں اُتر آئیں، تاکہ مُسلمان مادّی اور معنوی اعتبار سے مکمّل طور پر تباہ، اور برباد ہو جائیں ــــــــــــــــ

غزوۂ خندق میں ہم یہی چیز دیکھیں گے!

نقشہ غزوات تطہیر

نمبر شمار	مسلمانوں کی طاقت	سپہ سالار اسلام	کفار کی طاقت	کفار کا سپہ سالار	مقامِ جنگ	نام غزوہ	تاریخ	مختصر نتیجۂ جنگ
۱	۱۵۰، آدمی سوار اور پیدل	ابُوسلمہ بن عبدالاسد	بنو اسد	طلیحہ وسلمہ خویلد کے بیٹے	بنُو اسد کا علاقہ	سریّہ ابوسلمہ	ذی الحج ۳ھ	بنو اسد بھاگ گئے۔
۲	ایک ہی آدمی جو طلایہ گردی کر رہا تھا،	عبدُاللہ بن انیس	بنُولحیان ہذیل کی شاخ	خالد بن سُفیان ہذلی	نخلہ	سریّہ عبدُاللہ بن انیس	—	خالد بن سُفیان ہذلی قتل ہو گیا، تو بنُولحیان مُنتشر ہو گئے۔

نمبر شمار	مسلمانوں کی طاقت	سپہ سالار اسلام	کفار کی طاقت	کفار کا سپہ سالار	مقام جنگ	نام غزوہ	تاریخ	مختصر نتیجۂ جنگ
۳	مدینہ کے تمام مسلمان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	یہود بنی نضیر	–	مدینہ کے قریب	غزوہ بنی نضیر	ربیع الاوّل سنہ ۴ھ ہجری	بنو نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا گیا۔
۴	مدینہ کے تمام مسلمان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	بنو محارب بنو ثعلبہ غطفانی	–	ذات الرقاع (نجد کا علاقہ)	غزوۂ ذات الرقاع	جمادی الثانی سنہ ۴ھ ہجری	بنو محارب اور بنو ثعلبہ بھاگ گئے۔
۵	ایک ہزار کے قریب سوار اور پیدل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰۰۰ ہزار قریشی	ابوسفیان	بدر	غزوۂ بدر آخری	شعبان سنہ ۴ھ ہجری	مسلمانوں کے خوف سے قریش راستہ ہی سے واپس آگئے۔

نمبر شمار	مسلمانوں کی طاقت	سپہ سالار اسلام	کفار کی طاقت	کفار کا سپہ سالار	مقام جنگ	نام غزوہ	تاریخ	مختصر نتیجۂ جنگ
۶	ایک ہزار سوار اور پیدل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	قبائل دومۃ الجندل	-	دومۃ الجندل	غزوۂ دومۃ الجندل	ربیع الاوّل ۵ھ ہجری	مشرکین بھاگ گئے۔
۷	ایک ہزار سوار اور پیدل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	بنو مصطلق	-	مریسیع	غزوۂ بنی مصطلق	شعبان ۵ھ ہجری	مشرکین بھاگ گئے۔

۱۲

ھازم الاحزاب

◎

اذجاؤکم من فوقکم ومن اسفل
منکم واذ زاغت الابصار وبلغت
القلوب الحناجر وتظنون باللہ
الظنونا ھنالک ابتلی المؤمنون و
زلزلوا زلزالاً شدیدا ۔

القرآن الکریم

”جب وہ تمہارے اوپر سے بھی آگئے، اور
نیچے سے بھی، جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل
ہنسلی تک پہنچ گئے، اور تم اللہ کے بارے میں
طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس موقع پر
ایمان والوں کی اچھی آزمائش ہوئی، اور انہیں
شدید جھٹکے لگے!“

◎

غزوۂ خندق

مؤقفِ عام

۱۔ مسلمان :

غزوۂ احد کے بعد مسلمانوں نے از سرِ نو اپنے آپ کو فوجی اعتبار سے منظم اور منضبط کر لیا تھا۔ بنو نضیر کے یہودیوں اور ان کی دراندازیوں اور شرارتوں سے بھی نجات مل چکی تھی۔ یوں مدینۂ منورہ کے اندر مسلمانوں کی مرکزی قوت و شوکت حد درجہ محکم ہو گئی تھی۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے، قریش نے سر دھڑ کی بازی مسلمانوں کے استیصال میں لگا دی، اور ناکام رہے، اور ان کا عزم و استقلال تزلزل پذیر ہو گیا۔

نیز وہ قبائل بھی مفتوح و مغلوب ہو گئے، جنہوں نے زور شور سے مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔

اس درمیانی وقفہ میں مسلمانوں کی ساکھ بہت اچھی طرح قائم ہو چکی تھی اور ان کی ہیبت و سطوت مدینۂ منورہ میں اور مدینہ سے باہر ایک مؤثر کردار ادا کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

۲۔ مشرکین اور یہود :

بدر صغریٰ میں مشرکین قریش میں یہ دم نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔ اب انھوں نے بہت اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا کہ :

مسلمانوں کی قوت و طاقت اس سے کہیں ماوراء ہے کہ قریش یکہ و تنہا ان کا مقابلہ کر سکیں اور ان سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

اسی طرح دوسرے قبائل بھی اپنے حوصلے اور امنگ میں ناکام رہے تھے۔ یعنی مدینۂ منورہ پر حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے یکہ و تنہا ان پر حملہ کیا، اور ان کی قوت و طاقت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور انہیں پورے طور پر مغلوب و مفتوح کر لیا۔

ان قبائل کے مقابلے میں یہودی کمزور تھے، لہٰذا یہ بات ان کے وہم و تصور سے خارج تھی کہ وہ تنہا مسلمانوں سے مقابلہ کر سکیں گے۔

لیکن، ایسا بھی نہیں تھا کہ غافل ہوں، برابر تاک میں لگے ہوئے تھے کہ کب موقع ملے، اور کب مسلمانوں کو تہس نہس کر دیں۔

ان حالات میں یہ امر ناگزیر ہو گیا تھا، کہ قریش، دوسرے قبائل، اور یہود متحدہ اور متفقہ طور پر میدان میں اتریں اور مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں، بغیر اس اشتراک اور اتحاد کے مسلمانوں کے استیصال کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔

بنو نضیر کے یہودی پہلے ہی سے اپنی جلا وطنی کے باعث خار کھائے بیٹھے تھے۔ اس موقع سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور مدینۂ منورہ کے آس پاس رہنے والے یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف خوب اکسایا اور بھڑکایا۔ آخر وہ مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑی قوت مجتمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تاکہ اس دینِ جدید کا خاتمہ کر دیا جائے، جو ان کی تمام تکالیف کا موجب تھا۔

طرفین کی قوت و طاقت

۱۔ مسلمان :

تعداد تین ہزار ، قائدِ عسکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ مشرکین :

یہودی قبیلۂ بنو قریظہ ، اور اس کے علاوہ دس ہزار ۔ اس دس ہزار میں چار ہزار قریش تھے۔ چھ ہزار بنو سلیم ، اسد ، فزارہ ، اشجع ، اور غطفان قبائل کے جنگ آزما۔

قریش کے چار ہزار نفوس کی قیادت اور سالاری ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔


غطفانیوں کے سالارِ لشکر ، عُیینہ بن حصن اور حارث بن عوف تھے۔

بنو اشجع کا سردارِ لشکر مِسعر بن رخیلہ تھا۔

طرفین کے مقاصد

۱۔ مسلمان :

صِرف دفاعِ اسلام ،



ایک عقدہ دس میل کے برابر

۲- مشرکین اور یہود

مسلمانوں کا مکمّل استیصال، اور ان کے مال و دولت اور خواتین پر قبضہ۔

توقیت (وقت اور تاریخ)

غزوۂ خندق شوال ۵ھ ہجری میں شروع ہُوا، اور شہر کے گرد پورے ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔

قبل از جنگ

۱- مُسلمان :

الف : مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مدینۂ منورہ رہ کر لڑائی جاری رکھی جائے انہوں نے مدینۂ منورہ کے شمال میں ایک لمبی اور گہری خندق کھودی، جو حرۃ المدینہ اور جبلِ سلع کے مابین واقع تھی۔ اس لیے کہ یہی وہ واحد منطقہ تھا جہاں سے مدینۂ منورہ پر حملہ کیا جا سکتا تھا، کیوں کہ باقی تمام اطراف گھنے باغوں اور دوسرے طبعی موانع سے گھرے ہُوئے تھے۔ نیز شمالی جانب کے علاوہ دوسرے اطراف میں کوئی بڑا لشکر بھی کام میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔ بس یہی ایک کھُلی ہُوئی جگہ تھی۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا جو حملے کے لیے موزوں ترین ہو سکتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ :

سلمان فارسیؓ نے یہاں خندق کھودنے کا مشورہ دیا، ورنہ دفاعی مقاصد کے ماتحت اس سے قبل عربوں میں خندق کھود کر لڑنے کا رواج نہیں تھا۔

کھدائی کے منطقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مابین تقسیم کر دیئے۔ ہر دس آدمیوں کو چالیس ذراع خندق کھودنی تھی۔ دن بھر کھدائی کا کام جاری رہتا۔ رات کو مسلمان اپنے گھروں میں جا کر بستر پر دراز ہو جاتے۔

خندق کی کھدائی میں خود آپؐ بھی بہ نفسِ نفیس شریک تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے دوسرے مسلمان، بلکہ صورتِ حال یہ تھی کہ کھدائی کرتے ہوئے اگر کسی کٹھنائی سے مسلمان دو چار ہوتے تو آپؐ اُن کی مدد فرماتے۔ مثلاً کوئی سخت چٹان آ گئی اور توڑے نہیں ٹوٹتی، آپؐ اس موقع پر فوراً مدد کے لیے پہنچ جاتے اور اس کے توڑنے میں مدد دیتے۔

اس کام کی نگرانی براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمّے لے رکھی تھی۔ کوئی فرد بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیے بغیر اپنا کوئی خاص کام سرانجام دینے کے لیے اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

ب : آپؐ نے خواتین و اطفال کو مدینۂ منورہ کے اندر مضبوط و مستحکم عمارتوں میں منتقل کر دیا، اور کمزور مکانات کو ترک کر دیا، تاکہ خواتین و اطفال کی اچھی طرح حفاظت ہو سکے۔

ج : خندق کھود چکنے کے بعد ——— مسلمانوں نے خندق کے پیچھے مورچے سنبھال لیے، اور جبل سلع کی قدرتی رکاوٹ سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس طرح مسلمانوں کا بایاں بازو بالکل محفوظ ہو گیا، کیونکہ اس طرف سے کفار قریش کو واپس جانے کا کوئی راستہ نہیں مل سکتا تھا۔

۲۔ مشرکین اور یہود :

الف : یہودیوں کا ایک گروہ مکہ گیا۔ جس میں سلام ابن ابی حقیق اور حیی بن اخطب بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے قریش کو اکسایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جلد از جلد

جنگ کا آغاز کر دیں اور وعدہ کیا کہ دورانِ جنگ میں وہ ہر طرح سے تعاون کریں گے، اور مدد دیں گے۔

قریش نے جب یہودیوں کی بات تسلیم کر لی، تو یہ لوگ بنو غطفان اور دُوسرے قبائل کے پاس گئے، ان کو بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حرب و پیکار پر آمادہ کیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ قریش کو پہلے ہی ہموار کر کے اپنی رائے سے متفق کر چکے ہیں، چنانچہ غطفان اور دوسرے قبائل بھی قریش کی طرح اُن کے ہم نوا ہو گئے، اور لڑائی پر آمادگی کا اظہار کیا۔

ب : قریش، بنو غطفان اور دوسرے قبائل جب صنواحی (مضافات) مدینہ کے قریب پہنچے تو حیی بن اخطب نے کہ ایک با اثر و رسُوخ یہُودی تھا۔ بنو قریظہ کو سکھا پڑھا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا جو معاہدہ ہو چکا ہے، اسے چاک کر دیں، اور حملہ آور لشکر کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

ج : مواضع جنگ مدینۂ منورہ کے قرب و جوار میں تھے ——— تفصیل گزشتہ صفحے کے نقشۂ جنگ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

بہر حال ان کی تفصیل یہ ہے :-

۱ : قریش ——— مجمع الاسیال کے مقام پر مجتمع تھے۔

۲ : غطفان، اور قبائل نجد ——— "ذنب نقمی"، پر ڈیرا ڈالے ہوُئے تھے۔

۳ : بنو قریظہ ——— یہ مدینۂ منورہ کے قریب اپنے قلعوں میں متمکّن تھے۔

⁂ ⁂ ⁂

سیر نظارۂ قتال

۱ : مسلمانوں کے لیے یہ بڑی کٹھن گھڑی تھی۔ خصوصاً بنو قریظہ نے معاہدہ صلح و امن توڑ کر اور دشمن کی رفاقت اختیار کرکے مسلمانوں کے لیے حد درجہ پریشانی کا سامان پیدا کر دیا تھا۔ بات یہ تھی کہ بنو قریظہ کے یہودی ایسے مقام پر تھے کہ جب چاہتے بڑی آسانی سے بغیر کسی دشواری کے مدینہ میں داخل ہو سکتے تھے۔ یہ مسلمان خواتین و اطفال کے سر پر لٹکتی ہوئی تلوار بن گئے تھے۔ یہ لوگ مدینہ کے راستوں، گلیوں اور چوراہوں سے بخوبی واقف تھے۔ کیونکہ رہنے والے ہی مدینہ کے تھے۔ یہ تمام چیزیں مسلمانوں کے عزم و استقلال پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ کیوں کہ خود تو جنگ کے میدان میں تھے۔ لیکن آل اولاد، سامان اور مویشیوں کی فکر نے ذہنی طور پر انہیں بالکل غیر مطمئن کر رکھا تھا۔

یہودیوں سے یہ بات بھی بعید نہ تھی کہ کسی موقع پر حملہ آور ہو کر ایک جرأت مندانہ اقدام کر گزریں، اور وہ راستہ قطع کر دیں۔ جس پر سے گزر کر مسلمان مدینہ میں واپس آ سکتے تھے۔ اور اس طرح لڑائی کے میدان کو وسیع تر کر دیں اور دشمن کو موقعہ مل جائے کہ کسی شدید مزاحمت سے دوچار ہوئے بغیر خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

بنو قریظہ کے شکستِ عہد سے مسلمان جو ملول و دل گرفتہ نظر آ رہے تھے، اس کا اصل سبب یہی تھا۔

یہودیوں نے ایک آدمی مدینہ کے اندر داخل کر دیا، یہ اُن مکانات تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ جن میں خواتین و اطفال کو بغرضِ حفاظت منتقل کیا گیا تھا۔ لیکن اس یہودی کو یہ موقع نہ مل سکا کہ واپس جا کر اپنے لوگوں کو یہاں کے حالات سے باخبر کر سکتا، نہ اسے یہ موقع ملا کہ عورتوں، بچوں اور ان کے سامانِ دفاع سے اپنے آدمیوں کو خبردار کر سکتا۔

بات یہ ہوئی کہ ایک غیوّر اور باحوصلہ مسلّح خاتون نے اسے سراغ رسانی کرتے دیکھ لیا۔ اس نے ایک ڈنڈا ایسا مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا پھر جُنبش تک نہ کر سکا۔

یہ یہُودی سراغ رسانی کے لیے آیا تھا کہ ضروری معلومات حاصل کر کے تمام اہم باتوں سے اپنے آدمیوں کو مطلع کر دے اور وُہ ان معلومات سے فائدہ اٹھا کر حملہ کریں، اور اپنا مقصد حاصل کر لیں۔ کیونکہ مسلمان خواتین و اطفال کو اگرچہ نسبتاً محفوظ مکانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا، لیکن یہاں بھی ان کی حفاظت اور دفاع کا خاطر خواہ انتظام نہیں تھا۔

یہودی یہ چاہتے تھے کہ اگر وہ خواتین و اطفال پر حملہ کر کے اپنا مقصد نہ حاصل کر سکیں تو بھی اس سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ تو حاصل ہی ہو جائے گا مُسلمان جنگ کے میدان سے پیٹھ پھیر کر انھیں بچانے کے لیے مورچے خالی کر دیں گے، اور مدینۂ منورہ واپس آ جائیں گے۔

اس یہُودی کے بروقت قتل نے مُسلمانوں کو ایک نہایت زبردست خطرے سے بچا لیا، کیوں کہ اپنے آدمی کے قتل کے بعد، ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ مُسلمانوں کے دفاعی اور حفاظتی دستے مدینہ کے اندر بھی موجود ہیں (یہ بات تو اُن کے لیے بعید از قیاس تھی کہ یہ کارنامہ ایک مُسلمان خاتون کا ہو سکتا ہے) چنانچہ ان حالات میں مدینۂ منورہ کے اندر داخل ہونا ایک انجانے خطرے کا مول لینا ہے، چنانچہ اس کے بعد یہُودی برابر قلعہ بند رہے اور ان میں یہ حوصلہ پیدا نہ ہو سکا کہ باہر نکلنے کی جرأت کا مظاہرہ کریں۔

۲ : قریش کے سُورماؤں کی ایک جماعت صف سے آگے بڑھ کر سامنے آئی۔ اس میں عمرو بن عبدود بھی تھا، اور عکرمہ بن ابی جہل بھی، یہ لوگ بنی کنانہ کے پاس سے گزرے اور انھیں قتال کے لیے للکارا، جب یہ گروہ خندق کے قریب آیا، تو اس کے ایک تنگ مقام کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گیا، گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور خندق کو پار کر لیا۔ علیؓ بن ابی طالب چند مسلمانوں کے ساتھ مقابلے کے لیے سامنے آئے، سب سے پہلے مسلمانوں نے خندق کے

اس مقام کو اپنے گھیرے میں لے لیا جہاں سے مشرکین خندق کو عبور کرکے اندر آئے تھے۔ تاکہ ان مشرکین کی واپسی کا راستہ بند ہو جائے، دوسرا مقصد اس سے یہ بھی تھا کہ اپنے ان سُورماؤں کو مشرکین کسی طرح کی کمک نہ پہنچا سکیں، ان اُمور سے فراغت کے بعد، علیؓ بن ابی طالب عمرو بن عبدود کے مقابلے میں آئے، اور اسے ——— جو بہادری، اور قوت میں یکتا اور یگانہ مانا جاتا تھا ——— بہ آسانی قتل کر دیا، دوسرے ساتھیوں نے دو اور مشرکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، قریش کے باقی ماندہ سُورما یہ رنگ دیکھ کر بگٹٹ اپنے لشکر کی طرف بھاگے۔

۳ : مشرکین کا ایک گروہ حملہ کناں آگے بڑھتا ہُوا، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا، مسلمان سارا دن جنگ میں مشغول رہے، یہاں تک کہ سُورج ڈوب گیا، اور رات کی تاریکی چھا گئی، یہ ایسی نازک گھڑی اور ایسا سخت وقت تھا کہ عصر کا وقت آیا اور گزر گیا، اور مُسلمان نماز نہ پڑھ سکے۔ مشرکین کی یہ جماعت بڑھتے بڑھتے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے بالکل متصل پہنچ چکی تھی۔ مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ مسلمانوں نے جس بے جگری سے لڑائی جاری رکھی، اس کے بعد جماعتِ مشرکین کا قدم جمائے رہنا مشکل ہو گیا اور وہ ناکام و نامراد اُلٹے پاؤں واپس چلی گئی۔

۴ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تیار ہو گئے کہ اثمارِ مدینہ کی پیداوار کے تیسرے حصے پر مشرکین کی اس متفقہ اور متحدہ فوج کے بعض لشکروں سے صلح کر لی جائے، قریب تھا کہ بنو غطفان سے بات پکّی ہو جائے، لیکن اوس اور خزرج (انصار) کے سرداروں نے اس تجویز کی مخالفت کی، اور کہا ہم اپنے پھلوں کی پیداوار میں سے مشرکین کو کچھ بھی دینے پر آمادہ نہیں ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی بات مان لی، اور تہائی پیداوار دینے کی شرط پر صلح نہیں کی۔

۵ : اتنے طویل عرصے تک محاصرہ جاری رکھنے سے اعراب کے عزم و استقلال میں

کمزوری پیدا ہو گئی، موسم بھی جاڑے کا تھا۔ اس موسم میں زیادہ طویل محاصرہ جاری رکھنے کی ان میں سکت نہیں تھی، نہ اتنی طویل مدت تک برابر جنگ جاری رکھ سکتے تھے، لہٰذا وہ اُکتا گئے اور واپس چلے جانے کی سرگوشیاں کرنے لگے۔

۶ : نعیم بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض گزار ہوا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، ابھی تک میرے ہم قوموں کو میرے قبول اسلام کی بھنک نہیں پڑی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا :

"تم ایک شخص واحد ہو، اپنے مقدور بھر ہماری مدد کرو کہ یہ جنگ ختم ہو، کیونکہ جنگ میں دھوکا جائز ہے۔" [۱]

نعیم نے یہ بات سُنی اور سیدھے بنو قریظہ کے پاس آئے، جاہلیت کے زمانے میں، یعنی قبل از قبولِ اسلام اس شخص کے تعلقات بنو قریظہ سے اچھے خاصے تھے۔ نعیم بن مسعود نے اُن سے کہا :

"دوستو، کان لگا کر میری بات سُنو، تم سے محمدؐ کے خلاف قریش اور غطفان کی مدد کر کے بہت بڑی چوک ہوئی ہے، تم میں اور اُن میں فرق ہے۔ وہ باہر کے باشندے

---

[۱] : جنگ اور دھوکا،

ملاحظہ ہو : "آئینِ جنگ اور قانونِ اولی" :-

"لڑنے والی حکومت کو حق ہے کہ اپنے بچاؤ کے لیے ایسے حیلے سوچے، جن سے اس کا تحفظ ہو سکے، البتہ ان حیلوں کو غدّاری اور خیانت پر مبنی نہیں ہونا چاہیئے۔ جنگی دھوکے کی مثالیں یہ ہیں :

۱ : غلط اور حوصلہ شکن پروپگنڈا۔

۲ : دشمن کو کسی ترکیب سے کمین گاہ تک لے جانا۔

ہیں، تم یہیں کے رہنے والے ہو، تمہارا مال و دولت اور فرزند و زن سب کچھ یہیں ہے، انہیں لے کر تم کسی اور جگہ جا کر آباد نہیں ہو سکتے، قریش اور غطفان کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اگر انہوں نے کھیل بنتے دیکھا تو لڑیں گے، اور جنگ جاری رکھیں گے، اگر بازی ہرتی دیکھی تو بوریہ بستر اٹھائیں گے اور جہاں سے آئے ہیں صحیح سلامت وہاں پہنچ جائیں گے، پھر تم ہو، اور محمدؐ ——— اور ظاہر ہے تم میں اتنی تاب و تواں نہیں کہ مسلمانوں سے مقابلہ کر سکو، لہٰذا میری بات مانو تو یہ کرو کہ جنگ میں اس وقت تک حصّہ نہ لو، جب تک اشرافِ قریش میں سے چند آدمی اپنے پاس یرغمال کے طور پر نہ رکھ لو، یہاں تک کہ محمدؐ کے ساتھ معاملات بہ حسن و خوبی طے ہو جائیں۔"

نعیم کی یہ باتیں سُن کر بنو قریظہ نے کہا :

"یہ بات تو تمہاری بالکل ٹھیک ہے، ہمیں تمہاری خیر خواہی پہ بھروسہ ہے، ذرا بھی شک نہیں!"

اب نعیم بن مسعود بنو قریظہ کے پاس سے اٹھ کر قریش کے پاس آئے، اور اُن سے گویا ہوئے :

بقیۂ حاشیہ، صفحہ ۲۷۰ :

۳ . دشمن کو ٹھیک راستے سے بھٹکا دینا۔

۴ : دشمن کو مرعوب اور متاثر کرنے کے لیے اپنی قوت اور طاقت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔

۵ : دشمن کے اندر بے حوصلگی پیدا کر کے اس کے اندر اختلاف و افتراق پیدا کرنے کی سعی و کوشش کرنا۔

۶ : دشمن کے عزم و استقلال کو کمزور کرنے اور شکست دینے کے لیے اخبار کاذبہ کی نشر و اشاعت!

"مجھے خبر ملی ہے کہ بنو قریظہ محمدؐ سے معاہدہ توڑ کر پشیمان اور نادم ہو رہے ہیں۔ انہوں نے محمدؐ کو پیغام بھیجا ہے کہ "اگر ہم قریش اور غطفان کے اشراف میں سے کچھ لوگ حاصل کر کے آپؐ کے حوالے کر دیں اور آپؐ ازراہِ انتقام انہیں قتل کر ڈالیں، تو کیا ہماری خطا معاف ہو جائے گی؟ اور آپؐ ہم سے دوبارہ خوشنود ہو جائیں گے؟ اسکے بعد ہم ہمیشہ آپؐ کے ساتھ رہیں گے، اور معاہدہ کی تجدید ہو جائے گی" —— اس کا جواب محمدؐ نے اثبات میں دیا ہے، اب اگر بنو قریظہ یرغمال کے طور پر آپ لوگوں سے کچھ آدمی طلب کریں تو ہرگز ہرگز ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کیجئے گا۔"

یہاں سے فارغ ہو کر نعیم بن مسعودؓ بنو غطفان کے پاس آئے، اور اُن سے کہنے لگے :

"تم میرا خاندان اور قبیلہ ہو!"

بعدازاں ان سے بھی وہ تمام باتیں دُہرائیں جو ابھی ابھی قریش سے کی تھیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ ہراساں کرنے کی کوشش کی۔

ابوسفیان اور سادات بنو غطفان نے عکرمہ بن ابی جہل کو پیامی بنا کر ایک گروہِ قریش کے ساتھ شنبہ کی رات کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا، اور مطالبہ کیا :

"سنیچر کے دن حملہ کرنا ہے، تیار رہو!"

بنو قریظہ نے معذرت کر دی :

"بھلا سنیچر کے دن —— اپنے مذہبی احکام کے خلاف —— ہم کس طرح جنگ کر سکتے ہیں؟"

یہ کہہ کر بنو قریظہ نے قریش اور بنو غطفان سے چند آدمی یرغمال کے طور پر طلب کیے۔

بنو قریظہ کی یہ بات سن کر قریش اور بنو غطفان کے کان کھڑے ہوئے، انہوں

نے آپس میں کہا :

"نعیم نے بالکل سچ ہی کہا تھا ۔"

جب قریش اور بنو غطفان نے بنو قریظہ کا مطالبہ ماننے اور اپنے اشراف میں سے چند آدمی یرغمال کے طور پر انہیں دینے سے انکار کر دیا،

تو وہ بھی کہنے لگے :

"نعیم سچ ہی تو کہتا تھا !"

اس بات چیت کا نتیجہ یہ نکلا ، کہ باہمی اتحاد ختم ہو گیا ، اور جنگ آزماؤں کے دل ٹوٹ گئے ۔

۷ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت زبیرؓ بن عوام کو اس کام پر مامور کیا کہ جائیں ، اور مخالف لشکروں کے احوال و کوائف سے متعلق معلومات مہیّا کر کے واپس آئیں ۔

انہوں نے باہر نکل کر دیکھا کہ قریش اپنی سواریوں پر کجاوے باندھ رہے تھے ۔ اور مکہ واپس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے ۔

جب غطفانیوں کو پتہ چلا کہ قریش نے ان سے مشورہ بھی نہیں کیا ، اور رختِ سفر باندھ لیا ، تو دوسرے قبائل کو لے کر وہ بھی اپنے اپنے مقامات پر واپس چلے گئے ۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بصیرتِ ناقدہ سے محسوس فرمایا کہ مشرکین نے واپس جا کر ایک نہایت نادر اور قیمتی موقعہ کھو دیا ہے ، اور اب ایسا موقع انہیں کبھی میسّر نہیں آئے گا ۔ جب مشرکین متفقہ اور متحدہ لشکر جرّار فراہم کر لینے کے بعد بھی مسلمانوں کا خاتمہ نہیں کر سکے تو اب کہ دل پھٹ چکے ہیں ، اور بے اعتمادی پیدا ہو چکی ہے ، یہ مقصد کس طرح حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے ۔

خسائر (نقصانات) طرفین

۱- مُسلمان :

کل چھ نفر شہید ہوئے۔

۲- مُشرکین :

تین آدمی قتل ہوئے۔

متحدہ لشکر کے اسباب ناکامی

۱- منقسم قیادت :

مشرکین اپنے ساتھ جو متعدد لشکر لائے تھے، ان کی سالاری کسی ایسے ایک آدمی کے ہاتھ میں نہیں تھی جو تمام فوجوں پر اپنا تسلّط قائم رکھ سکتا، اور اپنے احکام کا پابند بنا سکتا۔ سخت اور شدید مواقع پر ان کی بروقت رہنمائی کر سکتا۔

ہر قبیلے کا جُدا جُدا سالار تھا، اس طرح سپہ سالاروں کی ایک جماعت بن گئی تھی۔ یہ متعدد سپہ سالار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اور ان کا استیصال کرنے کے لیے کسی ایک پروگرام پر متفق نہیں ہو سکے۔ ان کے لیے یہ ممکن بھی نہ تھا کہ کسی ایک آدمی کو اپنا سپریم کمانڈر بنا لیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ خصوصی امتیاز حاصل کر لیتا، اور دوسروں کے لیے یہ برداشت کرنا

ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ کسی ایک آدمی کو اپنا سپہ سالارِ اعظم بنا کر، اسے خصوصی امتیازی حیثیت دے دیں۔

ان لوگوں کے سامنے تو بس جاہلیت کے زمانے کا طرز تھا، کوئی خاص اور متفقہ مقصد نہیں تھا، جس کے لیے یہ قیادت برسرِ کار رہ سکتی، اور ایسی نکمی قیادت کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ کسی معرکے میں، کسی بھی موقع پر کامیاب ہو سکے۔ اگرچہ حالات کتنے ہی سازگار کیوں نہ ہوں، جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے کہ جنگِ خندق میں مشرکوں اور یہودیوں کے لیے حالات حد درجہ موافق تھے۔

۲- غیر متوقع خندق :

خندق کی کھدائی تمام غیر مسلم عساکر کے لیے، ایک بالکل نئی اور سراسر غیر متوقع چیز تھی۔ عرب اس اسلوبِ جنگ سے بالکل ناواقف تھے۔

وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ :

ایسے مواقع پر جنگ جیتنے کے لیے کون سے گُر استعمال کیے جاتے ہیں، یہی باعث تھا کہ اتنے طویل محاصرے کے باوجود کھُل کر جنگ نہیں ہو سکی، بجز ان چند حملوں کے ——— جو مشرکین نے خندق عبور کرنے کے لیے کیے ——— لیکن یہ سب کے سب ناکام ہوئے۔

۳- دشواری و پریشانی :

قتال کا زمانہ جاڑوں کا تھا۔ اعراب کھُلے میدان میں نہ کہ اپنے آرام دہ مکانوں میں رہنے پر مجبور تھے۔ یہاں نہ کوئی سہولت تھی، نہ سردی سے بچاؤ کا کوئی سامان، عجب بے سروسامانی کے عالم میں مبتلا ہو گئے تھے۔ کھانے، پینے ——— رہنے سہنے ہر

چیز کی تکلیف۔

یہی سبب تھا، کہ مدینۂ منورہ کا طویل محاصرہ ان کے لیے اکتاہٹ اور گھبراہٹ کا سامان بن گیا۔

۴۔ فقدانِ اعتمادِ باہمی :

ان احزاب ——— مختلف قبائل ——— کے مابین اعتمادِ باہمی کی نوعیت اپنوں کے ساتھ کچھ اور تھی، اور یہودیوں کے ساتھ دوسری، لیکن جو کچھ اور جتنا کچھ بھی تھا، وہ حد درجہ کمزور ——— بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تھا ہی نہیں، تو یہ بھی غلط نہ ہوگا۔

قریش اس بات کے آرزومند تھے کہ یہود اور اتحادی قبائل کے تعاون اور امداد سے مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔

اتحادی قبائل صرف مالِ غنیمت کے بھوکے تھے۔ یہ چیز، جتنی اور جس طرح بھی حاصل ہو سکے قابلِ قبول اور حسبِ دل خواہ تھی۔ اس معاملے میں تو یہ اتنے بے قابو تھے کہ اگر بنو غطفان ——— یعنی اپنے حلیفوں ——— کا مال مل جاتا تو اسے بھی نہ چھوڑتے۔

رہے یہود، سو ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ اپنے سوا کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے البتہ دوسروں کے تعاون اور امداد سے کام نکالنا چاہتے تھے۔

اور وہ یہ تھا کہ :

قریش اور دوسرے قبائل اپنا خون بہائیں، جان دیں، مصائب برداشت کریں اور اس کا پھل ——— یعنی مسلمانوں کا استیصال ——— انہیں مل جائے۔

۵- قوتِ برداشت :

محاصرہ کر لینا تو آسان ہے، لیکن ثابت قدمی کے ساتھ اس پر جمے رہنا اور اس کی سختیاں برداشت کر لینا دشوار کام ہے۔ یہ کام وہ جماعت کر سکتی ہے جو حد درجہ منظم اور مستقل مزاج ہو۔ اپنے سامنے کوئی خاص مقصد رکھتی ہو، اور دبنگ قیادت سے بہرہ ور ہو۔ اور ان قبائل کا جو محاصرہ کیے پڑے تھے، حال یہ تھا کہ صبر و برداشت کا جھیل لے جانا۔ ان کے بس سے باہر تھا۔

اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ تھا، کہ اپنی عادت اور طور طریق سے مجبور تھے، ان کی دیرینہ عادت یہ تھی کہ خانہ بدوش تھے۔ کبھی یہاں، کبھی وہاں۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ :

اعراب زیادہ عرصے تک گھر سے باہر رہنے اور اپنے اہل و عیال سے جدا رہنے کے خوگر نہیں تھے۔

چنانچہ جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو :

محصورین سے زیادہ یہ پریشان ہو گئے، اور اسے اٹھا لینے کی تاکید کرنے لگے۔

اور اصرار کرنے لگے کہ :

اس کی مدت مختصر کر دی جائے۔

آخر جب معاملہ حدِ برداشت سے باہر ہو گیا، تو بوریہ بستر اٹھایا، اور واپس چل پڑے۔

❁ ❁ ❁

غزوۂ خندق

سے جو سبق حاصل ہوتے ہیں، کیا ہیں؟

۱- قیادت :

ہم نے یہود اور دوسرے قبائل کے لشکروں کی قیادت کا امعان نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ بالکل نکمّی تھی، جس کے باعث جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

مشرکین کے عساکر کی قیادت جس درجہ کمزور اور نکمّی تھی، مسلمان لشکر کی قیادت اس کے مقابلے میں کہیں برتر اور افضل تھی۔

اس سلسلے میں غور طلب پہلو یہ ہیں :

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ منورہ کے اندر رہ کر جنگ لڑنے کا فیصلہ فرمایا۔
- خندق کھودنے کا حکم دیا۔
- خندق کھودنے کے لیے ایسا مقام تجویز فرمایا، جو مدینۂ منورہ کے شمال میں تھا اور جس کی زمین نسبتاً نرم تھی۔
- خندق کی کھدائی کا کام صحابۂ کرام میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا۔
- اس پورے کام کی نگرانی اور ذمہ داری آپؐ نے اپنے اوپر عائد فرمائی۔
- ضبط و نظم کا یہ عالم تھا کہ انتہائی شدید ضرورت کے باعث بھی کوئی شخص اپنی جگہ چھوڑ کر بلا اجازت لیے نہیں جا سکتا تھا، چنانچہ مشرکین کی آمد سے پہلے پہلے آپؐ نے خندق پورے طور پر تیار کر لی۔

یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ دوسرے صحابۂ کرام کی طرح آپؐ خود بھی خندق کھودنے کے کام میں برابر کے شریک رہے، بلکہ شریکِ غالب رہے۔ اپنے لیے کھدائی کا آپؐ نے وہ مقام پسند فرمایا، جس کی زمین دوسروں کے مقابلے میں زیادہ سخت تھی، اِتنی سخت کہ دوسرے صحابہ کے لیے اس کا کھودنا ایک امرِ دشوار تھا، سخت اور مضبوط پتھروں کو توڑنا بھی آپؐ نے اپنے ذمّے لے رکھا تھا۔

اسی طرح خندق کی حفاظت اور نگرانی کا کام بھی آپؐ نے صحابۂ کرام میں تقسیم کر دیا تھا۔ صورتِ احوال یہ تھی کہ خندق کی ایک بالشت زمین بھی ایسی نہیں تھی جس پر کوئی پہرے دار نہ ہو، دن کی روشنی ہو یا رات کی تاریکی، مجال نہ تھی کہ اس فریضے سے کوئی غفلت برت سکے۔ حالانکہ یہ لوگ (صحابہ) بھی گھر سے باہر تھے، سردی کی شدّت بھی محسوس کرتے تھے، خود آپؐ کا یہ عالم تھا کہ اپنا مورچہ چھوڑ کر ادھر ادھر نہیں ہوتے تھے، بجز اس صُورت کے، کہ پہرے داروں کی کارگزاری کا جائزہ لینا، یا انہیں شجاعت اور تہوّر کی تلقین کرنا، یا ان کی کسی تکلیف کا ازالہ کرنا مقصود ہو۔

سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے ساتھیوں پر، اس وقت بھی پُورے طور پر آپؐ کی گرفت قائم رہی، جب کٹھن گھڑی سر پر تھی۔ یعنی دشمن کے عساکر ضواحی (مضافات) مدینہ میں پہنچ چکے تھے، اور ان کی قوت و طاقت بھی مسلمانوں سے حد درجہ زیادہ تھی، اور بنو قریظہ (یہود) نے معاہدہ توڑ کر صورتِ حال کو حد درجہ سنگین اور نازک بنا دیا تھا، اور اندرون و بیرون مدینہ سے خطرات کی تہدید و تخویف بہت زیادہ بڑھ چکی تھی۔

۲۔ اسلوُبِ جنگ میں جدّت :

مسلمانوں نے خندق کھود کر مدینۂ منورہ کے دفاع کا فائدہ حاصل کیا اور بلا شبہ اسالیبِ جدال و قتال میں یہ ایک بالکل نیا اسلوب تھا، جو تاریخ میں پہلی مرتبہ عربوں کے

اسالیبِ حربیہ میں نمودار ہوا۔

قائدِ عبقری وہی ہوتا ہے جو جنگ کے میدان میں کوئی نیا اسلوب اختیار کرے، یا نیا ہتھیار استعمال میں لائے، اور خندق کی کھدائی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نئے اسالیب جنگ میں دوسرا نیا اسلوب تھا۔ جس سے آپؐ نے لڑائی میں حسبِ مرضی کام لیا۔ اس سے پہلے آپؐ نے جنگِ بدر میں افواج کی صف بندی کرکے ایک نیا اسلوب اختراع کیا تھا۔

خندق کھودنے کا کام آپؐ نے سلمانؓ فارسی کے مشورے سے شروع کیا تھا، اور یہ مشورہ آپؐ کو اس درجہ بھایا تھا، کہ آپؐ نے سلمانؓ فارسی کے لیے، ایک ناقابلِ فراموش بات ارشاد فرمائی :

"سلمانؓ کا شمار ہمارے اہلِ بیت میں سے ہے!"

اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ تفکیرِ جدید کی حوصلہ افزائی ہو، عصبیّت کا خاتمہ ہو، اور فلاحِ عام سے متعلق کام کرنے والوں کی ہمّت بڑھے۔

۳۔ الحربُ خُدعة :

گزشتہ صفحات میں نعیم بن مسعود کی اس افواہ سازی کا ذکر کیا جا چکا ہے، جس نے احزاب (عساکرِ متحدہ) میں افتراق پیدا کر دیا۔

کوئی اور کسی کا لشکر بھی ہو، اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ پورے طور پر متحد، منظم اور متفق نہ ہو۔ اگر افکار مختلف ہو جائیں اور افتراق کی کیفیت پیدا ہو جائے تو شکست لازمی ہے۔

عہدِ جدید میں حرب و پیکار کا انحصار اور دار و مدار تمام تر پروپیگنڈا اور نشر و اشاعت کے اسالیب پر رہ گیا ہے۔ یہی چیز ہے جو دشمن کی صفوں میں اختلال اور اس کے خیالات و عزائم میں انتشار پیدا کر دیتی ہے۔ اس پروپیگنڈے اور نشر و اشاعت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ

تشکیلاتِ جیوش سے متعلق طرح طرح کی باتیں اور افواہیں اڑائی جائیں۔

اس سلسلے میں ایک مزید قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ افواہ سازی سے دشمن بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے، لیکن جب دشمن یہ حربہ استعمال کرتا تھا تو مسلمان اس سے کوئی اثر قبول نہیں کرتے تھے۔ ان میں ذرا بھی بددلی اور ہراس کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تھی۔

منافقین نے مسلمانوں کے عزم و استقلال میں تزلزل پیدا کرنے کے لیے، زیادہ سے زیادہ زہریلی اور خوفناک باتیں مشہور کیں کہ مسلمان بددل ہو جائیں۔

لیکن نتیجہ کیا نکلا؟

ان کی ہر تدبیر قطعاً ناکام رہی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے مؤقف سے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے آدمی بھیجا تو انہوں نے واپس آکر اس خبر کی تصدیق کی ——— ہاں واقعی انہوں نے معاہدہ توڑ دیا ہے ——— لیکن یہ خبر ایسے انداز اور الفاظ میں آپؐ کے سمعِ مبارک تک پہنچائی کہ آپؐ تو بات کی تہ تک پہنچ جائیں، لیکن دوسرے سننے والے حقیقتِ احوال سے واقف نہ ہو سکیں، تاکہ اس خبرِ بد سے مسلمانوں میں ہراس اور بددلی نہ پیدا ہو جائے۔

ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ۱۴سو برس پیشتر یہ بات معلوم کر لی تھی۔ کہ پروپیگنڈے، افواہ اور نشر و اشاعت کے وسائل بروئے کار لانے سے معنویات (عزم و استقلال یعنی مورال) کس درجہ متاثر ہوتے ہیں۔

۴۔ مبادات[1] :

غزوۂ خندق، بدر کبریٰ کے بعد دوسری تباہ کن اور نتائج کے اعتبار سے دُور رس

---

[1] : یہ بھی ایک فوجی اصطلاح ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

جنگ تھی۔ اگر یہود اور مشرکین کی متحدہ فوج اس جنگ میں کامیاب ہو جاتی تو آج تاریخِ اسلام کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

یہ بات تو یہود کے بس میں تھی کہ مدینہ کے گرد عساکر قاہرہ اپنی دراندازی اور شرانگیزی کے باعث جمع کرا دیں، مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے اور ان کے مکمل استیصال کے لیے بنو قریظہ کے یہود نے بھی ان کی امداد و اعانت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، یہاں تک کہ معاہدۂ امن و صلح بھی چاک کر کے پھینک دیا۔ اتنے بڑے لشکر کا ایک چھوٹی سی قوم کو مٹانے کے لیے مجتمع ہو جانا، بہت بڑی بات تھی، یہ اتنا نادر اور گراں بہا موقعہ تھا جو پھر کبھی حاصل نہیں ہو سکتا تھا، لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ یہ سارا لشکر دل گرفتگی اور پریشانی کے عالم میں واپس چلا جانے پر مجبور ہو گیا۔

متحدہ عساکر کی دل شکستگی کا مطلب یہ تھا کہ بار بار اتنا بڑا لشکر فراہم نہیں کیا جا سکتا، اب یہ مایوس اور دل شکستہ ہو کر چلا گیا، تو اب دوبارہ یہ کبھی اس طرف کا رُخ نہیں کر سکتا، اور جب یہ سب مجتمع ہو کر بھی مسلمانوں کا خاتمہ اور استیصال نہ کر سکے تو انفرادی طور پر مسلمانوں سے ٹکر لے کر یہ کیا کر سکتے تھے؟

یہ بات اب خارج از وہم و قیاس ہو گئی تھی۔

اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ :

اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت پر بہت اچھا اثر پڑا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۰ :

اس سے مراد یہ ہے کہ :

فوج کی جانب سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے، جس کے باعث دشمن اپنے ارادے کو توڑنے یا بدلنے پر مجبور ہو جائے۔

اور یوں :

دشمن کی کارروائیوں سے اپنی فوج محفوظ ہو جائے۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ مسلمان دفاع [1] کے دور سے نکل کر ہجوم [2] کے دور میں داخل ہو چکے تھے، یعنی جس روز غزوہ خندق ختم ہوا، اسی دن سے تاریخ اسلام کا ایک نیا باب شروع ہو گیا، یہی سبب تھا کہ ان عساکر کے چلے جانے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"اب ہم ان سے جنگ کریں گے، بجائے اس کے کہ یہ ہم سے جنگ کرنے کا خیال اپنے دل میں لائیں۔"

اس جنگ کے بعد "مبادات" مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی اور یہ برابر ان کے ہاتھ میں رہی۔ یہاں تک کہ پورے جزیرۂ عرب پر اسلام چھا گیا، اور اسلام کا پرچم مشرق ہو کہ مغرب ہر جگہ، دوسرے تمام پرچموں سے بلند و بالا نظر آنے لگا۔

---

[1] : جنگی اصطلاح میں "دفاع" سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسی تدبیر عمل میں لائی جائے کہ دشمن کی پیش قدمی رک جائے۔ مختصر یا طویل مدت تک کے لیے رک جائے، خواہ وہ کسی مقام پر ہو۔

[2] : جنگی اصطلاح میں "ہجوم" سے مراد حملہ ہے، یعنی اپنی فوج مسلسل، یا وقفوں کے ساتھ حملے کا سلسلہ جاری رکھے۔

۱۳

قصاصِ عادل

◎

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل
ماعوقبتم به ولئن صبرتم فهو
خیر للصابرین ،

القرآن الکریم

◎

”اگر تم بدلہ لو تو بس اتنا جتنی تمہیں تکلیف
پہنچائی گئی ہے، اور اگر تم صبر سے کام لو،
تو صبر کرنے والوں کے لیے یہ (طرزِ عمل)
بہت عمدہ ہے!“

◎

غدّاروں سے محاسبہ

مؤقفِ عام

۱۔ مُسلمان :

حد درجہ نامساعد اور خطرناک حالات میں، عرب قبائل کی یورش، اور یہودیوں کی دراندازیوں، اور سازش کے باوجود اور دشمن کی بے اندازہ طاقت اور ہمہ جہتی فوجی برتری کے باوجود، صحیح سلامت بچ رہے تھے۔ انھوں نے حد درجہ پامردی اور عزم و استقامت کے ساتھ ان تمام خطرات کا بے جگری سے مقابلہ کیا، جو اندرونِ مدینہ، اور بیرونِ مدینہ ان کے لیے دعوتِ ہلاکت و بربادی بنے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کی اس کامیابی اور پامردی نے معنوی اعتبار سے انہیں حد درجہ ممتاز کر دیا تھا، انھوں نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا، جس کی مثال تلاش کرنا از قبیل ناممکنات ہے۔

قبائل کی متحدہ یورش اور یلغار سے مسلمانوں نے نجات حاصل کر لی، لیکن ابھی ان کے سامنے ایک اور بہت بڑا خطرہ موجود تھا۔

یہ بنو قریظہ تھے!

یہود بنو قریظہ مدینہ ہی میں بود و باش رکھتے تھے۔ یہ اقدارِ انسانی سے اس درجہ بے بہرہ تھے کہ انھوں نے حقِ ہمسائگی کی ذرا بھی رعایت کبھی بھی ملحوظِ خاطر نہیں رکھی تھی، نہ اُن

معاہدات کی پروا کی تھی، جنہیں بہ ثباتِ ہوش و حواس انہوں نے رضاء و رغبت کے ساتھ تسلیم کیا تھا، بغیر کسی وجہ کے محض خباثتِ نفس کے باعث عہد شکنی کرکے اور غداری کا ارتکاب کرکے انہوں نے خود ہی گویا یہ چاہا تھا کہ ان سے حساب چکا لیا جائے۔

۲۔ مُشرکین :

متحدہ لشکرِ قبائل، اور قریش اپنے دیار میں واپس جا چکے تھے، اور اپنے عقب میں ناکامی و نامرادی کا داغ بھی چھوڑ گئے تھے قریش مسلمانوں کا استیصال کرنے میں ذرا بھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ دوسرے قبائل بھی مُسلمانوں کو لُوٹنے اور ان کا مال و دولت چھیننے کا مقصد نہیں حاصل کر سکے تھے۔ وہ ایسی کوئی چیز بھی حاصل نہیں کر سکے، جس سے کسی حد تک بھی سرُخ رو ہو سکتے۔ وہ اپنے اس نقصانِ عظیم کی تلافی نہیں کر سکے جو انہیں برداشت کرنا پڑا، انہیں سفر کی صعُوبتیں برداشت کرنا پڑیں، موسمِ سرما میں طویل مدت تک محاصرہ جاری رکھ کر تکلیف و اذیت سہنی پڑی۔ متحدہ عرب قبائل کو مدینۂ منورہ پر یورش کے لیے لا کر انہوں نے جو دولت خرچ کی تھی۔ اس کے رائیگاں جانے کا غم اور صدمہ جھیلنا پڑا تھا۔ جنگ سے پہلے، جنگ کے دوران میں، اور جنگ کے بعد انہیں خوراک اور غذا کے سلسلے میں جو مالی بوجھ اٹھانا پڑا تھا، آخر ان سب چیزوں کا حاصل کیا نکلا ؟

——— ناکامی !

ان حالات نے مشرکین کے معنویات ——— عزم و استقلال، اور مورال ——— پر بہت بُرا اثر ڈالا تھا،

اور اب وہ :

مسلمانوں سے خائف اور ترساں رہنے لگے تھے۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت پُورے طور پر چھا چکی تھی۔

غدّاروں سے محاسبہ

مؤقفِ عام

۱۔ مسلمان :

حد درجہ نامساعد اور خطرناک حالات میں، عرب قبائل کی یورش، اور یہودیوں کی دراندازیوں، اور سازش کے باوجود اور دشمن کی بے اندازہ طاقت اور ہمہ جہتی فوجی برتری کے باوجود، صحیح سلامت بچ رہے تھے۔ انہوں نے حد درجہ پامردی اور عزم و استقامت کے ساتھ ان تمام خطرات کا بے جگری سے مقابلہ کیا، جو اندرونِ مدینہ، اور بیرونِ مدینہ ان کے لیے دعوتِ ہلاکت و بربادی بنے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کی اس کامیابی اور پامردی نے معنوی اعتبار سے انہیں حد درجہ ممتاز کر دیا تھا، انہوں نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا، جس کی مثال تلاش کرنا از قبیل ناممکنات ہے۔

قبائل کی متحدہ یورش اور یلغار سے مسلمانوں نے نجات حاصل کر لی، لیکن ابھی ان کے سامنے ایک اور بہت بڑا خطرہ موجود تھا۔

یہ بنو قریظہ تھے !

یہود بنو قریظہ مدینہ ہی میں بود و باش رکھتے تھے۔ یہ اقدارِ انسانی سے اس درجہ بے بہرہ تھے کہ انہوں نے حقِ ہمسائگی کی ذرا بھی رعایت کبھی بھی ملحوظِ خاطر نہیں رکھی تھی، نہ اُن

معاہدات کی پروا کی تھی، جنہیں بہ ثباتِ ہوش و حواس انہوں نے رضا و رغبت کے ساتھ تسلیم کیا تھا، بغیر کسی وجہ کے محض خباثتِ نفس کے باعث عہد شکنی کر کے اور غداری کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود ہی گویا یہ چاہا تھا کہ ان سے حساب چکا لیا جائے۔

۲۔ مُشرکین :

متحدہ لشکرِ قبائل، اور قریش اپنے دیار میں واپس جا چکے تھے، اور اپنے عقب میں ناکامی و نامرادی کا داغ بھی چھوڑ گئے تھے قریش مسلمانوں کا استیصال کرنے میں ذرا بھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ دوسرے قبائل بھی مُسلمانوں کو لُوٹنے اور ان کا مال و دولت چھیننے کا مقصد نہیں حاصل کر سکے تھے۔ وہ ایسی کوئی چیز بھی حاصل نہیں کر سکے، جس سے کسی حد تک بھی سُرخ رو ہو سکتے۔ وہ اپنے اس نقصانِ عظیم کی تلافی نہیں کر سکے جو انہیں برداشت کرنا پڑا، انہیں سفر کی صعُوبتیں برداشت کرنا پڑیں، موسمِ سرما میں طویل مدت تک محاصرہ جاری رکھ کر تکلیف و اذیّت سہنی پڑی۔ متحدہ عرب قبائل کو مدینۂ منورہ پر یورش کے لیے لاکر انہوں نے جو دولت خرچ کی تھی۔ اس کے رائیگاں جانے کا غم اور صدمہ جھیلنا پڑا تھا۔ جنگ سے پہلے، جنگ کے دوران میں، اور جنگ کے بعد انہیں خوراک اور غذا کے سلسلے میں جو مالی بوجھ اٹھانا پڑا تھا، آخر ان سب چیزوں کا حاصل کیا نکلا ؟

——— ناکامی !

ان حالات نے مشرکین کے معنویات ——— عزم و استقلال، اور مورال ——— پر بہت بُرا اثر ڈالا تھا،

اور اب وہ :

مسلمانوں سے خائف اور ترساں رہنے لگے تھے۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت پُورے طور پر چھا چکی تھی۔

۳- یہود :

متحدہ عرب قبائل کی واپسی کے بعد، بنو قریظہ اب بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ اب ان کے پاس جو چیز باقی رہ گئی تھی۔ وہ ان کی حد درجہ شنیع اور بدترین قسم کی غداری تھی، جس کا ارتکاب انہوں نے کیا تھا، اور جس نے انہیں رُسوا کر دیا تھا۔ اب ان کی حیثیت ایک ایسے مجرم کی سی ہو گئی تھی جس کا جرم ثابت ہو چکا تھا، اور جو تعزیر و عقوبت کا خوف و ہراس کے ساتھ انتظار کر رہا تھا۔

یہود کا مورال بالکل جواب دے چکا تھا۔ وہ حد درجہ پریشان اور مضطرب، نظر آ رہے تھے۔

وہ ہر آن اور ہر لمحہ مسلمانوں کے حملے کے متوقع تھے، اور اس متوقع حملے کا جو نتیجہ ظاہر ہونے والا تھا، وہ ان کے سامنے تھا۔

اصل مقصد :

اب مسلمانوں کے سامنے جو چیز تھی، وہ یہ تھی کہ :

غدار اور عہد شکن یہُود کا محاسبہ کیا جائے کہ انہوں نے حد درجہ خطرناک اور نازک موقعہ پر غداری اور عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا۔

اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ :

ان قبائل کا محاسبہ کیا جائے، جنہوں نے مسلمان مبلغوں اور داعیوں کے ساتھ دھوکے اور خیانت کا ارتکاب کیا تھا۔

⁂ ⁂ ⁂

غزوۂ بنی قریظہ

۱- اسبابِ جنگ :

جب متحدہ عرب قبائل نے مدینۂ منورہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے اور مسلمانوں کا بالکلیہ خاتمہ کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت یہود بنی قریظہ نے مسلمانوں سے اپنے کیے ہوئے عہد اور معاہدۂ صلح کو توڑ ڈالا تھا۔

۲- طرفین کی قوت و طاقت :

الف : مسلمان

مسلمان جنگ آزماؤں کی تعداد تین ہزار تھی۔ جن میں صرف ۳۶ سوار تھے۔ اسلامی لشکر کی قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔

ب : بنو قریظہ

تعداد تقریباً سات سو تھی، ان کی قیادت کعب بن اسد کر رہا تھا۔ اس کا معاون خاص حیی بن اخطب تھا۔

یہ اُن یہودیوں میں پیش پیش تھا، جنہوں نے متحدہ عرب قبائل کو مدینۂ منورہ پر چڑھائی اور حملہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

۳- مقصد :

بنو قریظہ کا استیصال

اس لیے کہ انہوں نے معاہدے شکست کر دیئے اور عہد نامۂ صلح یک طرفہ طور پر توڑ دیا تھا، اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کی دھمکی تھی۔

۴- واقعات و حوادث :

جس رات قبائل عرب کا متحدہ لشکر اپنے اپنے دیار میں واپس ہوا، اس کی صبح کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اسی دن ظہر کے وقت آپؐ نے صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم مرحمت فرمایا۔

اور ارشاد فرمایا :

" جلد از جلد یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا جائے، اور نماز عصر وہیں پڑھی جائے۔"

اس کے باوجود کہ ایک طویل محاصرے نے مسلمانوں پر تکان اور تھکن طاری کر دی تھی، اور اس کے باوجود کہ سردی خاصی شدید تھی اور اس سے بچاؤ کا کوئی سامان نہیں تھا۔ مسلمانوں نے فوری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کی اور رات کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے یہود بنی قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا، اور انہیں گھیرے میں لے لیا۔

محاصرہ پچیس روز تک جاری رہا۔ اس مدت میں سوا چند معمولی جھڑپوں کے کوئی اور حادثہ شدید اور سخت جنگ کی صورت میں رونما نہیں ہوا۔ یہود کی طرف سے کبھی کوئی تیر سنسناتا ہوا آتا، اور نکل جاتا، یا کوئی پتھر لڑھکا دیتے۔

ایک یہودی عورت نے چکی کا پاٹ اپنے مکان کی چھت سے گرا دیا، جس سے ایک مسلمان

شہید ہُوا، یہ پہلا حادثہ تھا، جو اس محاصرے میں واقع ہُوا۔

محاصرے کی پوری مدّت میں ایک مرتبہ بھی قلعوں سے باہر نکلنے کی بنو قریظہ کو جرأت نہیں ہوئی، وہ حد درجہ متردّد، اور پریشان تھے۔ شدّتِ خوف کا یہ عالم تھا کہ کسی ایک رائے پر ان کا اتفاق نہیں ہوتا تھا۔

آخر ان کے سردار نے کہا :

"بہتر یہی ہے کہ اسلام قبول کر لو !"

مگر اس رائے کو کسی نے نہیں مانا، اس انکار کے بعد، سردارِ یہود نے دوسری رائے پیش کی :

" اچھا اگر مسلمان نہیں ہوتے، تو ہمّت سے کام لو، اور باہر نکل کر مسلمانوں سے بھڑ جاؤ !"

یہ رائے بھی ان کے لیے قابلِ قبول نہ تھی۔ وہ اپنے قلعوں سے باہر نکلنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے،

آخر کار یہود بنی قریظہ نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا ایلچی بھیجا اور استدعا کی کہ :

" ہمیں اذرعات کی طرف نکل جانے کی اجازت دے دی جائے، ہم اپنی تمام جائیداد اور سارا مال و املاک ساتھ نہیں لے جاتے یہیں چھوڑے جاتے ہیں !"

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استدعا قبول نہیں فرمائی۔

ان کا مطالبہ تھا :

" بدون کسی قید اور شرط کے ہتھیار ڈال دو، اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو !"

اس مطالبے کے جواب میں یہود نے کہلا بھیجا :

"ہم اپنے آپ کو اس شرط پر حوالے کرتے ہیں کہ ہمارے معاملے کا فیصلہ سعدؓ بن معاذ سے کرایا جائے!"

یہود نے سعدؓ بن معاذ کو اس کام کے لیے یوں منتخب کیا تھا کہ وہ قبیلۂ اوس کے سردار تھے، اور جاہلیت کے زمانے میں، یعنی قبولِ اسلام سے پہلے دونوں آپس میں حلیف تھے انہیں آس یہ تھی کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوس کے حلیفوں سے بھی وہی چیز قبول کر لیں، جو یہود بنی قینقاع سے جو قبیلۂ خزرج کے حلیف تھے قبول فرمالی تھی،

——— یعنی جلا وطنی ———

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مان لی کہ سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کر دیں گے، اسے قبول فرمالیں گے۔

سعدؓ بن معاذ نے یہ بات پہلے سے طے کر لی اور یہ شرط منظور کرالی کہ وہ جو فیصلہ بھی کریں گے، طرفین اسے بے چوں وچرا تسلیم کر لیں گے۔

جب طرفین نے سعدؓ بن معاذ کی بات مان لی۔ اور اس بات پر انہوں نے مسلمانوں، اور یہودیوں سے مواثیق لے لیے، تب یہود سے کہا:

"قلعوں سے باہر نکل آؤ، اور ہتھیار ڈال دو۔"

یہود نے اس بات کی تعمیل کی۔

اس کے بعد، سعدؓ بن معاذ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا،

جو یہ تھا:

"یہود کے قابلِ جنگ نوجوانوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ان کا مال و زر تقسیم کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا جائے۔"

اس فیصلے میں جو راز پنہاں تھا، یہ تھا کہ اگر عرب قبائل کا متحدہ لشکر، جو انہی بنو قریظہ کا لایا ہوا تھا۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا، تو مسلمانوں کا حشر بھی اس کے سوا کچھ نہ ہوتا،

اس طرح انہوں نے وہ فیصلہ صادر کیا، جو خود انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں سوچ رکھا تھا۔

بنو قریظہ کی جنگ، میدان میں نہیں لڑی گئی، یہ تو اعصابی جنگ تھی۔

یہودیوں میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں کے حصار کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے حالاں کہ ان کے پاس سامان خوراک بہ افراط تھا، پانی وافر تھا، قلعے حد درجہ مضبوط و مستحکم تھے۔ انہیں سر کر لینا، اور ان میں داخل ہونا بہت مشکل کام تھا۔

ان تمام سہولتوں اور آسانیوں کے باوجود، وہ محاصرے کی تکلیف نہ برداشت کر سکے، کیوں کہ ان کی ہمت جواب دے چکی تھی، انہوں نے یہ منظور کر لیا، کہ اپنے آپ کو حوالے کر دیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ:

مؤقفِ عسکری انہی کی جانب تھا، حالات بالکل ان کے موافق تھے، مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر بھی، اور اس لیے بھی کہ مسلمان ایک عرصے کے تھکے ہوئے تھے، پھر جاڑے کی اذیت اور تکلیف مستزاد، لیکن یہود کے عزم و استقلال میں تزلزل پیدا ہو چکا تھا، اور ان کا مورال گر چکا تھا، وہ زیادہ مدت تک بالکل خلافِ توقع محاصرہ برداشت کرنے کی تاب و تواں، اور ہمت و حوصلہ سے محروم ہو چکے تھے۔

سریہ عبداللہ بن عتیک

۱۔ مقصد:

ابو رافع بن ابی الحقیق کا قتل!

یہی وہ شخص تھا جس نے حیّی بن اخطب کے ساتھ مل کر قبائل عرب کے متحدہ لشکر کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی، اور پھر اپنے اس کارِ بد کے انجام سے بچنے کے لیے خیبر میں جاکر پناہ گزین ہو گیا تھا۔

۲۔ واقعات و حوادث :

بنو قریظہ کا فیصلہ ہو چکنے کے بعد، خزرج میں سے پانچ آدمی، خیبر کی طرف اس غرض سے گئے کہ ابو رافع بن ابی الحقیق کا کام تمام کر دیں۔ اس کے علاوہ ایک مقصد اور بھی تھا۔ وہ یہ کہ خیبر کے یہودیوں پر بھی دہشت طاری ہو جائے اور مسلمانوں کی قوت و طاقت سے مرعوب ہو جائیں اور مستقبل میں ایسے افعالِ شنیعہ، اور غدر و جنایت کا ارتکاب نہ کریں۔ جن کا ارتکاب یہودی عام طور سے بے دھڑک کر گزرا کرتے تھے۔

یہ پانچ آدمیوں کی جو جماعت خیبر کی طرف گئی تھی، اس کی سربراہی کا فریضہ، عبد اللہ بن عتیک کو سونپا گیا تھا۔

مسلمان رات کے وقت خیبر آئے، عبد اللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا، کہ تم قلعہ کے قریب ٹھہرو، میں جاکر ابن ابی الحقیق کا پتہ نشان معلوم کرتا ہوں۔ عبد اللہ جب قلعہ کے قریب آئے تو اتفاقاً انہیں قلعہ میں داخل ہونے کا موقعہ مل گیا، چنانچہ یہ حیوانات کے اصطبل میں جاکر چھُپ رہے۔

جب ابو رافع بن ابی الحقیق اپنے کاموں سے فارغ ہو کر بستر پر سونے کے لیے لیٹا اور باتیں کرنے والے خوابِ نوشیں کا مزہ لُوٹنے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں جاکر بستر پر دراز ہو گئے، اور پُورے قلعہ پر سنّاٹا چھا گیا تو عبد اللہ بن عتیک اصطبل سے باہر نکلے۔ قلعہ کی چابیاں اس دیوار سے اتاریں جہاں وہ لٹکائی جاتی تھیں۔ پھر قلعہ کا دروازہ کھولا، اور ابن ابی الحقیق کے بالاخانے کی طرف گئے، انہوں نے اسے پکارا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس وقت وُہ

کہاں ہے ؟ کیوں کہ بالاخانہ اندھیرے سے تاریک ہو رہا تھا، اس کے کمرے میں داخل ہو کر تلوار سے اس پر حملہ کیا، اور وہ اسی وقت مر گیا، پھر عبد اللہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گئے سیڑھیاں اترتے وقت گر پڑے جس سے ٹانگ ٹوٹ گئی۔

مسلمان مدینہ منورہ واپس آ گئے، انہوں نے دعوت و تبلیغ کے راستے کا ایک بہت بڑا پتھر ہٹا دیا تھا، سب نے ایسے آدمی کا انجام سن لیا، جس کی زندگی کا مقصدِ وحید یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام کے خلاف اکسائے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکائے۔ اس واقعہ سے مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور نفوس پر ان کی ہیبت قائم ہو گئی۔ اب مدینۂ منورہ پر ان کا غلبہ، تسلّط اور اقتدار ہر جہت سے مکمل ہو گیا، اور مدینۂ منورہ میں یہودیوں یا منافقین کے لیے تابِ تکلّم باقی نہ رہ گئی۔

غزوۂ بنی لحیان

۱۔ مقصد :

الف : بنو لحیان کی سرکوبی

ان لوگوں نے مسلمان داعیانِ اسلام کو دھوکا دے کر رجیع کے مقام پر شہید کر دیا تھا۔
اس حادثے کو دو سال کی مدّت گزر چکی تھی۔
واقعہ یہ ہُوا تھا کہ :
کبارِ صحابہ میں سے چھ آدمی ان کے پاس دعوت و تبلیغ کا مقصد لے کر گئے تھے، ان میں چار کو انہوں نے ازراہِ غدر و فریب قتل کر دیا، اور باقی دو کو لے جا کر قریش کے

ہاتھ فروخت کر دیا، ان میں سے ایک کو تو قریش نے قتل کر دیا، اور دوسرے کو پھانسی دے دی۔

ب : ایک دوسرا مقصد اس غزوے سے یہ بھی تھا کہ قریش اور دُوسرے ملحقہ قبائل کے معنویات ——— مورال ——— پر مسلمانوں کی طرف سے کاری وار کیا جائے۔

۲۔ واقعات و حوادث :

قریش کی اور ان کے حلفاء کی حیلہ بازیوں اور دسیسہ کاریوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرما لیا تھا کہ یہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے پر تول رہے ہیں، اور موقع کے منتظر ہیں، چنانچہ آپؐ نے فوجی نقل و حرکت ضروری خیال فرمائی، تاکہ قریش اور دوسرے قبائل کے معنویات (مورال) کو کمزور کر دیا جائے اور بنو لحیان کی سرکوبی کی جائے۔ جنہوں نے مسلمان داعیوں اور مبلغوں کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر ایسا کیا کہ گویا آپؐ شام پر حملے کا قصد رکھتے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ بنو لحیان آپؐ کے عزائم اور ارادوں سے واقف نہ ہو سکیں اور اُن پر اچانک حملہ کر دیا جائے، آپؐ نے اپنی فوج کا رُخ شمال کی طرف رکھا۔ جب آپؐ مطمئن ہو گئے کہ آپؐ کی اس فوجی نقل و حرکت کو شام پر حملے کا اقدام سمجھا جا رہا ہے اور یہی خبریں چار سُو گشت بھی کرنے لگی ہیں، تو آپؐ نے فوری طور پر فوج کا رُخ شام سے موڑ کر، مکہ مکرمہ کی طرف کر لیا، یہاں تک کہ بنو لحیان[1] کے منازل میں آپؐ داخل ہو گئے، جو غران میں تھے، لیکن بنو لحیان پہاڑوں کی اوٹ میں جا کر چھپ گئے اور اپنا مال و جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔

---

[1] : بنو لحیان کا علاقہ وادیٔ غران میں تھا۔ یہ وادی اَمج اور عسفان کے درمیان واقع ہے۔

آپؐ نے اپنی فوج کا بڑا حصّہ وادیٔ غرّان ہی میں متعین کیا، اور تقریباً دو سو آدمی لے کر آپؐ مکّہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ وادیٔ عسفان میں آ گئے۔ جو شمالِ مکّہ میں واقع تھی۔

مقصد یہ تھا کہ:

قریش کے معنویات ——— مورال اور عزم و استقلال ——— پر ضرب لگائی جائے، قریش کی ہمّت نہیں پڑی کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرتے، چنانچہ موسم گرما کی شدّت اور صعوبت برداشت کرتے ہوئے مسلمان مدینۂ منورہ واپس آ گئے، اور قبائل قریش پر ایسی دھاک بٹھا آئے کہ اسلام کی قوت و طاقت سے کافی عرصے تک یہ سہمے ہوئے رہے۔

غزوۂ ذی قرد

۱۔ مقصد :

الف : مسلمانوں کے اونٹوں کو مشرکین کی ایک جماعت ہنکا لے گئی تھی۔ اس کے سدِّ باب کے لیے عیینہ بن حصن فزاری کا تعاقب مقصود تھا کہ وہی غطفانیوں کی جمعیت کے ساتھ اس حرکت کا موجب ہُوا تھا۔

ب : واقعات و حوادث

عیینہ بن حصن فزاری نے اطرافِ مدینہ میں لُوٹ مار اور غارت گری کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔

ایک دفعہ اس نے دیکھا کہ لقاح [۱] چر رہی ہیں، نگہبانی صرف ایک چرواہے اور اس کی بیوی کے ہاتھ میں ہے، عیینہ بن حصن نے بڑے اطمینان سے چرواہے کو قتل کر دیا۔ اونٹنیاں ہنکالے گئے اور مقتول چرواہے کی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔

سلیمان بن عمرو بن اکوع نے یہ ماجرا دیکھ لیا، اس نے دیکھا مشرک اونٹوں کو ہنکائے لیے جا رہے ہیں، فوراً مسلمانوں کو اس نے پکارا، پھر تن تنہا عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا، مسلمان بھی چل پڑے اور تھوڑی دُور کے بعد اس سے آ ملے، ذی قرد کے مقام پر انہوں نے چرواہے کی بیوی کو آزاد کرا لیا اور اپنی سانڈنیاں بھی واپس لینے میں کامیاب ہو گئے۔

کسی نے آکر اطلاع دی کہ :

عیینہ اور اس کے ساتھیوں نے ذی قرد سے پرے ایک مقام پر جا کر ایک اُونٹ ذبح کیا ہے،

مسلمان یہ سنتے ہی تعاقب میں نکلے، عیینہ اور اس کے ساتھی، اونٹ کو ذبح کر کے اس کی کھال اتار چکے تھے، غبار اُڑتا دیکھا تو بھانپ لیا مسلمان سر پر آگئے اور انہوں نے پھر تعاقب شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ اونٹ وہیں چھوڑا اور خود راہ فرار اختیار کی۔

یہ اعراب ——— یعنی بدّو ——— برابر تیزی اور سرعت کے ساتھ بھاگتے رہے۔ ہر آن انہیں یہ دہشت لگی ہوئی تھی، کہیں مسلمان سر پر نہ آجائیں اور یہ ان کے چنگل میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

---

[۱] : لقاح کا لفظ عربی زبان میں، حاملہ، اور دودھ دینے والی دونوں طرح کی اونٹنیوں پر بولا جاتا ہے، لہٰذا :

یہ سانڈنیاں یا حاملہ تھیں یا دودھ دینے والی۔

غدّاروں

کے محاسبے سے کیا سبق ملتا ہے؟

۱- بروقت :

قبائلی عرب کا متحدہ لشکر واپس چلا گیا، اور مسلمان بھی اسی رات کی صبح کو مدینۂ منورہ اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔ اسی دن ظہر کے وقت آپؐ نے مسلمانوں کو بنو قریظہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، اور وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ نمازِ عصر بنو قریظہ کے علاقے میں پڑھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل بروقت صورتِ حالات کی نزاکت اور سنگینی کو محسوس کر لیا تھا، اور اندازہ لگا لیا تھا کہ یہود سے جنگ کرنے اور ان کا استیصال کرنے کا یہ بہترین اور نادر موقعہ ہے، اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اقدام میں ذرا بھی تاخیر روا رکھتے، تو یہود کو موقعہ مل جاتا، اور وہ اپنے حلیفوں سے امداد و اعانت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے، یا دوسرے یہودیوں کو اپنی مدد کے لیے بلا لیتے، یا پھر دوسرے دشمن قبائل کے تعاون اور اشتراک سے اپنی قوت میں اضافہ کر لیتے، حالانکہ وہ خود بھی کچھ کمزور نہ تھے۔ ان کے پاس اتنی طاقت تھی، اور ضروریاتِ زندگی سے متعلق اتنا وافر سامان موجود تھا کہ نہایت لمبی مدّت تک وہ مسلمانوں کا محاصرہ جھیل لے جا سکتے تھے، اور بغیر کسی تکلیف اور پریشانی کے یہ مدّت گزار لے جا سکتے تھے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل خلافِ توقع لیکن بالکل بروقت، اور ناگہانی طور پر ایسا محاصرہ کیا کہ یہود کہیں سے بھی مدد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے،

اور کسی طرح کی تیاری نہیں کر سکے، کیونکہ یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ عرب قبائل کے متحدہ لشکر کی طویل یورش، اور محاصرے سے تھکے ہوئے اور چُور چُور مسلمان اتنے چوکس، اور ہوشیار ثابت ہوں گے کہ فرصت اور آرام کا ایک لمحہ بھی حاصل کیے بغیر متحدہ لشکر کے جاتے ہی، باز کی طرح حملہ آور ہو جائیں گے اور وہ صرف منہ دیکھتے رہ جائیں گے مقاومت اور مزاحمت کی کوئی تیاری نہیں کر سکیں گے۔

مسلمانوں کی اس سریع نقل و حرکت نے یہود کے لیے یہ موقعہ ہی نہیں چھوڑا تھا کہ وُہ اپنا دفاعی مورچہ قائم کر سکتے، یا اس کے استحکام کی تدبیر کر سکتے۔

حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ:

مسلمانوں نے انہیں سنبھلنے کا ذرا بھی موقعہ نہیں دیا۔

بنو قریظہ کی جنگ کے واقعات و حوادث کا بہ امعان نظر مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اس آفتِ ناگہانی کے جواب میں جو مسلمانوں کے محاصرے کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی۔ وہ بالکل بے بس ہو چکے تھے، اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی قوتِ فیصلہ عاجز تھی۔ کسی رائے پر جم نہیں پاتے تھے، پھر مزید ستم یہ کہ مسلمانوں کے اچانک حملے نے ان کی فکری قوت و صلاحیّت کو شل کر کے رکھ دیا تھا، ان کی تابِ مقابلہ معطّل اور مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔

انہوں نے جو جنگی اور حربی تیاریاں کی تھیں وہ معمولی نہ تھیں۔ لیکن ان سے وہ معمولی سا فائدہ بھی نہیں اٹھا سکے۔ ان کے امکان میں بہت کچھ تھا، قدرتی طور پر انہیں بہت زیادہ سہولتیں میسّر تھیں۔ اگر وہ عزم و ہمّت اور حُسنِ تدبیر سے کام لیتے تو عرصۂ دراز تک مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے تھے یا کم از کم انہیں روکے رکھ سکتے تھے۔

بنو قریظہ کے قلعے بے حد مضبوط تھے، بلند تھے اور تعداد میں بہت زیادہ تھے، سلاحِ جنگ کی کوئی کمی نہ تھی، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے پاس بے شمار اسلحہ تھا، تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا،

خوراک، غذا اور پانی بہ افراط اور وافر تھا، اگر وہ عزم و استقلال سے محروم نہ ہو گئے ہوتے تو یہ چیزیں بہت زیادہ فائدہ پہنچا سکتی تھیں اور ثابت قدم رہنے میں ان کی بے حد مدد کر سکتی تھیں۔ لیکن ذہنی طور پر وہ شکست قبول کر چکے تھے، لہٰذا یہ مادی ساز و سامان اور ذرائع ان کے ذرا کام نہ آ سکے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بر وقت موقع سے فائدہ نہ اٹھاتے تو جتنی مدّت تک اپنے قلعوں میں محصور رہ کر یہوُد نے مقابلہ کیا اور پھر کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر ہتھیار ڈال دیے اور واپس آ گئے تو بلاشبہ خاصی لمبی مدّت تک وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

مسلمانوں کے اس بر وقت اقدام کے فوائد اور منافع کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ متحدہ عرب قبائل کے لشکر کی واپسی کے بعد، وُہ مالی اعتبار سے حد درجہ درماندہ ہو چکے تھے۔

صرف مالی درماندگی ہی نہیں جسمانی اعتبار سے بھی مسلسل ایک مہینے تک خطرناک مقامات پر، پوری چوکسی اور ہوشیاری کے ساتھ پہرہ دیتے ہوُئے وہ تھک چکے تھے اور کوئی شبہ نہیں اتنی لمبی مدّت تک اس طرح مصروف رہنا، بڑے بڑے بہادروں کا پتّہ پانی کر دینے کے لیے کافی ہے۔

ان سب دشواریوں پر مستزاد، موسمِ سرما کی شدّت، یخ کر دینے والی ہواؤں کے جھکڑ، اور طویل مدّت تک ان قدرتی آفتوں سے مقابلہ، اور دشمن کے وار اور یلغار سے چوکنّا رہنا، اب ان کاموں سے فراغت کے بعد انہیں موقعہ ملا تھا کہ گھر واپس آئیں اور اطمینان کے ساتھ موسم کی نامساعدت کا مقابلہ کریں۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ :

جن جنگی مہمات سے وہ دوچار تھے، وہ حد درجہ اذیت رساں، تکلیف دہ اور ناقابلِ برداشت تھیں۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا تھا۔

کون نہیں جانتا کہ :

فوجیوں کو اپنی جان بچانے کے لیے، اور مقابلہ کرنے والوں کا جواب دینے کیلئے بسا اوقات کافی دیر تک پیٹ کے بل رینگنا بھی پڑتا ہے۔ ان تمام مشکلات سے عُہدہ برآ ہوتے ہی اور ذرا بھی دم لیے بغیر فوراً بنو قریظہ پر ٹوٹ پڑنا، اور ان کا محاصرہ کرلینا، حد درجہ حیرت انگیز کرشمۂ قدرت معلوم ہوتا ہے۔

۲- ناگہانی حملہ :

ناگہانی حملہ کئی طرح کا ہوتا ہے :

- بر وقت بھی ،
- موقع محل کے اعتبار سے بھی ، اور
- اسلوبِ جنگ کے اعتبار سے بھی ،

موقع محل کے لحاظ سے ناگہانی حملہ وہ ہوتا ہے کہ :

ایسی جگہ اور مقام پر حملہ کیا جائے جس کی دشمن کو ذرا بھی توقع نہ ہو۔

اور وقت کے لحاظ سے ناگہانی حملہ یہ ہے کہ :

دشمن پر ایسے وقت حملہ کیا جائے، جس کا اسے سان گمان بھی نہ ہو۔

اور اسلوبِ جنگ کے لحاظ سے، ناگہانی حملہ یہ ہے کہ :

جنگ میں کوئی نیا انداز اختیار کیا جائے، یا نیا حربہ استعمال کیا جائے۔

قابل ترین سپہ سالار وہ ہے جو دشمن پر اس طرح اچانک ٹوٹ پڑے کہ اُسے مادی، اور معنوی لحاظ سے ختم کر کے رکھ دے۔ اس لیے کہ کامیاب ناگہانی حملہ وُہی ہے جو دشمن کی نقل وحرکت کو معطّل کر دے اور اس کے قویٰ کو مفلوج اور شل کر کے رکھ دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ میں ہر مرتبہ نیا اسلوب اختیار فرمایا، ہم دیکھ

چکے ہیں کہ متحدہ قبائل عرب کی یعنی احزاب کی جنگ میں آپؐ نے خندق کھود کر ایک بالکل نیا اور چونکا دینے والا طریقہ اختیار فرمایا۔ اسی طرح جنگ بدر میں صف بندی کر کے آپؐ نے ایک بالکل جدید اسلوب وضع کیا جس سے عرب قطعاً ناواقف تھے۔

جنگِ بنی قریظہ میں آپؐ نے بروقت ناگہانی حملہ کیا اور اتنی تیزی سے کیا کہ دشمن دنگ رہ گیا اور اس کے ہوش و حواس جواب دے گئے، اس حملے نے اس کی فکری اور ذہنی قوت کو ناکارہ بنا دیا۔

علاوہ ازیں مبادات ———— جس کا ذکر گزر چکا ہے ———— کو بھی آخر وقت تک اپنے ہی ہاتھ میں رکھا۔

غزوۂ بنی لحیان میں آپؐ نے شمال کی طرف نقل و حرکت کی اور رُخ شام کی طرف رکھا جس سے خبر پھیل گئی کہ آپؐ شام جا رہے ہیں، اور بنو لحیان اور قریش آخر وقت تک آپؐ کے اصل ارادے سے واقف نہ ہو سکے، اس حملے کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناگہانی حملہ موقع محل کو پیش نظر رکھ کر آپؐ نے کیا تھا۔

میدانِ جنگ میں اچانک حملے کی اہمیت شروع سے لے کر آج تک برابر قائم چلی آ رہی ہے، مسلمانوں نے اپنی اکثر جنگوں میں اچانک حملے سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ جس کے باعث غلبہ اور فتح حاصل کرنے میں انہیں زیادہ سے زیادہ مدد ملتی رہی۔

۳۔ انتقام و قصاص :

بنو قریظہ نے سعدؓ بن معاذ کی ثالثی کے بعد جب اپنا فیصلہ صادر کیا، اور اسے نافذ کیا گیا، تو اس فیصلے کو ہر وہ شخص بہترین اور مناسب ترین قرار دے گا، جس کی فکری قوت صحیح طور پر کام کر رہی ہو، اور عدل و انصاف کو مدنظر رکھتا، اور طبعاً منصف مزاج ہو۔

یہود بنو قریظہ نے بڑے کٹھن موقع پر مسلمانوں سے غدّاری اور عہد شکنی کی تھی۔ اگر ان کا

مسلمانوں سے معاہدہ نہ ہوتا تو مصیبت اتنی ہولناک اور تکلیف دہ نہ ہوتی، اور وہ جو عذر بھی کرتے، اسے قبول کرلیا جاتا، لیکن اب ان کے پاس کوئی معقول عذر موجود نہیں تھا۔ کیوں کہ انہوں نے خود ہی، اپنے خبثِ نفس، اور مسلمانوں کے استیصال کے شوق میں یک طرفہ طور پر، اپنا کیا ہُوا معاہدہ توڑ دیا تھا۔

اس جگہ میں یہ سوال کرنا چاہتا ہُوں کہ:

اگر کفار کے لشکر جنگِ خندق میں کامیاب ہو جاتے، جس کا بظاہر پورا امکان تھا، تو مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا؟

- کیا مسلمانوں کا انجام استیصالِ کامل کے سوا کچھ اور ہوتا؟
- کیا ان کی لاشوں کا مثلہ نہ کیا جاتا؟
- مال و اسباب نہ لُوٹ لیا جاتا؟
- خواتین کی عزت و آبرُو برباد نہ ہوتی؟

پھر بتایا جائے ان لوگوں کے ساتھ کس اصول کے ماتحت رعایت کی جاتی اور کیوں نہ ان کا استیصال کر دیا جاتا۔ جنہوں نے دل کھول کر، حد درجہ سرگرمی کے ساتھ مسلمانوں کے اعداء کی اس لیے، بے تحاشہ مدد کی تھی کہ وہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔

مسلمانوں نے بنو نضیر اور بنو قینقاع کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا تھا، اور انہیں خیبر یا شام کے علاقے میں جا کر بس جانے کی اجازت دے دی تھی، لیکن مسلمانوں کو اس فیاضی اور حُسنِ سلوک اور معقولیّت کا صلہ کیا ملا؟

ان سب یہودیوں نے متحدہ عرب قبائل کے لشکر کو فراہم کرنے میں، ہر طرح کی مدد دی، اور خندق کے سامنے انہیں لا کر کھڑا کر دیا کہ مدینۂ منورہ تاراج کر دیں، اور مسلمانوں کا وجُود باقی نہ رہنے دیں۔

لیکن ایک بات اور بھی اس موقع پر نظر انداز نہ کرنی چاہیئے،

بنو نضیر، بنو قینقاع، اور بنو قریظہ کے حالات یکساں نہیں ہیں، بلکہ ان میں حد درجہ فرق ہے۔

بنو قریظہ نے ایسے وقت میں عہد شکنی، خیانت اور غدّاری کا ارتکاب کیا جو مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کا وقت تھا، اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل عظیم خطرات میں گھرا ہُوا تھا۔

ان واقعات و حقائق کی روشنی میں بتایا جائے کہ کیا مسلمان بنو قریظہ کے ساتھ بھی وہی روش اختیار کر سکتے تھے جو ان سے پہلے بنو نضیر اور بنو قینقاع کے ساتھ اختیار کی تھی؟ کیا یہ دانشمندانہ فعل ہوتا؟

ان یہودیوں کے سامنے اتنی بڑی غدّاری، خیانت، فریب اور عہد شکنی کے بعد، ایک راستہ کھلا رہ گیا تھا۔ جس پر چل کر یہ اپنی جان بچا سکتے تھے، بلکہ مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل کر کے ہر معاملے میں ان کے برابر کے شریک و سہیم بن سکتے تھے۔ یہ راستہ تھا، قبولِ اسلام کا ——— جیسا کہ ان میں سے تین آدمیوں نے اسلام قبول کر کے حقوقِ اخوت اور مساوات حاصل بھی کر لیے تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ مسلمانوں نے قتل کا فیصلہ صرف ان یہودی نوجوانوں کے لیے کیا تھا۔ جنہوں نے عملی طور پر جنگ میں سرگرم حصّہ لیا تھا اور عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو تباہی اور ہلاکت و بربادی کے غار میں دھکیلنے کی پوری کوشش کی تھی۔ پھر بھی ان کی عورتوں اور بچّوں کو کسی طرح کی تکلیف نہیں دی گئی، اور ان یہودیوں سے بھی تعرّض نہیں کیا گیا، جنہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔

بنو قریظہ میں سے جو عورت قتل کی گئی، یہ وہی تھی جس نے چکّی کا پاٹ اُوپر سے پھینک کر ایک مسلمان کو شہید کر دیا تھا۔ اس جرم کی سزا قتل ہی تھی، اور تعزیر و عقوبت اور حدود کے نفاذ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں ہے، کوئی مسلمان عورت بھی اگر کسی کو قتل کر دے، تو

اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

رہ گیا ابورافع ابن ابی الحقیق کا قتل، سو وہ اس لیے وقوع میں آیا کہ وہ اُن یہودیوں کا سرغنہ تھا، جنہوں نے عساکرِ کفار کو برانگیختہ اور مشتعل کر کے مدینہ پہ چڑھائی اور حملہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ ایسا جنگی مجرم، ہمیشہ قتل ہی کیا جاتا ہے، تاکہ آئندہ اس طرح کے عزائم رکھنے والے اس سے عبرت پکڑیں اور سبق حاصل کریں۔

بین الاقوامی قوانینِ جنگ آج کے زمانے میں بھی ایسے آدمی کا قتل جائز ٹھہراتے ہیں۔

یہ ابورافع بنونضیر کے یہودیوں میں سے تھا، جنہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازراہِ فریب و غدر قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔

آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا، اور ان پر غالب آ گئے، اور بالآخر انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا، پھر بھی حد درجہ فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے، انہیں مدینہ سے صحیح سلامت رخصت ہو جانے کی اجازت دے دی۔

شرط یہ قرار پائی تھی کہ :

"آئندہ یہ مسلمانوں سے جنگ نہیں کریں گے، نہ ان کے خلاف کسی کو جنگ پر آمادہ کریں گے یا اکسائیں گے، نہ مسلمانوں کے دشمن کی کسی طرح سے بھی مدد کریں گے۔"

لیکن انہوں نے بھی عہد شکنی کا ارتکاب کیا اور عساکرِ کفار کو مسلمانوں کا محاصرہ کر لینے کی ترغیب دی، اور بنو قریظہ کو بھی اکسایا کہ مسلمانوں سے کیا ہُوا معاہدہ بلا تامل توڑ دیں۔ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے طور پہ انہیں مغلوب کر لینے، اور ان پر تسلط حاصل کرنے کے بعد بھی آزاد کر دیا۔ اس کے بعد بھی اگر ابورافع سے ایسا فعلِ شنیع سرزد ہُوا تو کیا مسلمانوں کو حق نہیں تھا کہ ایک جنگی مجرم کی طرح اسے قتل کر دیتے نہ کہ ایک شریف دشمن کی مانند [1]

---

[1] : ملاحظہ ہو بین الاقوامی قانون جنگ و صلح :-

"قیدی کو اس شرط کے ساتھ رہا کیا جائے کہ وہ اقرار کرے (باقی اگلے صفحہ پر)

امر واقعہ یہ ہے کہ بنو قریظہ سے مسلمانوں کا انتقام لینا یکسر عدل و انصاف، اور ضرورت پر مبنی تھا۔

۴۔ عقیدہ:

اس تمام عرصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و تہذیب اور مہارتِ فن جنگ کے اثرات ہماری نظر کے سامنے آتے رہے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ وحدتِ ملّی کے کاموں میں آپؐ کا دیا ہُوا عقیدہ کس طرح اثر انداز ہُوا۔ حد یہ تھی کہ جنگ کے میدان میں ہر مسلمان کی کوشش اپنا دفاع اور اپنا بچاؤ نہیں تھا بلکہ یہ کہ اپنے مسلمان بھائی کا دفاع کرے اور اسے بچانے میں اپنی جان کی بازی لگا دے، شہادت کا موقع آتے تو پہلے خود اس مرتبے پر فائز ہو اور دوسروں کے لیے اس سعادت کا اپنے بعد موقع رکھے۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ہر مسلمان کا عالم یہ تھا کہ اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی، جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، تو وہ کس طرح اپنے نفس کا محاسبہ کرتا، اور اپنے ربّ سے طالبِ عفو ہوتا تھا۔

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ ابو لبابہؓ بن عبد المنذر کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے ہم اس سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں، ابو لبابہ عہدِ جاہلیّت میں ان کے دوست اور حلیف رہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۴:

لے کہ آئندہ آزادی عطا کرنے والی اس حکومت کے خلاف نہ جنگ کرے گا۔ نہ اس کے خلاف کسی کو جنگ پر اکسائے گا۔ اگر یہ شرط قبول کر لینے کے بعد اور اپنے لشکر میں جا کر وہ پھر غدّاری کا ارتکاب کرے، اور دوبارہ گرفتار ہو کر آئے، تو گزشتہ عہدِ رہائی ساقط ہو جائے گا، اس پر مقدمہ چلا کر سزا دی جائے گی، جو موت ہی ہے!"

چکے تھے، ان کے اخلاص پر یہود کو کبھی شبہ نہیں ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ کو اُن کے پاس بھیج دیا۔ یہ قلعہ کے اندر گئے، تو عورتیں، مرد، بچے گریہ کناں ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اس گریہ و بکا نے ان پر وہی اثر کیا، جو عموماً ایسے حالات میں ایک انسان پر ہُوا کرتا ہے۔

یہودیوں نے ان سے رائے طلب کی:

"کیا ہمیں حکمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق قلعوں سے نیچے اُتر آنا چاہیئے؟ اور اپنے آپ کو اُن کے حوالے کر دینا چاہیئے؟"

ابولبابہ نے اس سوال کے جواب میں کہا:

"ہاں" ———

اور ساتھ ہی ساتھ اپنے گلے کی طرف اشارہ بھی کرتے جا رہے تھے۔ اس طرح وہ انہیں مطلع کر رہے تھے کہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ بچو گے نہیں اگر قلعوں سے نیچے اُتر آئے۔

لیکن فوراً ہی ابولبابہ کو احساس ہوا کہ گردن کی طرف اشارہ کر کے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت اور غداری کا ارتکاب کیا ہے، اور ایک ایسا راز بتا دیا ہے، جس کے وُہ امین تھے، ان سے یہ غلطی قطعاً غیر شعوری طور پر سرزد ہوئی تھی۔ اس میں ایمان یا عقیدے کی کمزوری کو ذرا بھی دخل نہ تھا۔ اسی ذہنی پریشانی اور اضطراب کی حالت میں واپس آتے ہی وہ مسجد نبوی پہنچے اور اس کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا، اور قسم کھائی کہ جب تک خدائے بزرگ و برتر انہیں معاف نہیں کرے گا وہ اسی طرح بندھے رہیں گے۔ اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے، اور واقعی جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ نہیں قبول فرمالی، وہ اسی طرح ستون سے بندھے رہے۔

یہودیوں نے جب ابولبابہ سے مشورہ کیا، اور ابولبابہ نے جواب دیتے ہوئے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا۔ تو ان کی یہ حرکت کس مسلمان کے علم میں تھی؟ خدا کے سوا کوئی بھی اس سے

واقف نہیں تھا اور پھر ان کا یہ اشارہ پہلے سے کسی سوچی سمجھی اسکیم کا نتیجہ بھی نہیں تھا، با ایں ہمہ ابولبابہ نے اپنی یہ غلطی چھپائی نہیں، تمام مسلمانوں کے سامنے اس کا اعلان و اعتراف کیا اور اپنے آپ کو سخت جسمانی شدائد و مصائب کا شکار بنایا، یہ تمام باتیں اس بات پر دال ہیں کہ ان کا عقیدہ کتنا محکم، اور ایمان کتنا پختہ تھا۔

سعدؓ بن معاذ نے بنو قریظہ کے بارے میں ثالثی کا جو فیصلہ صادر کیا کہ ان کے قابلِ جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے، بچوں اور عورتوں کو جنگی قیدی بنا لیا جائے اور مال و اسباب تقسیم کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ بھی ان کے ایمانِ محکم کا روشن ثبوت ہے۔

سعدؓ بن معاذ قبیلۂ اوس کے سردار تھے، اور یہ قبیلہ اسلام لانے سے پہلے بنو قریظہ کا حلیف اور دوست تھا۔ یہودی یہ توقع رکھتے تھے کہ یہ مضبوط تعلق جو اُن کے مابین چلا آ رہا ہے اس کا نتیجہ قطعاً یہ ہوگا کہ سعدؓ کا فیصلہ نرم ہوگا اور ان کے بارے میں کوئی انتہائی سنگین فیصلہ نہیں کیا جائیگا خود اوس کے لوگوں کا بھی عام خیال یہی تھا کہ سعدؓ اپنے قدیم دوستوں کے بارے میں نرم فیصلہ صادر کریں گے، بلکہ فیصلہ سنانے کا جب وقت آیا تو اوس کے آدمی یہ پکارتے ہوئے آئے :

"اے ابوعمر! اپنے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالنا۔"

اس اپیل کی تائید میں ایک مثال بھی موجود تھی، اس سے پہلے قبیلۂ خزرج نے اپنے حلیف یہودیوں کے بارے میں جو فیصلہ کیا تھا، خاصا نرم تھا، جب وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ پھر اوس اپنے حلیفوں کے لیے نرم فیصلہ کیوں نہ صادر کرکے خزرج کے فیصلے کی ایک روایت اور قائم کر دیں ؟

لیکن سعدؓ بن معاذ نے اپنے لوگوں سے چیخ کر کہا، جب کہ انہوں نے اُن سے بہت سی توقعات لگا رکھی تھیں :

"اب سعدؓ کے لیے وہ وقت آگیا ہے، کہ اسے اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں !"

بالآخر سعدؓ نے اپنا منصفانہ فیصلہ سنادیا جس میں وہ کسی کی خواہش اور آرزو سے متاثر نہ ہوئے بلکہ اپنے عقیدۂ راسخ اور ایمان عظیم کی بنا پر فیصلہ سنایا۔

غور کیجیے، وہ کیا چیز تھی جو عبداللہ بن عتیک کو تن تنہا یہودی کے اس قلعہ میں لے گئی، جس میں ابورافع بن ابی الحقیق عین اپنے گھر والوں اور خاندان کے درمیان اطمینان کی نیند سو رہا تھا، کیوں عبداللہ بن عتیک نے اپنے نفس اور جان کو خطرات مہلکہ میں جھونک دیا اور اپنے ساتھیوں کو قلعہ سے باہر امن کی جگہ میں چھوڑ آئے؟

اس کے اندر بھی یہی جذبہ کارفرما تھا کہ قائد (لیڈر) شہادت کی تلاش میں اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر بذاتِ خود خطرات کے سمندر میں کود پڑا تھا۔ حالاں کہ وہ یہ بھی کرسکتا تھا کہ اس کام کی تعمیل کے لیے کسی اور آدمی کو مامور کر دیتا، لیکن اس نے یہ کام بذاتِ خود سرانجام دینا پسند کیا اور آخر کار ابن ابی الحقیق کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اسی رات کامیاب وکامران اپنے ساتھیوں سے آملا، حالانکہ قلعہ کی سیڑھیاں اُترتے وقت اس کی ٹانگ بھی ٹوٹ چکی تھی۔

یہ وہ مثالیں ہیں جو اس مدت میں ہمیں مسلمانوں کے کردار اور سیرت میں ملتی ہیں اور واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کے دل ودماغ میں ان کے عقیدے کس درجہ مضبوط اور راسخ تھے کہ وہ اپنے عقیدے پر ہر چیز کو قربان کرسکتے تھے اور اس معاملہ میں ان کو کسی طرح کی دقت پیش نہیں آتی تھی۔

دورانِ جنگ کے فیصلے

الف : مالِ غنیمت

بنو قریظہ کا مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔ پیدل کا ایک حصہ اور سوار کے لیے تین حصے مقرر ہوئے۔ جن میں سے ایک حصہ سوار کا تھا اور دو حصے گھوڑے کے تھے۔ یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ مسلمانوں کو

گھوڑے پالنے کا شوق پیدا ہو، کیونکہ میدانِ جنگ میں گھوڑے بہت سود مند ثابت ہوتے تھے۔ باقی پانچواں حصہ (خمس) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غریبوں پر تقسیم کرنے کے لیے باقی رہ گیا۔ اسی میں سے آں حضرتؐ کے گھر کے اخراجات بھی پورے ہوتے تھے غریب مجاہدین کے لیے جو خود جنگ کے لیے ہتھیار مہیا نہیں کر سکتے تھے، اسلحہ اور سواریاں بھی مہیا ہوتی تھیں۔

اس غنیمت کے مال سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہت حد تک درست ہو گئی، اور وہ نجد کے علاقے سے گھوڑے اور ہتھیار خریدنے کے پابند نہ رہے بلکہ بڑی حد تک بے نیاز ہو گئے۔ اور آئندہ جنگوں کے لیے ان کے پاس کافی سامان مہیا ہو گیا۔

ب : پانی کا فیصلہ

جب مسلمان بنو قریظہ کے قلعوں کے پاس پہنچے تو فوری طور پر سب سے پہلے ان کے اس کنوئیں پر قبضہ کیا جس سے بنو قریظہ پانی حاصل کیا کرتے تھے اور یہ خیال فوری طور پر ان کے ذہنوں میں پیدا ہوا کہ کنوئیں پر قبضہ کریں تاکہ محاصرہ کے ایام میں اس کے پانی سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

اگر مسلمان جلدی سے اس کنوئیں پر قبضہ نہ کر لیتے تو یقینی بات تھی کہ یہود بنی قریظہ اس کنوئیں کو برباد کر دیتے اور مسلمان اس کے پانی سے محروم ہو جاتے، جس کی انہیں دورانِ جنگ سخت ضرورت تھی۔

غدّاروں کی سزا دہی کے لیے جنگوں کا نقشہ

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	مسلمانوں کا سپہ سالار	مشرکین کی طاقت	مشرکین کا سپہ سالار	مقامِ جنگ	تاریخ	مختصر نتیجۂ جنگ
۱	بنو قریظہ کی جنگ	تین ہزار ان میں سے ۳۶ گھوڑ سوار تھے	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۶۰۰ سے لیکر ۷۰۰ تک یہود بنی قریظہ	کعب بن اسد	مدینہ کے پاس یہود بنی قریظہ کے قلعے	آخر شوال سے وسط ذیقعد ۵ھ تک	بنو قریظہ قتل کر دیئے گئے۔
۲	سریۂ عبد اللہ بن عتیک	پانچ آدمی	عبد اللہ بن عتیک	خیبر کے یہُودی جن کے پاس ابو رافع پناہ گزین تھا	۔	خیبر	ذی قعد ۵ سنہ ہجری	ابن ابی الحقیق قتل ہوگیا۔

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	مسلمانوں کا سپہ سالار	مشرکین کی طاقت	مشرکین کا سپہ سالار	مقام جنگ	تاریخ	مختصر نتیجہ جنگ
۳	غزوۂ بنی لحیان	تین ہزار کے لگ بھگ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	بنو ہذیل کی شاخ بنو لحیان	-	غرّان	جمادی الاوّل سنہ ۶ ہجری	قریش اور دیگر قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔
۴	غزوۂ ذی قرد	-	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	بنو غطفان کی ایک جماعت	عیینہ بن حصن فزاری	ذی قرد کا چشمہ	جمادی الاوّل سنہ ۶ ہجری	دشمن فرار ہوگیا اور وہ اونٹ جو مسلمانوں سے لوٹے تھے، اپنے پیچھے چھوڑ گیا،

۱۴

فتح قریب

لقد رضی اللہ عن المؤ منین
اذ یبایعو نک تحت الشجرۃ،
فعلم ما فی قلو بھم فانزل
السکینہ علیھم و اثا بھم
فتحا قریبا۔

القرآن الکریم

اللہ ان ایمان والوں سے راضی ہُوا، جنہوں
نے آپؐ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی
اللہ نے ان کے دلوں کا (بھید) جان لیا،
سو اس نے ان پر سکُون نازل فرمایا، اور انہیں
فتح قریب عطا فرمائی!"

غزوۂ حدیبیّہ[1]

توقفِ عام

۱۔ مُسلمان :

سلہ ہجری میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلۂ مسلمین، بجائے مسجد اقصیٰ کے مسجدِ حرام کو قرار دیا۔ یہ وحی عین حالتِ نماز میں آئی تھی۔ چنانچہ امام (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ کر مقتدیوں نے بھی دفعتہً اپنا رُخ، مسجدِ اقصیٰ سے موڑ کر بیت اللہ کی طرف کر لیا۔

عرب کئی صدیوں سے اپنا رخ مسجد حرام کی طرف رکھا کرتے تھے، اور حرمت کے مہینوں میں اسی بیت اللہ کا حج کرتے تھے، اسی کے تقدس کے قائل تھے اور جو بُت یہاں رکھے ہوئے تھے۔ ان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے خدائے واحد و یکتا پر ایمان لانے کے بعد بُت پرستی تو

---

[1]: حدیبیّہ میں یا مشدّد بھی پڑھی جاسکتی ہے اور غیر مشدّد بھی، معنوی اعتبار سے دونوں طرح ٹھیک ہے۔

حدیبیّہ ایک چھوٹا سا قریہ تھا، مکّہ اور حدیبیّہ کے مابین ایک منزل کا فاصلہ ہے، مدینہ اور حدیبیّہ کے درمیان (باقی اگلے صفحہ پر)

ترک کر دی تھی، لیکن بیت العتیق کی عظمت و حرمت کے منکر تو نہیں ہو گئے تھے۔

اس پس منظر میں مسلمان مسجد حرام کی زیارت سے کیوں محروم رہتے ؟ انھیں یہی کرنا چاہیئے تھا تاکہ عرب ان کی قوتِ اجتماعی کا مکّہ میں نظارہ کر لیتے اور یہ بھی دیکھ لیتے کہ بیت اللہ کی تعظیم اور احترام ان کا شعار ہے۔

تحویلِ قبلہ کا ایک نتیجہ یہ بھی مترتب ہو سکتا تھا اور بہ ظاہر اس کا قوی امکان تھا کہ مسلمانوں کی قوت و طاقت میں مزید اضافہ ہو جائے گا، اور مشرکوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں گے اور وہ محسوس کرنے لگیں گے کہ مسلمانوں کو بیت اللہ کا حج اور عمرہ ادا کرنے سے روک کر، ظلم اور زیادتی کا ارتکاب کیا ہے اور اس احساس کے نتیجے میں شاید کفار مشرکین مکہ کی عداوت و مخاصمت میں کچھ کمی آجاتے اور آئندہ مسلمانوں کے خلاف عرب کوئی اقدام نہ کریں۔

ذی قعدہ ۶ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم فرمایا کہ مکّہ کی طرف کوچ کریں چنانچہ آپؐ نے کافر و مشرک قبائل کی طرف ایلچی روانہ کیے، اور انہیں دعوت دی کہ مکّہ مکرمہ کی زیارت و تعظیم کے لیے، مکّہ کی طرف خروج کرنے میں ان سے اشتراک و تعاون کریں۔

اس امر کی بھی وضاحت فرما دی کہ مقصد صرف زیارت ہے، جدال و قتال نہیں۔ ذی قعدہ کا مہینہ آپؐ نے اس لیے تجویز فرمایا تھا، کہ تمام عرب اس حقیقت سے باخبر ہو جائیں کہ مکّہ مکرمہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۴ :

۹ منزل کی مسافت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس قریہ کا کچھ حصّہ حدودِ حرم میں واقع ہے، اور کچھ حصّہ حدودِ حرم سے باہر ہے۔ اس جگہ ایک تالاب تھا۔ جس کا نام حدیبیہ پڑ گیا تھا۔ اسی مناسبت سے یہ قریہ بھی اسی نام سے موسوم ہو گیا۔ اور حدیبیہ پکارا جانے لگا۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں !

کا قصد صرف حج کے ارادے سے ہے نہ کہ جنگ و پیکار کے لیے، اگر شہرِ حرام میں قریش نے جنگ و پیکار پر اصرار کیا، اور آپؐ کو ارکانِ حج ادا کرنے سے باز رکھنے کی ضد پر قائم رہیں، جن کی بجا آوری کی ہر باشندۂ جزیرۂ عرب کو اجازت ہے تو ان کے اس مؤقف کی تائید عرب عوام میں سے کوئی نہیں کرے گا، اور نہ کوئی ایسا عرب دستیاب ہو سکے گا جو خواہ مخواہ کی جنگ کرنے کے لیے مسلمانوں سے آمادہ ہو جائے۔ بایں صورت قریش تنہا رہ جائیں گے، اور اپنے حلیفوں کی امداد سے محروم ہو جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف قریش اس قابل نہ ہوں گے کہ مسلمانوں کو حج ادا کرنے سے روک سکیں۔ یہ تو وہ اسی وقت کر سکتے ہیں، جب ان کے حلیف بھی ان کے ساتھ ہوں۔

۲۔ مشرکین اور یہود :

مشرکین میں اب کوئی قبیلہ ایسا نہیں رہ گیا تھا، جو تنہا مسلمانوں سے نبرد آزما ہو سکتا، اور اب قبائل کے سامنے صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ اپنی پوری قوت مجتمع کر کے مسلمانوں سے جنگ آزما ہوں، لیکن اس لڑائی کے نتائج کیا مترتب ہوں گے۔ اس کے بارے میں کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔

نیز مختلف قبائل کی طاقت مجتمع کر کے اس وقت تک میدان میں نہیں لائی جا سکتی تھی۔ جب تک ایسے اشتعال انگیز اسباب نہ پیدا کر دیئے جاتے جو جنگ کو ناگزیر بنا دیں، اور جو بجائے خود حد درجہ اہم اور خطرناک ہوں۔ مثلاً :

- ان کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی، یا
- ان کے اہل و عیال سے بدسلوکی، یا
- ان کے مال و زر کی لوٹ کھسوٹ،

یہودیوں میں اب صرف خیبر کے یہود باقی رہ گئے تھے، اور یہ لوگ مسلمانوں

کے خلاف کوئی اقدام اس وقت تک کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے جب تک اس کے اثرات ونتائج کو بار بار، اور بہت اچھی طرح نہ سوچ لیں۔ اس لیے کہ بنو قریظہ، بنو نضیر، اور بنو قینقاع کا انجام ان کے سامنے تھا اور اسے یہ نظر انداز نہیں کرسکتے تھے۔

طرفین کی قوت وطاقت

۱- مسلمان :

مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی، قیادت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں تھی۔

مسلمانوں کے ساتھ قربانی کے جو جانور تھے، ان کی تعداد سترؓ تھی اور اسلحہ میں سے صرف تلواریں تھیں جو میانوں کے اندر تھیں۔

۲- مشرکین :

قریش اور اُن کے کچھ متردّد حلیف،

متردّد اس لیے کہ :

یہ لوگ قریش کی اس رائے سے متفق اور ہم آہنگ نہیں تھے کہ مسلمانوں کو حج بیت اللہ سے روک دیا جائے۔

خاص طور پر ایسی حالت میں کہ مُسلمانوں کا مقصد صرف حج اور زیارت تھا، نہ کہ جدال و قتال۔

⁂ ⁂ ⁂

طرفین کے مقاصد

۱- مسلمان :

الف : پہلا مقصد تو اس پروگرام کا یہ تھا قریش، اور وہ دوسرے قبائل جو حج کے موقعہ پر مکۂ مکرمہ آیا کرتے ہیں بہ چشمِ خود مسلمانوں کی قوت و طاقت کا نظارہ کر لیں، اور ان کے نظم و ضبط، طاعتِ رسولؐ اور دعوت و تبلیغ سے ان کے تعلق خاطر اور دلی لگاؤ اور جوش کا بخوبی اندازہ کر لیں۔

ب : یہ پہلا مقصد جو مذکور ہوا، بجائے خود بہت اہم تھا، سیاسی نقطۂ نظر سے بھی عسکری اعتبار سے بھی اور دینی مصالح کے لحاظ سے بھی۔

لیکن صرف یہی ایک مقصد عظیم و جلیل پیشِ نظر نہ تھا۔

ایک دُوسرا مقصد بھی تھا۔!

اور وہ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے قلوب میں خانۂ خدا کی کتنی حرمت و عظمت ہے اور وہ اس کی تعظیم و تکریم کتنی سچائی اور صداقت کے ساتھ کرتے ہیں، اس کا اظہار بھی ہو سکے، اور یہ اظہار اس طرح ہو کہ عرب بیت اللہ کے بارے میں مسلمانوں کے جذبۂ تکریم و تعظیم کا ایسا یقین کر لیں کہ اس کے بعد ان کے دل میں ذرا بھی شک و شبہ پیدا نہ ہو سکے۔

۲- قریش :

قریش کا مقصد یہ تھا کہ :

مسلمانوں کو بیت اللہ کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جاتے تاکہ عرب یہ نہ کہہ سکیں کہ

مسلمان زبردستی مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے، کیونکہ اس طرح اُن کی ہیبت کو نقصان پہنچتا تھا اور انکی اعتباری حیثیت دم توڑ دیتی تھی اور مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو جاتا تھا۔

ابتدائی کارروائی

۱۔ معلومات کا حصول

الف : مسلمان

جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ[۱] کے مقام پر پہنچے تو آپؐ نے قربانی کے جانوروں کے گلے میں ہار ڈالے[۲] اور شعار کیا اور عمرے کا احرام باندھا اور بنو خزاعہ میں سے ایک آدمی کو روانہ فرمایا کہ قریش کے حالات کی خبر لائے۔ جب آپؐ مقام عسفان[۳] میں پہنچے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر شمالی جانب واقع ہے تو خزاعہ کا وہ آدمی لوٹ کر آیا اور اس نے مسلمانوں کو اطلاع دی کہ قریش اور ان کے بعض حلیف مسلمانوں سے لڑائی کرنے پر تیار ہیں،

---

۱ : ذوالحلیفہ، ایک بستی ہے اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان چھ سات میل کا فاصلہ ہے اور یہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے جس سے وہ حج کا احرام باندھتے ہیں۔

۲ : ہدی کے گلے میں ہار لٹکانا سنت ہے۔ ہدی وہ جانور ہے، جو بیت اللہ کی طرف ہدیہ لے جایا جائے اور اس سے خدائے تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے اور قربانی کا شعار علاماتِ حج سے ایک سنت فعل ہے ۱۲

۳ : عسفان ایک بستی یا چشمے کا نام ہے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔

اور بیت اللہ تک جانے سے روکنے کا مصمم ارادہ کر چکے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ اس سفر سے ان کی غرض صرف بیت اللہ شریف کی زیارت ہے۔ تا وقتیکہ قریش ان کو طاقت سے اس مقصد سے روکنے کی کوشش نہیں کریں گے ان سے لڑائی نہیں کی جائے گی۔

لیکن انہیں اسی وقت مشرکین کا لشکر اپنی طرف آتا ہوُا دکھائی دیا جو عسفان سے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ شارع عام کو چھوڑ کر غیر معروف راستے پر مکّہ کی طرف کوچ کریں۔ یہ راستہ بڑا مشکل تھا مُسلمانوں نے بڑی صعوبت سے اس راستہ کو طے کیا اور اس طرح مشرکین کے تصادم سے بچ کر نکل آئے۔ یہاں تک کہ وُہ حدیبیّہ کے مقام پر پہنچ گئے جو مکّہ سے نو میل کے فاصلے پر شمال کی جانب واقع ہے، یہاں آکر ڈیرا لگا لیا، اور پڑاؤ کیا۔

ب : مشرکین :

قریش کو مسلمانوں کی نقل و حرکت کی اطلاع پہنچی تو وہ اپنے دل میں خائف ہوُئے، کہ شاید مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ وہ عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں، لڑائی کے لیے نہیں۔ کوئی جنگی چال نہ ہو اور اس طریق سے مسلمان ان پر ناگہانی حملہ نہ کر دیں اور قریش کا خاتمہ ہو جائے۔ سو انہوں نے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابو جہل کو دو سو سوار اور کچھ پیدل آدمی دے کر بھیجا۔ یہ لشکر اس نیّت سے آگے بڑھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکّہ میں داخل ہونے سے روک دیا جائے۔ لیکن قریشی شہسوار دھوکہ کھا گئے، کیوں کہ مُسلمان راستہ کترا کر نکل گئے تھے اور غیر معروف راستہ سے ہونے والے تصادم سے بچنے کے لیے حرم کی حد پر پہنچ گئے تھے۔ اب قریش کی فوج واپس لوٹ آئی کہ مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے پہلے ان کو جا کر روک لیا جائے۔

بدیل بن ورقاء خزاعی بنو خزاعہ کے چند آدمی لے کر قریش کے پاس آیا اور ان کو

اطلاع دی۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ ان کا لڑائی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

لیکن قریش نے یہ جواب دیا :

"گو وہ لڑائی کے ارادہ سے نہ آئے ہوں پھر بھی خدا کی قسم بہ زورِ قوت انہیں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکا جائے گا، ورنہ عرب ہماری بزدلی اور حماقت کی داستانیں بیان کرتے پھریں گے۔"

۲۔ چھوٹی موٹی جھڑپیں :

بعض تیز مزاج قریشیوں نے تدبیر سوچی کہ مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کر دیا جائے اور اسی وقت قریباً پچاس مشرک مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تاکہ مسلمانوں کی سلامت روی اور حسنِ نیت کا عملی ثبوت مل جائے اور قریش کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے جو عرب کو جھوٹے افسانے سنا کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر اکٹھا کرتے پھرتے تھے اور جنگ پر تلے ہوئے تھے۔

۳۔ ابتدائی گفتگو :

الف : مشرکین

قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا کہ جا کر مسلمانوں کا مؤقف معلوم کرو۔ اس نے واپس آ کر انہیں اطلاع دی کہ محمد لڑنے کے لیے نہیں آئے، وہ صرف بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے

آئے ہیں۔ اس کے بعد قریش نے حلیس بن علقمہ احابیش (مختلف قبائل) کے سردار کو بھیجا جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے آتے دیکھا تو فرمایا :

"یہ خدا پرست لوگ ہیں، ان کے سامنے قربانی کے جانور کر دو، تاکہ وہ ان کو دیکھ لیں ـــــ !"

حلیس نے جب قربانی کے جانوروں کو وادی میں دیکھا تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیے بغیر ہی واپس چلا آیا۔ اس کے دل میں قربانی کے جانوروں کی عظمت بیٹھ چکی تھی۔ اس نے جو دیکھا تھا آ کر قریش سے بیان کر دیا (کہ مسلمان بیتُ اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں لڑائی کرنے کے لیے نہیں آئے)

قریش نے اسے جواب دیا :

"ارے گنوار! بیٹھ جا، تُو رموزِ مملکت کیا جانے؟" اس سے حلیس بڑا برافروختہ ہُوا، ور غصّے کی حالت میں بہ آوازِ بلند کہنے لگا :

"اے قریش کی جماعت! خدا کی قسم ہم نے اس پر تم سے حلف نہیں اٹھایا تھا، اور نہ اس بات پر فیصلہ ہوا تھا۔ کیا ان آدمیوں کو روک دیا جائے گا جو کعبہ کی تعظیم کرتے ہُوئے آ رہے ہیں؟ اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں حلیس کی جان ہے یا تو تم محمدؐ کو خانۂ کعبہ میں آنے دو گے یا میں تمام قبائل[1] کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ قبائل میں سے ایک آدمی بھی یہاں نہ رہے گا۔"

---

[1] : یہاں عربی میں لفظ احابیش ہے۔ یہ لوگ عرب کے تیر انداز قبائل تھے۔ سیاہ رنگ ہونے کی وجہ سے ان کو حبشیوں کی طرف منسوب کیا گیا، یا یہ حُبشی کی طرف منسوب ہیں، جو مکہ کی جانب ایک پہاڑ کا نام ہے۔

اس کے علاوہ احابیش ان مختلف افراد پر بولا جاتا ہے جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہوں۔ ۱۲

قریش نے بڑی مشکل سے اسے سنبھالا کہ "ذرا ٹھہرو اور اس کام کے انجام کو سوچو!"

قریش نے طے کیا کہ عروہ بن مسعُود کو بات چیت کرنے کے لیے بھیجا جائے۔ وہ ایک بڑا عقلمند اور دُور بین آدمی تھا۔ اس نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کر کے واپس آئے تو کوئی ایسی بات نہ واقع ہو، جس سے قریش ناراض ہو جائیں۔ بہر حال قریش نے منت سماجت کر کے اس کو تیار کر لیا، اور کہا:

"تمہاری شخصیت ہماری نگاہ میں ذرا بھی مشکوک نہیں ہے اور ہم تمہاری عقلمندی اور حُسنِ رائے پر مطمئن ہیں۔"

سو عروہ بن مسعود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لیے آیا اور کہا:

"مکہ آپؐ کا پیارا شہر ہے، اس میں آپؐ ہی کی قوم اور آپؐ ہی کا خاندان آباد ہے، یہ مناسب نہیں ہے کہ آپؐ [1] ایسے ویسے آدمیوں کو لے کر مکہ پر حملہ کرنے کی کوشش کریں۔ جب جنگ بھڑک اٹھے گی، تو یہ لوگ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے، اور آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہُ نے اسے جواب دیا۔ "کیا ہم لوگ آپؐ کو چھوڑ جائیں گے؟"

عروہ بن مسعُود پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصروفِ گفتگو ہوا۔ وہ گفتگو کے دوران میں بار بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگاتا جاتا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عروہ بن مسعود کے ہاتھ کو جھٹک دیا اور کہا:

"اپنا ہاتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مُبارک سے دُور رکھو ورنہ یہ ہاتھ تمہاری طرف واپس نہیں آئے گا۔"

---

[1] : یہاں عربی لفظ اَوْشَاب ہے۔ جس کے معنی ہیں، مختلف جگہوں اور قبائل کے آدمی، ۱۲

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ سے ایک ہی فیصلہ کن بات ارشاد فرمائی، جس سے تمام جھگڑے ختم ہو جائے اور ہر طرح کے شبہات دُور ہو جائیں۔

"میرا لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، میں صرف بیت اللہ کی زیارت کا حق مانگتا ہُوں جس طرح دوسرے لوگوں کو زیارت کی اجازت ہے۔"

عروہ بن مسعود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اُٹھ کر آ گیا۔ وہ صحابہ کرام رض کی جاں نثاری اور فدائیت بڑے غور سے دیکھتا رہا تھا کہ آپؐ جب وضو کرتے تو آپؐ کے وضو کا پانی نیچے نہ گرنے پاتا اگر کوئی آپؐ کا بال گرتا ———— تو فوراً اسے کوئی اٹھا لیتا، وہ قریش کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا :

اے قریش کی جماعت! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ اپنی قوم میں ایسا نہیں دیکھا جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے صحابہ میں ہیں۔ میں نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے جو کسی حال میں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہیں چھوڑے گی۔ اب تم اپنی مرضی سے جو چاہو کرو، تمہیں اختیار ہے۔"

قریش کے تمام ایلچی بخیر و عافیت مسلمانوں کے پاس سے واپس آ گئے۔ انہیں کسی مسلمان نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اور سب ہی لوگ مسلمانوں کی نیک نیتی سے مطمئن ہو کر واپس آئے، اب قریش کے حلفاء جو لڑائی کی تجویزیں سوچ رہے تھے، سنجیدگی سے اس معاملہ پر غور کرنے لگے۔ اختلافِ رائے پیدا ہُوا یہاں تک کہ منصف مزاج اور متعصب قریشیوں کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑک اٹھنے کا امکان پیدا ہو گیا۔

ب : مُسلمان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن امیہ خزاعی کو اشرافِ قریش کے پاس بھیجا، کہ جا کر آں حضرت صلعم کے ارادہ سے انہیں مطلع کر دیں۔

قریش نے ان کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور خود انہیں بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ احابیش کی مداخلت سے انہوں نے خراش کو بادلِ نخواستہ چھوڑ دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف بھیجا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر گئے۔ مکّہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا شخص جو آپ کو ملا وہ ابان بن سعید تھا۔ اس نے اس وقت تک حضرت عثمانؓ کو اپنی پناہ میں رکھا، جب تک کہ وہ آں حضرتؐ کی پیغام رسانی سے فارغ ہوئے۔

پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ باتیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچائیں جو قریش نے کہی تھیں۔

قریش نے کہا تھا :

" اے عثمانؓ ! اگر آپ چاہیں تو صرف آپ بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہیں ! "

عثمانؓ نے فرمایا :

" جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے، میں بھی طواف نہیں کروں گا۔ ہم آئے تو اسی غرض سے ہیں کہ اس بیت العتیق کی زیارت کریں، اس کی تعظیم بجا لائیں اور عبادت کے فریضہ کو اس کے اندر ادا کریں۔ ہم اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لائے ہیں۔ جب ہم انہیں ذبح کر لیں گے تو بالکل سکون اور سلامتی کے ساتھ واپس چلے جائیں گے۔ "

قریش نے جواب دیا :

" ہم قسم کھا چکے ہیں کہ اس سال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہ زورِ قوّت شہر مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ "

گفتگو کافی لمبی ہوگئی اور عثمانؓ خاصی دیر تک شہر میں رُکے رہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس افواہیں پہنچنے لگیں کہ قریش نے عثمانؓ کو دھوکے سے شہید

کر دیا ہے۔

جب ایسی خبریں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں تو آپؐ نے فرمایا :

" ہم عثمانؓ کا قصاص لیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔"

آپؐ نے لوگوں کو موت کی بیعت کے لیے دعوت دی۔ مسلمانوں نے ایک درخت کے نیچے آں حضرتؐ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی جو "بیعۃ الرضوان" کے نام سے مشہور ہے۔

جب تمام مسلمان آپؐ سے بیعت کر چکے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا اور عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کی، گویا، وہ بھی ان کے ساتھ حاضر ہیں۔

اس کے بعد عثمانؓ کی غیر حاضری زیادہ دیر تک نہ رہی۔ قریش اس بات سے گھبرائے کہ مبادا ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ کیوں کہ عثمانؓ بھی اپنی جگہ ایک رئیس اور سردار تھے۔ جب آپ واپس آئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اب قریش کو اس بات میں تو کوئی شک نہیں رہا کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ بیت اللہ کی تعظیم کے لیے تشریف لائے ہیں، لیکن وہ مسلمانوں کو کسی حال میں بھی اس سال مکہؓ میں داخل نہیں ہونے دیں گے تاکہ عرب لوگ یہ نہ کہیں، کہ قریش مسلمانوں سے مرعوب ہو کر دب گئے ہیں۔

۱۔ آخری گفت گو

قریش نے سہیل بن عمرو کو آں حضرتؐ سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔

مدعا یہ تھا :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرامؓ سمیت اس سال واپس جانے پر رضامند کر لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا استقبال کیا۔ یہ تمام قریش میں صلح کا سب سے زیادہ خواہش مند تھا۔ سہیل نے گفتگو شروع کی اور بڑی دیر تک گفت گو کرتا رہا، اور

مسلمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد تمام باتیں سُن رہے تھے ان میں سے بعض بمشکل صبر کر رہے تھے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلمانوں کا اعتماد اور ایمان نہ ہوتا، تو وہ قریش کے ساتھ اس صلح کی گفتگو کو ختم کر دیتے اور لڑائی شروع ہو جاتی۔ یہاں تک کہ مسلمان مکّہ میں داخل ہو جاتے۔

لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی جماعت پر پورا کنٹرول تھا اور وہ صلح کی گفتگو پورے اعتماد سے کر رہے تھے۔

جب آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس گفتگو سے کبیدہ خاطر دیکھا تو آپؐ نے ان سے فرمایا :

"میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسُول ہوں، میں اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا، وہ مجھے کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔"

اور ان چیزوں میں سے جو مُسلمانوں کو لڑائی کے لیے بھڑکا رہی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ صبر بھی تھا، جس کا مظاہرہ دورانِ کتابت معاہدہ آپؐ سے ہو رہا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بلایا اور فرمایا :

"لکھو، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

سہیل نے کہا :

"ذرا ٹھہر جائیے، میں رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتا۔ آپ اس طرح لکھیئے :

"باسمک اللّٰھم"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"لکھو، باسمک اللّٰھم"

پھر آپ نے فرمایا لکھو :

"یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے سہیل بن عمرو نے صلح کی۔ ہے۔"

سہیل نے کہا :

" ذرا ٹھہر جایئے۔ اگر میں یہ تسلیم کر لوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر میری آپ سے لڑائی کیسی ؟ آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیئے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" لکھو ، یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ ــــــ صلی اللہ علیہ وسلم ــــــ نے صلح کی ہے۔"

صُلح نامہ[1]

۱۔ صلح نامہ کی عبارت

" اے اللہ تیرے نام سے - یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی ہے۔ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ دس سال تک لوگوں کو لڑائی سے روک دیا جائے۔ اس مدت میں ہر آدمی مطمئن ہو کر چل پھر سکتا ہے۔ کوئی آدمی کسی آدمی سے تعرض نہیں کرے گا۔ بلکہ لوگ ایک دوسرے

---

[1] ملاحظہ فرمایئے :

" قانونِ جنگ صلح "

۱۔ صُلح :

اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں متحارب فریق آپس میں لڑائی بند کرنے کیلئے کسی نقطہ پر اتفاق کر لیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

کی حفاظت اور امداد کریں گے۔

شرط یہ ہے کہ :

قریش میں سے جو آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلا جائے گا وہ اسے واپس کر دیں گے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آدمیوں میں سے اگر کوئی قریش کے پاس آجائے تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ :

ہم تمہاری حمایت کریں گے اور تم ہماری حمایت کرو گے۔ کوئی آدمی خفیہ طریق پر بھی بدعہدی نہیں کرے گا اور نہ کوئی کھلی خیانت کا مرتکب ہوگا اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۸ :

ایک صلح عام ہوتی ہے اور ایک مقامی اور جزئی۔

عام صلح یہ ہوتی ہے کہ :

اس میں تمام جنگ کرنے والی فوجیں جنگ کے تمام مقامات پر لڑائی بند کر دیں۔

اور مقامی اور جزئی صلح یہ ہوتی ہے :

بعض متحارب فوجیں لڑائی بند کر دیں اور بعض لڑائی جاری رکھیں۔

۲۔ صلح کے شرائط اور ان کا اثر :

صلح کا معاہدہ عام طور پر لکھ کر مکمل کیا جاتا ہے، لیکن ایسا کوئی قانون نہیں پایا جاتا۔ جس سے زبانی معاہدہ صلح کی ممانعت ثابت ہوتی ہو۔ صلح نامہ میں یہ ضروری ہے کہ صلح کی مدت کی ابتداء اور انتہاء کا تذکرہ ضروری ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

جو آدمی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ عہد و الحاق کرنا چاہے، وہ بڑی خوشی سے کر سکتا ہے اور جو شخص قریش سے عہد و الحاق کرنا چاہے۔ وہ پوری آزادی سے اس کا مجاز ہے۔

مسلمان اس سال واپس چلے جائیں گے مکہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور آئندہ سال قریش مکہ خالی کر دیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سمیت اس میں داخل ہو سکیں گے۔ مسلمانوں کو تین دن مکہ میں رہنے کی اجازت ہوگی۔

مسلمانوں کے پاس سواروں کے ہتھیار، ہوں گے۔ یعنی تلواریں ہوں گی، میانوں میں لپٹی ہوئی اور ان کے سوا مسلمان اور کوئی ہتھیار لے کر مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۹ :

جب صلح کا اعلان ہو جائے تو فوراً جنگ بند کر دینی چاہیئے اور شرائط صلح کی عبارت بالکل واضح ہونی چاہیئے۔

۳۔ معاہدۂ صُلح کا توڑ دینا یا اسکی مدّت کا ختم ہو جانا :

اس میں شارحین کا اختلاف ہے کہ اگر ایک فریق صلح کی شرائط کو توڑ دے تو دوسرے فریق کو اس کی وجہ سے معاہدہ کو توڑنے اور جنگی سرگرمی جاری کرنے کا اختیار ہے یا نہیں ؟

پرانے شارحین کا نظریہ یہ ہے کہ :

اگر ایک فریق صلح کی شرائط کی خلاف ورزی کرے تو دوسرے فریق کو بغیر کسی تنبیہ (الٹی میٹم) کے جنگ جاری کر لینے کا اختیار ہے۔

لیکن موجودہ زمانے کے شارحین کا خیال ہے کہ : (باقی اگلے صفحہ پر)

۲- صلح کی اہم دفعات :

ا : قریش نے اعتراف کر لیا کہ مسلمان قوم بھی ان کے برابر کی ایک قوم ہے۔

ب : نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے حلیف بنانے کے لیے راستہ کھل گیا۔ وہ قبائل جو صرف قریش کی طاقت کے خوف سے یا اس لحاظ سے کہ خانہ کعبہ شہر مکّہ میں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے صلح کے معاہدے نہیں کر سکتے تھے، اب وہ کھلم کھلا آپ سے صلح کے معاہدے کرنے لگے اور اس کی بہترین دلیل یہ ہے کہ بنو خزاعہ نے اس صلح کا اعلان ہوتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔

ج : مسلمانوں کو دل جمعی اور اطمینان سے اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے وقت مل گیا، لے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۰ :

اگر ایک فریق معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کرے تو دوسرے فریق پر ضروری ہے کہ اس کی بدعہدی کا اعلان کرے اور پھر اپنے معاہدہ کو توڑنے کا اعلان کر دے۔ اس کے بعد وہ جنگ شروع کر سکتا ہے۔

مدتِ معاہدہ ختم ہونے کے بعد صلح کا معاہدہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

اگر صلح نامہ میں کسی خاص تاریخ کا تعیّن نہ کیا گیا ہو، تو فریقین میں سے ہر ایک کو اجازت ہے کہ وہ بارہ جنگ شروع کر دے، بشرطیکہ دوسری طرف سے اعلان ہو جائے۔ اس معاہدہ کی رو سے جس میں متفقہ طور پر شرائط طے کی گئی ہوں۔

لے : اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ :

قریش اور مسلمانوں میں جو صلح ہوئی تھی اس کی مدت دس سال تھی لیکن واقدی کا خیال ہے کہ صلح کی مدت دو سال تھی، ۱۲

د : مسلمانوں کے لیے آئندہ سال خانہ کعبہ کی زیارت اور مکہ مکرمہ میں تین دن تک رہنے کی کُھلی اجازت ہو گئی۔

صُلح حُدیبیہ سے کیا سبق مِلتے ہیں؟

۱۔ مقصدِ اولیٰ کی تعین :

جنگ کی مہم شروع کرنے سے پہلے اپنے اصلی مقصد پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیئے اور وہ اس طرح کہ پہلے اپنے مقصد کو متعین کر لیا جائے اور پھر اس مقصد تک پہنچنے کے لیے پوری طرح غور و فکر کیا جائے۔ پھر کوئی ایسی تجویز مقرر کی جائے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مناسب ہو اور پھر تجویز کو عملی جامہ پہنایا جائے اور مقصد کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھا جائے۔ ماسوا اس بات کے کہ ہم کوئی دوسرا مقصد متعین کریں، اور اس کے لیے اپنی رائے میں تبدیلی پیدا کر لیں۔

صلح حدیبیہ کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہم مقصد پر پامردی سے جمے رہنا کُھل کر سامنے آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ جو آدمی اپنے مقصد پر جمے رہنے کے لیے ہدایت اور روشنی حاصل کرنا چاہتا ہو، وہ اس واقعہ سے بڑے واضح سبق حاصل کر سکتا ہے اور مقصد کی تعیین کے معنی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے باہر نکلتے وقت ہی ایک مقصد متعین کر لیا تھا کہ قریش سے کسی حال میں بھی لڑائی نہیں کریں گے بلکہ جب تک قریش لڑائی کے لیے مجبور نہ کر دیں گے۔ افہام و تفہیم اور صلح صفائی کی پوری کوشش کی جائے گی۔

آپؐ نے اپنے اس مقصد کو ہمیشہ اپنی نگاہ میں رکھا۔

آپؐ احرام کی حالت میں نکلے اور اپنے ساتھ صرف سوار کے ہتھیار یعنی میانوں میں ڈال کر تلواریں اپنے ساتھ لیں۔ جب آپؐ کو اطلاعات کے ذریعے پتہ چل گیا کہ قریش لڑنے پر آمادہ ہیں تو آپؐ نے ہر حال میں صلح پر اصرار کیا۔ آپؐ عام راستہ چھوڑ کر ایک غیر معروف اور نہایت مشکل اور دشوار گذار راستہ پر چل پڑے۔ جس کو عبور کرتے وقت صحابہ کو بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ کو چھوڑ دینا محض اسی لیے تھا کہ قریش کے دستوں سے تصادم نہ ہونے پائے۔ کیوں کہ موضع عسفان میں اگر مسلمان مقیم رہتے، جہاں تک وہ پہنچ چکے تھے تو اس کا نتیجہ طرفین کے تصادم کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ قریش مسلمانوں کے مقام سے بہت قریب آچکے تھے اور ان کی شرارتوں کا قلع قمع ضروری ہو جاتا، اور اگر بفرض محال مسلمان مدینہ کی طرف واپس آنے کا ارادہ کرتے تو یقیناً قریش ان کا تعاقب کرتے، ان دونوں صورتوں میں تصادم لازمی اور قطعی تھا۔

لیکن آپ کے عام راستہ کو چھوڑ کر غیر معروف راستہ پر مکہ کی طرف کوچ کرنے نے قریش کے دستے کو مجبور کر دیا کہ وہ لوگ جلدی سے مکہ مکرمہ واپس پہنچیں اور مکہ کا دفاع کریں۔ کیونکہ مسلمان مکہ سے بہت قریب آچکے تھے اور انہوں نے مشرکین کو دھمکی بھی تھی، اور مسلمانوں کا اس طرح راستہ چھوڑ کر مکہ کی طرف کوچ کرنا قریشی فوجوں کے خوف کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ جو آدمی دشمن سے ڈرتا ہو وہ اسکے مرکز[1]

---

[1] مرکز:

مرکز وہ مقام ہوتا ہے جہاں سے فوجیں نکل کر حملہ آور ہوتی ہوں اور حملہ کرنے سے پہلے وہاں اپنا پڑاؤ رکھتی ہوں۔

مرکز دو طرح کا ہوتا ہے:-

ایک نقل و حرکت کا مرکز، اور ایک خورد و نوش کا مرکز۔

عموماً یہ دونوں مرکز ایک ہی جگہ ہوتے ہیں۔ لیکن گاہے بگاہے الگ الگ بھی ہوتے ہیں۔

سے قریب نہیں ہوتا بلکہ اس سے دُور جانے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ دشمن کی دفاعی لائن وسیع ہو جائے، اور اس طرح دشمن کی مشکلات میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے اور کامیابی اور بدلاء کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے بہ نسبت اس کے کہ دشمن کے اصلی مرکز سے آدمی قریب تر ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں پہنچ گئے، پھر بھی آپ اپنے اصلی مقصود پر مصر رہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی اسے فراموش نہیں کیا۔

قریش کے ایلچیوں کے مسلمانوں کے لشکر میں آنے جانے سے جو مسلمانوں کی سلامت روی کا سراغ لگانے کے لیے آتے رہے، میدان بڑا وسیع ہو چکا تھا، اور پھر مسلمانوں کی طرف سے بھی ایلچی جاتے رہے تاکہ مشرکین کو یقین دلائیں کہ ان کی نیت سچی ہے۔ وہ کسی حال میں بھی لڑنا نہیں چاہتے ان کا مقصد صرف بیت اللہ کی زیارت ہے اور بس!

اور پھر جب مشرکین کے لشکر نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور ان پر تیر اندازی کی تو مسلمانوں نے صرف انہیں گرفتار کر لیا۔ ان کو کسی قسم کا جانی یا مالی نقصان نہیں پہنچایا۔ مسلمان عملی طور پر ان کو گرفتار کر چکے تھے ان پر انہیں پوری طرح اختیار تھا، اس کے باوجود انہیں پھر چھوڑ دیا گیا اور بغیر کسی قسم کی تکلیف پہنچائے قریش کے پاس بھیج دیا گیا۔

کیا یہ تمام چیزیں اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ساتھ مفاہمت کرنا چاہتے تھے اور طرفین میں صلح کے خواہشمند تھے؟

اس غزوہ میں ہم ایک ایسی چیز بھی دیکھتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری جنگوں میں نہیں ملتی وہ یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صلح کرتے وقت صحابہ میں سے کسی سے بھی مشورہ نہیں کیا، اور آپ اپنی رائے پر استقلال سے جمے رہے۔ اپنی رائے پر اتنا اصرار کرنے کا سبب بالکل ظاہر ہے۔

وہ یہ کہ آں حضرتؐ طے کر چکے تھے کہ لازمی طور پر قریش سے صلح کرنا ہے اور اس فیصلے میں کسی سے مشورہ کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس صلح کا جو مقصد تھا وہ نہایت دور اندیشی پر مبنی تھا، جس کے متعلق اس وقت کسی کو بتانا مسلمانوں کے لیے اور خود اسلام کے لیے بھی مصلحت سے بعید تھا اور پھر اس کے بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ آپؐ کا مقصد کس طرح پورا ہوا۔

حدیبیہ میں مسلمانوں کی فوجی طاقت صرف چودہ سو آدمی تھے اور دو سال بعد فتح مکہ کے روز یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ چکی تھی اور ان دونوں طاقتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگر اس وقت یہ صلح نہ ہو جاتی تو کیا اسلام کے لیے ممکن تھا کہ ایسے حالات میں اتنی سرعت اور تیز رفتاری سے پھیل سکتا؟

۲۔ ضبط و نظم:

میں جب کبھی بھی غزوۂ حدیبیہ کی تفاصیل کتب سیر سے مطالعہ کرتا ہوں، تو میرے دل کی گہرائیوں سے بے اختیار آواز اٹھتی ہے کہ کتنا بڑا حوصلہ تھا جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ بہرہ مند تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا مؤقف صلح کی گفتگو کے دوران میں بھی اور اس کے بعد بھی مدینہ منورہ کی واپسی تک نہایت مشکل تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اپنے دور و نزدیک مقاصد پر مرکوز تھی اور آپؐ اس کے لیے نہایت صبر اور حوصلے اور اصرار سے کام کر رہے تھے۔

لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے حالات میں تمام صحابہؓ کو اپنے مقصد کے فوائد ذہن نشین کرا سکتے؟

پھر یہ بھی دیکھیے کہ مسلمانوں کا مؤقف کتنا مشکل تھا۔ ان میں سے ایک آدمی کو بھی مکہ کے داخلے کے متعلق شک نہیں تھا۔ اور گفتگو کے دوران ان کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں، اور پھر کوئی آدمی بھی اس صلح کے اسباب کو نہیں سمجھ رہا تھا۔

بظاہر وہ دیکھ رہے تھے کہ صلح کے شرائط ہمارے لیے سراسر نقصان دہ ہیں اور ان کا عقیدہ اس چیز کے علاوہ ہر چیز کو قبول کرنے پر تیار تھا۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے کمزور مسلمان بھائیوں کو کفار کی طرف واپس کیا جا رہا تھا تاکہ وُہ ان کو ان کے دین سے زبردستی پھیر دیں۔

اگر مسلمان حقیقتاً کمزور ہوتے یا اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہوتے تو اتنی مصیبت نہ ہوتی۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ مادی اور معنوی دونوں لحاظ سے طاقتور تھے، پھر وہ ایسی صلح پر اور اس انداز سے کیسے مطمئن ہو سکتے تھے؟

عین اس وقت جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح نامہ کی تحریر کر رہے تھے، مسلمانوں کے پاس ابو جندل آ گیا اور وہ اس سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا جو قریش کی طرف سے گفتگو کرنے کا مختار تھا۔ ابو جندل لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنے مشرک خاندان سے بے انداز تکلیفیں برداشت کر رہا تھا۔ جب سہیل بن عمرو نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اور اسے کھینچنے لگا، تاکہ اسے قریش کے سپرد کر دے، اور ابو جندل بلند آواز سے چیخ رہا تھا:

" اے مسلمانوں کی جماعت! کیا مجھے قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا، تاکہ وہ مجھ کو میرے دین سے پھیر دیں۔"

ایسے مقام پر مسلمانوں کا اس چیز کو برداشت کر جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے اس کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کیا اور ان دھمکیوں کو بھی برداشت کیا، جو بعض مسلمانوں کو نہایت شاق گزر رہی تھیں اور پھر سب سے بڑھ کر ان کو جو چیز برانگیختہ کر رہی تھی وہ انکی غلبۂ اسلام کی حرص تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی جماعت پر گفتگو کے دوران اور اس کے بعد بھی بعض مسلمانوں کی دھمکیوں کے باوجود پوری طرح کنٹرول، اور مسلمانوں کا اپنے دل و دماغ پر ایسے

مشکل وقت میں کہ صلح اور گفتگو کی بعض دفعات نہایت تکلیف دہ تھیں۔ قابو رکھنا، یہ تمام باتیں اس چیز کی دلیل ہیں کہ مسلمان قوم اس وقت ایسے صبر اور تحمل سے مزیّن تھی جو حد درجہ تعجب انگیز اور حیرت میں ڈالنے کا باعث ہے۔

۳۔ مسلح حفاظت[1] :

حدیبیہ کا معاہدہ اس وقت تک مضبوط نہیں ہو سکتا تھا، جب تک کہ بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ نہ کر لیتے۔ چنانچہ بنو خزاعہ نے آپؐ سے معاہدہ کر لیا اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔ اس طرح مسلمانوں کو ایک بڑے طاقتور دوست کا فائدہ پہنچ گیا۔ اس کی اہمیت اس حیثیت سے بہت بڑھ گئی کہ یہ لوگ قریش کے بالکل قریب آباد تھے۔

بنو خزاعہ صلح حدیبیہ سے پہلے بھی مسلمانوں کی طرف دل سے مائل تھے اور ان کے خاندان کے بعض افراد میں اسلام پھیل چکا تھا، لیکن بنو خزاعہ اس صلح سے پہلے مسلمانوں سے معاہدہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مذہبی لحاظ سے ان کی مصلحتیں خانہ کعبہ سے وابستہ تھیں اور اس پر قریش کا قبضہ تھا۔ اس کے علاوہ دوسری مصلحتیں بھی اس صلح کے معاہدے میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔

حدیبیہ کی صلح نے خیبر کے یہودیوں کی تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا جو یہ آس لگائے

---

[1] : یہاں عربی لفظ "حیاد" ہے۔

اور قانون بین المملکتی میں حیاد کے معنی ہے " ایسی قانونی حالت کہ جس میں کوئی حکومت جنگ میں نہ الجھ سکے اور ان کے علاقے متحارب فریق کے ہاتھوں محفوظ رہیں اور حیاد مسلح، حیاد عادی کی طرح ہے اور ان دونوں میں فرق صرف یہ ہے کہ حیاد عادی میں حکومت محاربہ کی طرف سے طاقت کے استعمال کا اعلان اس لیے کیا جائے کہ اسکے علاقے محفوظ رہیں اور متحارب حکومت اس کے علاقہ میں دخل اندازی نہ کر سکے۔ ۱۲

بیٹھے تھے کہ اگر مسلمانوں نے ان سے محاسبہ شروع کیا تو وہ قریش سے امداد حاصل کر لیں گے جو مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ ان یہودیوں کی کتنی ہی دراندازیاں اور شرارتیں تھیں جو انہوں نے مسلمانوں کے لیے پیدا کر رکھی تھیں۔

اس صلح نے مدینۂ منورہ کے جنوبی علاقہ کو مسلمانوں کے لیے ایک امن کی سرزمین بنا دیا۔ حالانکہ یہی وہ علاقہ تھا جو اسلام کی دعوت کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ :

اس علاقہ میں نہایت طاقتور اور مہذّب شہری قبیلے آباد تھے، جن کا باقاعدہ نظامِ حکومت تھا۔ اس کے برخلاف مدینہ کے شمال میں جو علاقہ تھا عراق اور شام کی حدود تک تمام تر بدوی علاقہ تھا جو حد درجہ اجڈ اور گنوار قسم کے آدمی تھے۔

جب اس صلح نے امن کی حالت پیدا کر دی تو اسلام بڑی سرعت سے عرب میں پھیلنے لگا اور اس امن نے مسلمانوں کی قوت میں بے انداز اضافہ کیا۔ یہ بتایئے کہ اس صلح نے قریش کو کیا دیا ؟

صلح کرتے وقت قریش کے سامنے جو مقاصد تھے، وہ نہایت سطحی تھے جنہیں جاہلیّت کی عصبیّت نے جنم دیا تھا۔

ان مقاصد کا خلاصہ کیا تھا ؟

یہی نا کہ مسلمان اس سال بیت اللہ کی زیارت نہ کریں اور واپس چلے جائیں، اور آئندہ سال آکر زیارت کریں اور ان اشخاص کو واپس کیا جائے جو اپنے اولیاء کی مرضی کے خلاف مسلمان ہو جائیں، تاکہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ نہ ہو جائے اور یہ کہ اس صلح سے اطمینان حاصل کر لیں، تاکہ انہیں تجارت کے لیے فراغت نصیب ہو جائے ——— اور یہ قریش کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

لیکن نتیجہ کیا ہُوا ؟

ابوبصیر مسلمان ہو کر مکہ سے مدینۂ منورہ اپنے اولیاء کی مرضی کے خلاف چلا گیا۔ تو ازہر بن عوف اور اخنس بن شریق نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکتوب بھیجا کہ ابوبصیر کو واپس کر دیا جائے۔ یہ مکتوب بنو عامر کے ایک آدمی کو دے کر بھیجا گیا اور اس کے ساتھ ان کا غلام بھی گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" اے ابوبصیر! تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے قریش سے کیا معاہدہ کر رکھا ہے اور ہمارے دین میں دھوکہ اور غداری کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالٰے تمہارے لیے اور تمہارے کمزور ساتھیوں کے لیے کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ۔"

ابوبصیر نے کہا :

" اے اللہ کے رسولؐ ! کیا آپؐ مجھے مشرکوں کے پاس واپس کر دیں گے کہ وہ میرے دین کو خراب کریں ؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنی پہلی بات کو دہرایا۔

ابوبصیر ان دونوں آدمیوں کے ساتھ واپس چلے آئے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے، تو اپنے نگران عامری سے کہا :

" مجھے اپنی تلوار تو ذرا دکھاؤ۔"

جس وقت تلوار کا قبضہ ان کے ہاتھ میں آگیا، فوراً عامری پر حملہ کر دیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اور وہ غلام مدینہ کی طرف بھاگتا ہوا آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہا :

" ابوبصیر نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا۔"

وہ ابھی وہیں کھڑا تھا کہ ابوبصیر بھی پہنچ گیا۔ اس نے تلوار اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا :

"آپ کا عہد پورا ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی طرف سے حق ادا کر دیا۔ آپ نے مجھ کو اُس قوم کے سپرد کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بچا لیا کہ میں کہ دین میں فتنہ پڑتا، یا قریش میرا تماشہ دیکھتے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس اقدام کو نہیں سراہا۔ بلکہ یہ بات پسند خاطر ہوئی کہ اس کے ساتھ زیادہ آدمی نہیں ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے ابوبصیر کے متعلق فرمایا:

"یہ کمبخت جنگ کے شعلے بھڑکانا چاہتا ہے۔ ایسا ہی تھا تو اس کے ساتھ زیادہ آدمی ہوتے۔"

ابوبصیر سمجھ چکا تھا کہ مدینۂ منورہ میں اس کے لیے کوئی ٹھکانا نہیں ہے اور نہ مکہ میں کوئی امن کی جگہ ہے، وہ ساحل سمندر کی طرف نکل گیا۔ اور اس مقام پر جا کر ڈیرہ لگا لیا۔ جس کو عیص[1] کہا جاتا تھا اور وہ قریش کے ان گزرنے والے قافلوں کے لیے خطرہ بن گیا۔ جو ساحل کے راستے سے شام کی طرف جاتے تھے جو شام کی طرف جانے کا سب سے بڑا راستہ تھا۔ مسلمانوں نے مکہ میں ابوبصیر کے مقام کے متعلق بھی سُن لیا اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا تھا وہ بھی سُن لیا تھا:

"یہ کمبخت جنگ کے شعلے بھڑکانا چاہتا ہے۔ کاش! اس کے ساتھ زیادہ آدمی ہوتے۔"

مکہ مکرمہ کے مُسلمان اب ابوبصیر کے پاس جمع ہونے لگے، اور اس کے بازو خوب مضبوط ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس کے پاس ستر[2] کے قریب مُسلمان اکھٹے ہو گئے۔ جن میں

---

[1] : عیص

ذی المروہ کے پاس بحیرہ احمر کے کنارے ایک بستی تھی اور یہ اس راستہ پر واقع تھی جس پر قریش تجارت کی غرض سے شام کی طرف جایا کرتے تھے ۱۲

ابو جندل بن سہیل بن عمرو بھی تھا۔

ان تکلیف برداشت کرنے والوں اور عقوبت یافتہ لوگوں میں انتہا درجہ کی الفت پیدا ہو چکی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے پاس اپنی تلواروں کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی۔ یہ لوگ اپنے عقیدے اور ایمان کی وجہ سے اپنے گھروں اور مال و دولت سے بھاگ آئے تھے۔ ان میں اتحاد عقیدہ کی بناء پر پُورا اتفاق تھا۔ قریش کا جو قافلہ بھی گزرتا یہ اسے لُوٹ لیتے، اور جس قریشی کو دیکھتے، اسے قتل کر ڈالتے۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ قریش نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کی درخواست کی، اور قرابت کا واسطہ دیا اور کہا کہ ان مسلمانوں کو جو مکہ میں از روئے عہد رہنے پر مجبور تھے اپنے پاس بلا لیجئے جنھوں نے ہمارا گلا گھونٹ رکھا ہے۔ ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس طرح قریش اپنی اس شرط سے دستبردار ہو گئے، جس کو وہ اپنی بہت بڑی کامیابی تصوّر کرتے تھے، اور بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے مسلمان بھی اس شرط کو قریش کی کامیابی سمجھتے تھے اور یہ وہ شرط تھی جو کم از کم ان کے شایانِ شان نہیں تھی۔

اس طرح مسلمانوں نے اپنے معاہدے کی تمام شرطوں کی پابندی کی اور اپنے دین کی نشر و اشاعت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

مکہ میں رہنے والے مسلمان تو قریش سے نمٹتے رہے اور باقی مسلمان ویسے محفوظ رہے۔ اور بھاگنے والے اپنے دین کے لیے لڑتے رہے۔ اس طرح ایک نہایت طاقت ور، اور مسلح حفاظت مسلمانوں کو نصیب ہو گئی۔

۴۔ پروپیگنڈے کی جنگ:

مسلمانوں نے بیت اللہ کی زیارت کے لیے نکل کر پروپیگنڈے کی ایک بہت بڑی جنگ قریش پر مسلّط کر دی تھی۔ مسلمانوں نے علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ ہم بیت اللہ کی تعظیم کے لیے آئے

ہیں اور عملی طور پر اس کا ایسا ثبوت دیا جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی مسلمانوں کے اس دعویٰ کو تمام عرب سُن چکا تھا۔ پھر جب قریش نے مسلمانوں کو مسجد الحرام کی زیارت سے روک دیا تو تمام عرب نے سمجھ لیا کہ قریش نے مسلمانوں پر ظلم کیا ہے۔ ان کو حق نہیں تھا کہ کسی ایسے آدمی کو روکتے جو بیت اللہ کی زیارت اور تعظیم کے لیے آتے۔ اس طرح اندرونی طور پر عرب کی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ ہوگئیں۔

اور آپ نے دیکھ بھی لیا:

جب قریش نے حلیس بن علقمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا، تو جب اس نے قربانی کے جانوروں کو وادی میں دیکھا تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کیے بغیر واپس آگیا، اور قریش کو اپنے "تاثرات سے مطلع کیا اور انہیں ان کے ارادے سے باز رکھنے کے لیے اس نے شدید دھمکی بھی دی۔

بلکہ مسلمانوں کے اس دعویٰ نے مکہ کے اندر بھی جنگ بھڑکا دی تھی۔ قریش بھی آپس میں دُو بدُو ہو رہے تھے اور قریش اور احابیش بھی۔

اور عثمان رضی اللہ عنہ کو جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکّہ میں قریش سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تو انہوں نے مکۂ مکرمہ کے مسلمانوں سے ملاقات بھی کی اور ان کو اسلام کے اصلی مقصد کی طرف متوجہ بھی کیا۔

غزوۂ حدیبیہؓ حقیقت میں ایک نئی اور ممتاز شکل وصورت کی حرب دعایت (پروپیگنڈا) تھی۔

"صُلح حدیبیہؓ کے نتائج"

۱۔ غزوۂ حدیبیہؓ کے اہم نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

ا : مسلمانوں کو قریش کے برابر ایک مساوی فریق تسلیم کر لیا گیا تھا اور یہ اسلامی حکومت کے متعلق حجاز میں رہنے والے بدترین اور طاقتور دشمن کی طرف سے پہلا اقرار تھا۔

ب : اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان قبائل سے معاہدے کا میدان کھل گیا تھا۔ جو اس سے قبل مسلمانوں سے معاہدہ کرتے جھجکتے تھے۔ قریش کی طاقت کی وجہ سے بھی اور اس لحاظ سے بھی کہ بیت اللہ مکہ میں تھا جس کے ساتھ ان کی مذہبی ہمدردیاں تھیں اور وہ قریش کے قبضہ میں تھا۔ اس طرح مسلمانوں کی پوزیشن بڑی مضبوط ہوگئی۔

ج : اس معاہدہ سے قریش اور ان کے یہودی حلیفوں کے درمیان تفریق ہوگئی جو ہر وقت قبائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔

د : اس سے وہ اطمینان میسّر ہوگیا، جس کی وجہ سے مسلمان اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے یکسو ہوگئے۔

ہ : مسلمان اپنی مسلح حفاظت میں کامیاب ہو چکے تھے۔ عمومی طور پر مسلمان محفوظ اور امن کی حالت میں تھے اور ان کے چھپنے ہوئے افراد مسلّح تھے اور کفار سے لڑائی کر رہے تھے۔

و : مسلمانوں نے اپنے حق میں رائے عامہ کو ہموار کر لیا تھا۔ کیوں کہ قریش نے مسلمانوں کو مسجد الحرام سے روک کر ایک بہت بڑی سیاسی غلطی کی تھی۔ اس وجہ سے بہت سے قبائل مسلمانوں کی طرف جھک گئے تھے بلکہ خود قریش میں سے بھی بعض افراد مسلمانوں کے طرفدار ہو گئے تھے اور قریش کے قرب و جوار کا علاقہ بھی متاثر ہو چکا تھا۔ ان تمام چیزوں نے بعد میں عملی طور پر فتح مکہ کو آسان بنا دیا۔

۲ - یہ حدیبیہ کے نتائج ہیں اور یہ ان مقاصد میں سے چند ہیں جنہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا۔ پھر جب مسلمان مدینۂ منورہ واپس آ گئے اور مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور ان نتائج کے اچھے ثمرات ملاحظہ کیے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسلمانوں کی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا :

"اسلام کے غلبہ کے لیے کوئی چیز بھی اتنی فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی، جتنی صلح حدیبیہ مفید ثابت ہوئی۔"

پھر اس فتح و نصرت کے متعلق قرآن مجید میں آیات نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

انا فتحنا لك فتحا مبين ، یعنی :

ہم نے آپؐ کو فتح مبین عنایت فرمائی۔

اس کے بعد مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی کا کلمہ پڑھنے لگے اور جس فتح قریب کی بشارت ان کو سنائی گئی تھی، اس کے ثمرات نظر کے سامنے آنے لگے۔

۱۵

زمانۂ التوائے جنگ

◎

لقد صدق اللّٰہ رسولہ الرؤیا بالحق
لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللّٰہ اٰمنین
محلقین رؤسکم ومقصرین لاتخافون
فعلم مالم تعلموا فجعل من دون
ذالک فتحا قریبا ۔

القرآن الکریم

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ؐ کا خواب سچّا کر دکھایا
کہ تم مسجد حرام میں امن و عافیت کے ساتھ خدا
کی مرضی کے مطابق داخل ہو گے، سروں کو
منڈوائے اور بالوں کو کٹائے ہوئے، تمہیں کسی
قسم کا خوف نہ ہو گا۔ اللہ وہ کچھ جانتا ہے۔ جو تم
نہیں جانتے۔ سو اللہ نے تم کو اس سے پہلے
فتح قریب عطا فرمائی۔

◎

ثمراتِ حُدیبیّہ

موقفِ عام

۱۔ مُسلمان :

التوائے جنگ کے اثرات وثمرات سے مسلمان پُورے طور پر بہرہ مند ہوئے۔ وُہ نہ صرف جزیرۂ عرب کے اندر، بلکہ اس جزیرے سے باہر بھی اسلام کا پیام نجات اور بشارت لے کر نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے داعی، وقت کے بادشاہوں، سرداروں، امیروں، رئیسوں اور اہمیّت رکھنے والے افراد کے پاس روانہ فرمائے۔ جنہوں نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، اور مسلمان ہو جانے کی ترغیب دی۔

مدینۂ منورہ کا جنوبی علاقہ تو اب مسلمانوں کے لیے امن و اطمینان کا گہوارہ بن چکا تھا۔ صلح حدیبیّہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اب صرف دوٌ دشمن باقی رہ گئے تھے۔ ایک تو یہود، جو خیبر اور اس کے نواح میں رہتے تھے، اور دوسرا دشمن شمال مدینہ میں رہنے والے قبائل اعراب تھے۔

وقت کا تقاضا یہ تھا کہ :

ان دونوں دشمنوں کا خاتمہ کر دیا جاتے، تاکہ ان کے استیصال کے بعد مُسلمان جنگی تیاریوں کے بعد، اپنے سب سے بڑے دشمن ——— قریش ——— اور سب سے

عظیم مقصد ——— فتح مکّہ ——— کے لیے تیار ہو جائیں۔

۲- مشرکین :

صلح حدیبیہ سے پہلے حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ قریش کی تجارت بالکل سرد پڑ چکی تھی۔ اس صلح کے بعد، قریش نے چاہا کہ ان کے کاروانِ تجارت مکہ سے شام کی طرف روانہ کریں، کیونکہ ایک عرصۂ دراز سے یہ راستے ان کے لیے بند ہو چکے تھے۔

چنانچہ قریش کے تجارتی قافلے باقاعدہ طور پر شام کی طرف حرکت کرنے لگے۔ لیکن ابوبصیر اور ان کے بظاہر روپوش ساتھیوں نے ——— جنہیں صلح حدیبیہ کی پابندی کرتے ہوئے مسلمانوں نے قبولِ اسلام کے باوجود مشرکین کو واپس کر دیا تھا ——— قریش کے ان قافلوں کی عافیت چھین لی، وہ ان کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گئے۔ نہایت بیباکی اور جرأت کے ساتھ وہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کرتے، انہیں لُوٹ لیتے، آدمیوں کو قتل کر دیتے، اور جو کچھ ہاتھ آتا لے کر چلتے بنتے، کیوں کہ ان کے پاس زندگی کے وسائل تو تھے نہیں۔ یہ مکّہ سے، بلکہ یوں کہنا چاہیئے، مشرکین کی گرفت سے اس حالت میں بھاگے تھے کہ اپنا مال و دولت اور اہل و عیال سب کچھ وہیں چھوڑ آئے تھے۔

قریش کو یہ صلح اس وقت تک راس نہیں آئی، جب تک بہ منّت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ استدعا نہیں کی کہ وہ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس واپس بلا لیں۔ مسلمانوں نے ان کو محض شرائط صلح حدیبیہ پر عمل کرنے کی خاطر اپنے سے جدا کر کے مشرکین کے حوالے کر دیا تھا۔

شرط یہ تھی کہ :

مکّہ سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر، اپنے ولی اور سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ آجائے تو اسے مشرکین کے پاس مکّہ واپس کر دیا جائے۔

۳- یہود :

یہود اپنی اس روش پر سختی کے ساتھ قائم تھے کہ مسلمانوں کے خلاف خیبر اور آس پاس کے یہودیوں کو بھڑکاتے اور اپنے حلیفوں کو ان سے لڑنے پر آمادہ کرتے رہیں۔ اسلام کو طرح طرح سے بدنام کرتے، اعداءِ مسلمین کی جائے پناہ بنتے اور مسلمانوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ خیانت، غدّاری اور عہد شکنی کا ارتکاب کرتے رہتے۔ جب بھی ذرا موقع ملتا، اس قسم کی سرگرمیوں میں بے پناہ جوش کے ساتھ مصروف ہو جاتے۔

مسلمانوں کے لیے جو خطرہ حد درجہ تہدید آمیز تھا، وہ شمال کا تھا۔

صلح حدیبیہ نے یہودیوں کو قریش کی کھلم کھلا امداد و اعانت سے محروم کر دیا تھا۔ لہذا، خطرے کے وقت یہود اگر کسی سے تعاون اور امداد و اعانت کی توقع کر سکتے تھے تو وہ بنو غطفان تھے۔

یہود کے پیش نظر صرف ایک چیز تھی، اپنا مفاد، یہ حاصل ہو جائے تو پھر انہیں ذرا پرواہ نہیں تھی کہ کس وسیلے اور ذریعے کو انہوں نے استعمال کیا ہے اور اس کے اثرات و ثمرات دوسروں کے لیے کیا ہو سکتے ہیں؟

مقصدِ حیات

مسلمانوں کے سامنے اب جو مقصدِ حیات فی الوقت رہ گیا تھا، وہ یہ تھا کہ قریش کے خلاف مسلمانوں کی ساری طاقت مجتمع کر کے سر و سامانِ جنگ بہم پہنچایا جائے۔

⁂ ⁂ ⁂

غزوۂ خیبر

۱۔ اسبابِ غزوہ

الف : اسبابِ ظاہری

خیبر کے یہود مسلمانوں کو ختم کرنے، اور ان کا استیصال کرنے کے لیے قبائل کو بھڑکاتے رہتے تھے۔ اس خطرے کا سدّباب پیش نظر تھا۔

ب : باطنی سبب

آخر کار، جس طرح بھی ہو، یہودیوں کا خاتمہ اور استیصال ——— تاکہ مدینۂ منورہ منطقۂ شمالیہ کے بدترین دشمنانِ مدینہ سے خلاصی حاصل کی جائے اور اس خطرے سے مطمئن، اور یکسو ہو کر اپنے مقاصد خاصہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

نیز یہ کہ :

اگر، قریش سے جنگ کی نوبت آہی جائے، اور یہ بات قریش کی روش اور انداز اسلوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ بعید از قیاس بھی نہیں تھی۔ بلکہ ہر وقت اس کا امکان تھا، بہر حال اگر قریش سے جنگ ہو، تو یہ منطقہ ہر قسم کے خطرے سے بالکل محفوظ ہو، اور مسلمان دل جمعی اور طمانیّت کے ساتھ ان سے نبرد آزما ہو سکیں، اس کی فکر میں متردّد نہ ہوں۔

طرفین کی قوت و طاقت

الف : مسلمان

مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ ان میں دو سو سوار تھے، باقی پیادے۔ اس لشکر کے قائد اور میرِ سپاہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

یہ وہی فوج تھی جو صلح حدیبیہ کے موقع پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔

ب : یہود

خیبر کے یہودیوں کی تعداد بھی چودہ سو کے لگ بھگ تھی۔ ان کی قیادت سلام بن مشکم کر رہا تھا۔

۳۔ مقصد :

یہود کا خاتمہ اور استیصال،

تاکہ ان کے باعث جو مشاکلِ خطرہ پیدا ہو گئے، اور جن خطرات و حوادث کا سامنا کرنا پڑتا رہتا تھا۔

اور جن دشواریوں اور مصیبتوں کے بادل گھرے رہتے تھے۔ ان سے نجات حاصل کر لی جائے۔

اور اس طرف سے مکمل اطمینان ہو جائے۔

۴ - واقعات و حوادث

الف : ابتدائی کارروائیاں

صلح حدیبیہ کے مراحل سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے ایک مہینے تک مدینۂ منورہ میں قیام پذیر رہے۔ پھر آپؐ نے صحابہ کرام کے ایک گروہ کو لے کر مقامِ رجیع کی طرف کوچ فرمایا۔

اس کوچ کا مقصد یہ تھا کہ یہودِ خیبر اور غطفان کے مابین، تعاون نہ ہونے دیں، کہ دونوں مسلمانوں پہ ایکا کرکے ٹوٹ پڑیں اور مسلمانوں سے مصروفِ قتال ہو جائیں، کیوں کہ یہودی خطرہ اپنے سر پہ منڈلاتے دیکھ کر غطفان سے معاونت کا عہد لے چکے تھے کہ جب بھی وہ مبتلائے خطرات و مصائب ہوں گے، غطفانی ان کی مدد کریں گے۔

یہ کوچ آپؐ نے اس طور پہ کیا کہ غطفانیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمان ان پر زبردست حملہ کرنے والے ہیں اور ان کی قوت و طاقت کو پاش پاش کر کے رکھ دیں گے، اور مسلمان لشکر بس اب پہنچا ہی چاہتا ہے۔

اس کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی طرف رخ کیا اور صحابہ کی ایک جماعت کو واقعۂ غطفان کی طرف روانہ فرما دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ غطفانی، اپنا علاقہ خالی کر کے خیبر میں وارد ہو چکے تھے، صحابہ کے گروہ کو تاکید تھی کہ وہ دیارِ غطفان پہ اچانک حملہ کر کے ٹوٹ پڑیں، اس گروہ کی اس کارروائی نے دیارِ غطفان میں مسلمانوں کا رعب اور ان کی دہشت قائم کر دی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ غطفانیوں کو اپنی پڑ گئی، انہوں نے یہود کو ان کے حال میں چھوڑا، اور

خود اپنے دیار کی طرف واپس آ گئے کہ مسلمانوں کا حملہ روک کر ان کی دستبرد سے محفوظ رہ سکیں۔ اب یہود دبکیہ وتنہارہ گئے تھے، اور مسلمان ان کے سر پر قضائے مبرم اور پیام ہلاکت بن کر وارد ہو چکے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بہت بڑا سیاسی کارنامہ اور حربی پالیسی تھی۔ اس طرح یہود اپنے حلیفوں کی مدد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، بلکہ محروم رہ گئے۔

ب : قتال وجدال

مسلمان لشکر رات کے وقت خیبر میں اس طرح وارد ہوا کہ یہود کو پتہ بھی نہ چل سکا، صبح جب اُن کی آنکھ کھُلی تو وہ محاصرے میں آ چکے تھے، اور مسلمان فوجیں پورے طور پر انہیں گھیرے میں لے چکی تھیں، اپنے محصور[1] ہونے کا پتہ انہیں اس وقت چلا جب کسان کھیتی باڑی کے کام کے لیے باہر نکلے، نظر مسلمانوں کے لشکر پر گئی، الٹے پاؤں گھر واپس آ گئے۔

---

[1] ملاحظہ ہو :

"بین الاقوامی قانونِ جنگ وصلح"

محاصرہ :

"کسی بستی یا شہر کو گھیرے میں لے لینا خواہ وہ محفوظ ہو یا غیر محفوظ، اس کے دفاع کے لیے فوج ہو یا نہ ہو، محاصرہ اس طرح ہو کہ اس بستی سے نہ کوئی باہر نکل سکے، نہ اندر جا سکے اور بستی کے لوگ اپنے آپ کو حوالے کر دینے پر تیار ہو جائیں۔

اسی قانون کے مطابق اس بات کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے کہ محاصرے کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ محصور علاقے میں، نہ لڑنے والے لوگ، مثلاً خواتین واطفال بھوک کا شکار ہو جائیں گے۔ بلکہ محاصرہ کرنے والی افواج پر (باقی اگلے صفحہ پر)

آخر کار ماجرا یہ گزرا کہ محاصرین میں اور محصورین میں جنگ شروع ہو گئی۔

یہ جنگ انتہائی دشوار تھی !

اس دشواری کا سبب یہ تھا کہ خیبر کے ارد گرد بکثرت باغات تھے، جن سے قدرتی طور پر اس کی حفاظت و صیانت کا بندوبست ہو گیا تھا۔

جنگ کے دشوار ہونے کا ایک اور سبب یہ تھا :

خیبر کے یہودی بزدل نہ تھے، طاقت ور تھے، مسلّح تھے، دولت مند تھے۔

یہود نے اپنے زن و فرزند، اور مال و دولت کو دو قلعوں میں وطیح اور سلالم میں محفوظ کر دیا تھا، اور اپنے ذخائرِ ضروریاتِ زندگی، جس قلعہ میں محفوظ کیے تھے اس کا نام ناعم تھا۔

فوجوں کا مرکز جو قلعہ تھا، اس کا نام نطاۃ تھا۔

پہلے ہی دن سے مسلمانوں کے حملے شدت اختیار کر گئے۔ مقصد یہ تھا کہ ان حملوں سے یہود متاثر اور مرعوب ہوں، اس جنگ کی شدّت اور سختی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پہلے دن کی جنگ میں جو مسلمان زخمی ہوئے ان کی تعداد پچاس تھی۔

جب سلام بن مشکم مارا گیا تو حارث بن ابی زینب کی سرکردگی اور قیادت میں یہودیوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۲ :

یہ پابندی بھی نہیں ہے کہ محصور علاقے کے لوگوں کو آمد و رفت کی اجازت دی جائے۔ کیوں کہ وہ جتنا سخت اور شدید ہو گا، محصورین اسی سرعت کے ساتھ ہتھیار ڈالنے، یا اپنے آپ کو حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

علاوہ ازیں محاصرہ کرنے والی فوج کو اپنی صواب دید پر دوسرے اقدامات کی اجازت بھی ہے۔ جس سے شہر کی فتح آسان ہو جائے۔ مثلاً پانی بند کر دینا یا ہتھیاروں سمیت حملہ کر دینا !"

کی ایک جماعت مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے کھلے میدان میں نکل آئی، لیکن قبیلۂ خزرج کے انصار نے اتنا زوردار حملہ کیا کہ یہودی پھر سے قلعہ بند ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا۔

مسلمان موت سے بے پرواہ ہو کر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ یہود بھی موت سے بے نیاز ہو کر دفاع کر رہے تھے، کیوں کہ وہ اس حقیقت کو بہت اچھی طرح محسوس کر رہے تھے، کہ اگر[1] انہیں شکست نصیب ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جزیرۂ عرب میں اسرائیل کا پتہ و نشان بھی باقی نہ رہے۔

مسلمانوں نے اپنے مرکزی حملے کا رخ قلعۂ ناعم کی طرف کر لیا۔ کچھ فوجی ٹکڑیاں دوسرے قلعوں پر بھی حملہ آور ہوتی رہیں۔ تاکہ ان قلعوں کے یہودی، مسلمانوں کے مرکزی حملے کے دفاع کا خیال دل میں نہ لا سکیں، یہیں دبکے رہیں اور ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں۔

مسلمان تین دن تک قلعۂ ناعم پر حملے کرتے رہے، پہلے دو دنوں میں تو یہودی قلعہ بند رہے، لیکن مسلمانوں کی شدّتِ جنگ نے انہیں مجبور کر دیا کہ تیسرے دن کھلے میدان میں آ جائیں۔ مسلمانوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور قلعہ کے آس پاس ایسی زبردست لڑائی ہوئی کہ یہودیوں کا سالارِ فوج حارث بن ابی زینب مارا گیا، اور یہ قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

قلعہ ناعم مسلمانوں کے ہاتھ میں کیا آیا کہ یہودی ہمّت ہارنے لگے۔

اس کے بعد قلعۂ قموص پر نہایت زوردار حملہ مسلمانوں نے کیا، یہ قلعہ بھی سر ہو گیا۔ یہود نے ہتھیار ڈال دیئے۔

لیکن اب ایک اور مصیبت یہ اٹھ کھڑی ہوئی کہ مسلمانوں کی خوراک اور غذا کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ اب مسلمان قلعۂ صعب بن معاذ پر چڑھ دوڑے، کیوں کہ یہود نے اسی قلعہ میں اپنا سارا ذخیرہ خوراک محفوظ کر رکھا تھا۔ لیکن مسلمان یہاں بھی فتحیاب ہوئے، قلعہ ان کے قبضے میں آ گیا۔

اور یہود کا سارا سامان خوراک بھی انکے قبضے میں آگیا۔ یہ بہت بڑی سہولت حاصل ہو گئی۔ جس نے مسلمانوں کو بہت سی مشکلات سے نجات دے دی۔

باقی ماندہ قلعوں کی حفاظت کے لیے یہود نے اب یہ شکستیں کھا کر سر دھڑ کی بازی لگا دی، اور حق یہ ہے کہ انتہائی شجاعت اور دلیری سے انہوں نے قلعوں کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے قلعۂ زبیر پر حملہ کر دیا۔ اس پر غلبہ و تسلّط حد درجہ دشوار و صعب ثابت ہوا۔ مسلمانوں نے یہود کا پانی بند کر دیا۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ یہود باہر کھلے میدان میں لڑنے کے لیے نکلے۔ مسلمانوں نے جب کھلے میدان میں ان سے نبرد آزما ہو کر ان سے مقابلہ کیا تو بہت سے یہودی مارے گئے اور باقی لوگ بھاگ کر پناہ کی جگہ تلاش کرنے لگے۔

اب یکے بعد دیگرے قلعے مسلمانوں کے ہاتھ میں آنے لگے۔ یہاں تک کہ تمام قلعوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ صرف دو قلعے وطیح اور سلالم باقی رہ گئے اور یہ یہودیوں کے دو آخری محفوظ قلعے تھے۔

اب مسلمانوں کی تمام فوجیں ان قلعوں کے گرد جمع ہو گئیں اور یہودیوں پر محاصرہ نہایت تنگ کر دیا گیا۔

یہی وہ وقت تھا :

یہودیوں نے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی کہ ہم ہتھیار ڈال دیتے ہیں ہماری جان بخشی کر دی جائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کر لی اور ان کو ان کی زمینوں پر قابض رہنے دیا۔

شرط یہ طے ہوئی :

یہودی اپنی محنت کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا نصف حصّہ لیا کریں گے۔ کیونکہ مسلمانوں کی موجودہ حالت اجازت نہیں دیتی تھی کہ مسلمان کھیتی باڑی کے کام میں مشغول ہوں،

اس کے علاوہ یہودی لوگ کھیتی باڑی اور زمین سے پیداوار حاصل کرنے میں بڑے ماہر تھے۔

۵- طرفین کا نقصان

الف : مسلمان

انیس آدمی شہید اور بہت سے آدمی زخمی۔

ب : یہود

ان کا جانی نقصان بہت زیادہ تھا - اسی طرح ان کے مال و املاک کا نقصان بھی بے اندازہ ہوا۔

جزیرۂ عرب میں یہودیوں کا انجام

۱- یہود فدک

خیبر کی جنگ ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی فدک کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ یا تو اسلام قبول کر لو، ورنہ مسلمانوں کی زیردستی قبول کر لو، خیبر کا انجام سن کر ان کی ہمتیں بہت پست ہو چکی تھیں۔ انہوں نے خیبر کی شرائط پر صلح کر لی اور لڑائی کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔

۲- یہود وادیٔ القریٰ

مسلمان جب خیبر سے واپس ہوئے تو وادیٔ القریٰ کے راستے سے آئے، یہاں بھی یہودی آباد تھے۔ وہ اپنا سامان اکٹھا کر کے لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ بس صرف چند گھنٹے لڑائی ہوئی۔ آخر کار یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور انہی شرائط پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی صلح کر لی جن شرائط پر اہلِ خیبر سے ہوئی تھی۔

۳- یہود تیماء

تیماء کے یہودیوں نے بغیر جنگ کے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ ان سے بھی خیبر کی شرائط پر صلح ہو گئی۔

۴- نتائج

جزیرۃ العرب میں یہود کا عسکری نقطۂ نظر سے یکسر خاتمہ ہو گیا، اور ان کی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں رہ گئی۔

مسلمانوں کا اعراب پر غلبہ اور تسلط

۱- مقصد

مدینۂ منورہ کے شمالی علاقہ میں مکمل طور پر امن قائم کرنا۔ مدینہ پر اعراب کے حملوں کی روک تھام اور مبلّغینِ اسلام کے ساتھ قبائل جو غداری کیا کرتے تھے اس کا قلع قمع اور مبلّغین کی

حفاظت، اور آئندہ کے لیے ایسے حوادث کو رونما نہ ہونے دینے کی سعی۔

۲- واقعات و حوادث

پچھلے واقعات کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیے۔

۳- نتائج

الف : مدینۂ منورہ کے شمالی علاقہ میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

ب : قبائل کی غدّاری سے مسلمان مبلّغ محفوظ ہو گئے۔

ج : شمالی قبائل میں اسلام پھیل گیا۔

جنگِ موتہ[1]

۱- اسبابِ جنگ

الف : ان اعراب کی سرکوبی جنہوں نے "ذات طلح" (حدود شام) میں مسلمان مبلّغین کے ساتھ غدّاری کی تھی۔

ب : ہرقل ——— قیصر روم ——— کے عامل بُصریٰ اور اس کے ہمراہی قبائل کی سرکوبی، جنہوں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا خط لے جانے والے ایلچی کے قتل کا کوئی تدارک نہیں کیا تھا۔

---

[1] : حُدودِ شام میں ایک گاؤں کا نام ہے ۱۲

۲- طرفین کی طاقت و قوت

الف : مُسلمان

تین ہزار مسلمانوں کی تعداد تھی۔ جن کی قیادت پہلے زید بن حارثہ کلبی کرتے رہے، پھراُن کے بعد جعفر بن ابی طالب اور پھران کے بعد عبداللہ بن رواحہ۔

ب : رُومی، عیسائی و مشرک

رومیوں کی تعداد ایک لاکھ تھی اور تقریباً اتنی ہی تعداد ان کے ہمراہی قبائل کی بھی تھی۔ قیادت بذاتِ خود ہرقل کر رہا تھا۔

اکثر تاریخی کتابوں میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

لیکن میرا خیال یہ ہے کہ :

اس تعداد میں کسی حد تک مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور پھر قیادت بھی ہرقل کی خود نہیں تھی بلکہ اس کے کسی فوجی افسر سپہ سالار کی تھی۔

۳ - مقصد

- ان قبائل کی سرکوبی جنہوں نے مسلمان مبلّغین سے غدّاری کی تھی۔
- روم اور حدودِ شام میں بسنے والے قبائل پر اسلام کی طاقت کا اظہار۔
- حدودِ شام میں آباد قبائل اور رومانیوں کے ذرائع معاش اور طاقت سے متعلق معلومات کی فراہمی۔
- اور اس علاقہ کے طبعی اثرات اور پیداوار کا معلوم کرنا۔

۴ - واقعات و حوادث

الف : ابتدائی کارروائیاں

مسلمان مدینۂ منورہ سے ماہ جمادی الاوّل ۸ھ کو نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے اس لشکر کو الوداع کہا۔

آں حضرتؐ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی :

۱ : عورتوں، بچوں اور معذور لوگوں (یا قیدیوں) کو قتل نہ کرنا۔

۲ : کسی مکان کو نہ گرانا۔

۳ : کوئی درخت نہ کاٹنا۔

مسلمانوں کی فوج (معان) علاقہ شام میں پہنچ گئی۔ لیکن ان کی نقل و حرکت کی خبریں مسلمانوں کے وہاں پہنچنے سے قبل پہنچ چکی تھیں۔ دشمن نے اپنی فوجیں (مآب کے) ایک چٹیل میدان میں اتار دیں۔

مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ تمام رومی اکٹھے ہو کر مقابلہ کے لیے آ گئے ہیں اور ان کی طاقت ان سے بدرجہا زیادہ ہے، تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ بعض نے رائے دی، کہ تمام حالات لکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روانہ کیے جائیں اور آپؐ کے آخری حکم کا انتظار کیا جائے۔ لیکن اکثر لوگوں کی رائے یہ تھی کہ ہمیں اپنے مقصد کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینا چاہیئے، نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے فرمایا :

" اے میری قوم !

خدا کی قسم آج جس چیز سے تم گھبرا رہے ہو، اسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے تو

عمریں بیت گئی ہیں یعنی شہادت، اور پھر یہ بھی ہے کہ ہم دشمن سے تعداد، قوت اور قلت اور کثرت کی بناء پر لڑائی نہیں کرتے۔ ہم تو اس دین کے لیے لڑتے ہیں، جس کے ذریعے ہمیں اللہ تعالےٰ نے عزت بخشی ہے۔ آگے بڑھو دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہمیں ضرور حاصل ہو جائے گی، یا فتح، ورنہ پھر شہادت۔"

لوگوں نے کہا:

"ابن رواحہ ٹھیک کہتے ہیں، بے شک ہمیں یہی کرنا چاہیئے۔"

ب : جنگ

مسلمانوں نے رومیوں اور ان کے حلیفوں کے لشکر کی جانب پیش قدمی کی۔ سب سے پہلی مڈبھیڑ مشارف کی بستی کے پاس ہوئی جو بلقاء کے حدود میں ہے۔

لیکن مسلمانوں نے خیال کیا کہ موتہ کی بستی کا علاقہ میدانِ جنگ بنانے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ یہ بستی کرک اور طفیلہ کے درمیان واقع تھی اور اس کی اصل وجہ یہ تھی، کہ وہاں طبعی رکاوٹیں ایسی موجود تھیں جن سے وہ اپنا بچاؤ کر سکتے تھے اور یہ خیال اس لیے پیدا ہوا کہ دشمن کی نسبت ان کی تعداد بہت کم تھی۔

دو غیر متوازن طاقتوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ جن میں تعداد اور سامان کے لحاظ سے کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔ مسلمان دیکھ رہے تھے کہ رومی اور ان کے حلیف ان سے بہت زیادہ طاقتور ہیں پھر بھی وہ گھبرائے نہیں۔

زید بن حارثہ جھنڈا لے کر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھے اور جنگ شروع ہو گئی۔ انھوں نے نہایت شجاعت اور جانبازی سے جنگ شروع کی۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جنگ لڑتے رہے، یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں نے انھیں چھید ڈالا، اور وہ شہید ہو گئے۔

ان کے بعد جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا ہاتھ میں لے لیا اور مدافعانہ جنگ لڑتے

رہے۔ لڑتے لڑتے ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا، تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ جب وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو دونوں ہاتھوں کے ٹُنڈ اور ٹھوڑی کے درمیان روکے رکھا۔ یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کیا اور معرکۂ کارزار میں جان دی۔

پھر عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لے لیا۔ یہ بھی لڑائی کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

پھر زید بن ارقم نے جھنڈا لے لیا، اور مسلمانوں کو آواز دی:

"اے میری قوم!

یہ وقت ہے کہ اپنے میں سے کسی آدمی کا انتخاب کر لو، جو سربراہ بن جائے۔" چنانچہ سب نے بالاتفاق خالد بن ولیدؓ کو اپنا سپہ سالار مقرر کر لیا۔

ج: پسپائی[1] (انسحاب)

خالد بن ولیدؓ نے اس میدان سے پیچھے ہٹ جانے کا فیصلہ کیا تاکہ مسلمانوں کی طاقت کو اس تنگ میدان سے بچا لیا جائے۔ جس میں وہ گھر گئی تھی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا اور اپنی طاقت کو از سرِ نو منظم کیا اور پسپائی کے لیے اپنی کچھ طاقت محفوظ رکھ لی۔

فوج کا پچھلا حصہ دشمن کے تعاقب کو روکنے کے لیے کھڑا ہو گیا اور اپنی فوج کے بڑے حصے (قسم اکبر) کو گھیرے جانے سے بچانے کی ڈیوٹی سپرد کی گئی۔ مسلمانوں کی فوج کا پچھلا

---

[1]: یہاں جو عربی لفظ "انسحاب" استعمال ہوا ہے۔
جنگی لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ:
جنگ سے کنارہ کشی کی جائے اور پیچھے ہٹنا شروع کر دیا جائے تاکہ کسی مناسب وقت پر، یا مناسب مقام میں دشمن سے مقابلہ کیا جائے ۱۲۔

حصّہ وسیع میدان میں پھیل گیا اور بلند آواز سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے لگے تاکہ دشمن یہ سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کی امداد کے لیے تازہ دم فوج پہنچ گئی ہے۔ یہ کارروائی مسلمان فوجوں کی پسپائی سے دشمن کو بے خبر رکھنے کے لیے کی گئی تاکہ دشمن تعاقب نہ کر سکے کیوں کہ اس صورت میں بہت زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا۔ اس طریقہ اس پچھلے حصّہ نے مسلمانوں کو بچانے میں بڑا کام کیا۔ مسلمانوں کو اپنی پسپائی میں کوئی تکلیف نہ ہوئی اور نہ کوئی نقصان پہنچا، باوجود اس کے کہ پسپائی جنگی حرکات میں حد درجہ خطرناک اور مشکل کام ہے۔ اس لیے کہ پیچھے ہٹنے میں اس بات کا احتمال بھی ہوتا ہے کہ یہ پسپائی شکست کی صورت میں نہ بدل جائے اور شکست ایک ایسی مصیبت ہے جو شکست خوردہ کا بے انداز نقصان کر جاتی ہے، اور اسے کہیں کا نہیں رکھتی۔

مسلمان جب مدینۂ منورہ واپس آئے تو مدینہ والے مسلمانوں نے ان کا اس طرح استقبال کیا کہ ان کے چہروں پر مٹھی بھر بھر کر خاک پھینکتے تھے اور کہتے تھے :

"بھگوڑو، کیا تم خدا کے راستہ سے بھاگ آئے ہو؟"

لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"یہ بھگوڑے نہیں ہیں۔ یہ انشاء اللہ کرّار (بار بار حملہ کرنے والے) ثابت ہوں گے۔"

۵۔ طرفین کا نقصان و زیاں

الف : مسلمان

مسلمانوں کے بارہ آدمی شہید ہوئے۔

ب : رومی اور مشرک

ان کا نقصان مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ جس نے ان کی طبیعتوں پر بہت بُرا

اثر کیا۔ یہی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کا اس طرح تعاقب نہ کیا، جو مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دیتا، یا ان کے چھکے چھڑا دیتا اور ان میں بے حوصلگی اور بددلی پیدا کر دیتا۔

۶ - نتیجۂ جنگ

جنگِ مُوتہ ایک استطلاعی (معلومات حاصل کرنے کا) معرکہ تھا، جس نے مسلمانوں کو رومیوں کی طاقت اور ان کے اسلوبِ جنگ کے متعلق بہت فائدہ پہنچایا اور ان چیزوں نے مسلمانوں کو آئندہ کی رومی جنگوں میں بڑا کام دیا۔

جو جنگی فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے ان کے مقابلہ میں یہ معمولی نقصان ہے جو قطعاً اہم اور قابلِ ذکر نہیں۔ ان کو رومی فوج کے خواص۔ ان کی قوت، ان کی تنظیم، ان کے ہتھیار اور اسلوبِ جنگ کے متعلق بے شمار مفید معلومات حاصل ہوئے۔ جن کا اثر ہم بعد کی رومی جنگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں جو مسلمانوں کو اس کے بعد لڑنی پڑیں۔

غزوۂ ذات السلاسل

۱- اسبابِ جنگ

اُن قبائل سے مُسلمان شہیدوں کا انتقام لینا مقصود تھا، جنہوں نے مسلمانوں کے برخلاف غزوۂ مُوتہ میں حصّہ لیا تھا۔ اور یہ قبائل مندرجہ ذیل ہیں :

۱ : لخم

۲ : بنو جذام

۳ : بلقین

۴ : بہراء

۵ : بلی

۶ : طے

۷ : اور ، بنو عذرہ

۲- واقعات و حوادث

جنگِ مُوتہ سے مسلمانوں کی واپسی کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تجویز کیا کہ شمالی علاقہ میں مسلمانوں کی ہیبت کو جو نقصان پہنچا ہے ، اس کا ازالہ کیا جائے اور پھر سے اس علاقہ میں مسلمانوں کی دھاک بٹھائی جائے ۔ چنانچہ آپ نے عمرو بن عاص کو روانہ فرمایا ، کہ ان قبائل کو ہانک کر شام تک چھوڑ آؤ ۔

ان کا انتخاب اس لیے ہوا کہ عمرو بن عاص کی والدہ اسی علاقہ کے قبائل میں سے تھیں ، اس حیثیت سے ان کے لیے نہایت آسان تھا کہ اس علاقہ میں اپنے ننہال کی مدد سے کارروائی کر سکیں ۔

جب عمرو بن عاص ذات السلاسل کے چشمے پر پہنچے جو جذام کے علاقہ میں تھا ، تو عمرو بن عاص دشمن کی کثرتِ تعداد سے گھبرا گئے ۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے امدادی فوج کا مطالبہ کیا اور ذات السلاسل کے مقام پر بیٹھ کر کمک کا انتظار کرنے لگے ۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اوّلین کی جماعت میں سے امدادی فوج بھیجی ، جس میں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے ، اور ابو عبیدہؓ بن جراح کو اس فوج کا افسر مقرر کیا اور جب انہیں رخصت کیا تو وصیّت فرمائی کہ تم عمرو بن عاص کے معاون ہو کسی معاملہ میں اختلاف نہ کرنا ، اتحاد و اتفاق اور مشورت سے کام کرنا ۔

جب ابو عبیدہؓ وہاں پہنچے تو عمرو بن عاص نے ان سے کہا :

"آپ میرے مددگار بن کر آئے ہیں" (یعنی آپ میرے ماتحت رہیں گے؟)

ابوعبیدہؓ بن جراح نے جواب دیا :

"نہیں، میں اپنی جگہ پر امیر ہوں، آپ اپنی جگہ مختار ہیں۔"

عمرو بن عاص نے دوبارہ کہا :

"نہیں آپ میرے معاون ہیں، اور بس!"

ابوعبیدہؓ نے کہا :

"اے عمرو! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ "اختلاف نہ کرنا۔" اگر تم میری نافرمانی کرو گے، تو میں تمہارا کہا مان لوں گا۔"

پھر عمرو بن عاص رومیوں کے حلیف قبائل کا تعاقب کرنے لگے، اور قبائل بلی وعذرہ وبلقین وطے کے علاقہ میں گھس گئے۔

جب کسی مقام پر پہنچتے تو اس علاقہ کے رہنے والے قبائل بھاگ جاتے۔ وہ تمام قبائل سے بیک وقت جنگ کرنے میں بہت کامیاب رہے۔ کیوں کہ یہ قبائل جب بھاگتے تھے تو پھر پیچھے مڑکر بھی نہ دیکھتے تھے۔

اس طرح شام کے تمام قبائل منتشر ہو گئے۔

اور مسلمانوں کی ہیبت دوبارہ ان علاقوں میں رہنے والے قبائل کے دلوں پر بیٹھ گئی۔

صُلح کے ثمرات
سے جو سبق ملتے ہیں، کیا ہیں؟

ا۔ جنگی امُور

الف : ناگہانی حملہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پہلے رجیع کی طرف متوجہ ہونا اور پھر خیبر کی طرف رُخ کر لینا اور ایک چھوٹی سی جماعت کو غطفان کے علاقہ میں بھیج دینا تاکہ وہ اپنے اموال اور بال بچوّں کی حفاظت کے لیے مجبور ہو کر واپس آجائیں اور اپنے حلیف یہودیوں کی امداد سے اس مشکل وقت میں کنارہ کش ہو جائیں۔

یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ غطفانیوں کو شبہ ہُوا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ان پر لشکر کشی کا ہے اور یہُودی یہ سمجھ کر کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غطفانیوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اپنی جگہ مطمئن رہے۔ یہ تمام امُور پوری طرح یہود اور بنو غطفان دونوں کے لیے ایک ناگہانی حملہ کی طرح تھے۔

بالکل اسی طرح جیسے مسلمان فوجوں نے خیبر کی طرف مسیر اقتراب[1] کیا، اور خیبر کے علاقہ

---

[1] ، مسیر اقتراب :
عسکری نقطۂ نگاہ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

میں رات کو پہنچنا اور یہودیوں کو ان کے پہنچنے کی اطلاع نہ ہونا، یہ تمام مثالیں ضبط میسر کی نمایاں اور ممتاز مثالیں ہیں۔ بلاشبہ یہود کے لیے یہ ایک ناگہانی حملہ تھا۔

ب : شہروں اور قلعوں کی جنگ

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو خیبر کے نہایت ناقابلِ تسخیر اور محفوظ قلعوں پر قبضہ کر لیا تو ان کے بارے میں طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ آپ تھوڑی بہت طاقت دوسرے قلعوں پر بھی متعین کرتے رہے لیکن بڑی اور مرکزی طاقت ایک ہی قلعہ پر لگا دیتے۔ اس طرح آہستہ آہستہ ایک ایک قلعہ پر قبضہ کرتے گئے یہاں تک کہ تمام قلعے آپ کے قبضہ میں آ گئے۔

آپ نے یہاں بالکل وہی پالیسی اختیار کی جو عام لڑائیوں کے متعلق اختیار کر رکھی تھی کہ آپ اپنی فوجی طاقت کو مختلف قبائل اور خاندانوں میں تقسیم کر دیتے، اور ہر ایک جماعت کا ایک علیحدہ سردار مقرر کر دیتے۔ اس طرح ان فوجوں میں انتہائی جوش و خروش اور جذبۂ مسابقت پیدا ہو جاتا، اور اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ اگر کچھ لوگ کام میں مشغول رہتے تو کچھ دوسرے لوگ آرام کر لیتے تاکہ ضرورت کے وقت یہ تازہ دم فوج جنگ میں مدد دے سکے۔

یہ پالیسی آج کی نئی جنگی پالیسی کے عین مطابق ہے جو شہروں اور قلعوں کی جنگوں میں استعمال کی جاتی ہے۔

اگر آپ اسی پرانے طریقے یعنی کبھی حملہ کے لیے آگے بڑھنا، اور کبھی پیچھے ہٹ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۷ :

دشمن کے مقابلہ میں طاقت کو لایا جائے تاکہ دفاعی مقام پر کوئی حیلہ کیا جا سکے، خواہ دفاعی، خواہ کسی اور طرح کا!

آنا ——— یعنی اقدام و پسپائی ——— اور کبھی جنگِ مغلوبہ لڑنے کو اختیار کرتے یا اس کیفیت میں صف بندی کا طریقہ اختیار کرتے تو مسلمان کبھی بھی بیودیوں پر غالب نہ آسکتے۔ مسلمانوں کے غلبے اور انتصار میں آپؐ کی اس جدّت کو بہت دخل ہے۔

ج : پسپائی

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنگِ مؤتہ سے مسلمانوں کو اتنی بڑی طاقت کی گرفت سے، بچا کر لے آنا جو قوت کے لحاظ سے ان سے کئی گنا زیادہ تھی اور اس درجہ منظم پسپائی اختیار کرنا بلاشبہ ایک جنگی معجزہ ہے، جس کی مثال تاریخ حرب و پیکار میں شاذ ہی مل سکتی ہے۔

بالکل اسی طرح جیسے مُسلمانوں کی پچھلی فوج ——— یعنی عقب ——— کا ایک نئے انداز سے اپنے کام میں مشغول ہوجانا ایک نئی اور تعجب انگیز چیز تھی۔ وہ ایک وسیع علاقے میں پھیل گئے تاکہ دشمن بھی اپنی فوجیں وسیع علاقے میں پھیلانے کے لیے مجبُور ہو جائے اور اس طرح اس کی طاقت کمزور ہو جائے اور پھر اس پچھلی جماعت (یعنی عقب) نے جو نعرہ ہائے تکبیر بلند آواز سے لگانے شروع کیے تو رومیوں کو یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کی کمک کے لیے بہت بڑی طاقت پہنچ گئی ہے۔

ان تمام چیزوں نے فوج کے بڑے[1] حصّے کو رومیوں کے محاصرہ سے، بچا لیا، اور واپسی کا عمل نہایت آسان ہوگیا۔

---

[1]، بڑا حصّہ :

فوجی نقطۂ نگاہ سے اس سے مراد وہ مرکزی جماعت ہوتی ہے جو اپنی حفاظت کے علاوہ دوسری جماعتوں کی حفاظت بھی کرتی ہے کہ دشمن ناگہانی حملہ نہ کر دے۔

اسے اصطلاح میں "قسمِ اکبر" کہا جاتا ہے۔

۲- معنویات (عزم واستقلال اور مورال)

اس صلح کے زمانے جو مسلمانوں نے عمرۃ القضا ادا کیا تو اس نے قریش کی طبیعتوں پر بہت زیادہ اثر کیا۔

اکثر قریشی مکہ میں دار الندوہ کے قریب کھڑے تھے اور کچھ لوگ پہاڑیوں اور ٹیلوں پر جنگی حالت میں تیار کھڑے تھے۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے داخلہ کی کیفیت کا نظارہ کرسکیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، تو آپ نے اپنی چادر سے اضطباع کیا ——— اضطباع یہ ہے کہ آدمی احرام کی چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈال لے ——— آپ نے اپنا دایاں بازو چادر سے باہر نکال لیا اور پھر فرمایا :

"خدا اس آدمی پر رحم فرمائے جو آج کفار کو اپنی قوت دکھائے۔"

پھر آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا، ہرولہ کرنے لگے ——— ہرولہ : عام درمیانی چال سے زیادہ اور بے تحاشا دوڑنے سے کم، یعنی پو قدمی کو ہرولہ کہتے ہیں ——— آپ کے صحابہ بھی آپ کے ہمراہ تیز تیز چلنے لگے یہاں تک کہ بیت اللہ نے ان کو قریش کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔

اس طرح جلدی اور تیزی سے طواف کرنے کا مقصد صرف مسلمانوں کی طاقت کی نمائش تھا اور ان جھوٹی افواہوں کی تکذیب مقصود تھی جو مسلمانوں کی کمزوری کے متعلق قریش میں مشہور ہو چکی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مروہ پہاڑی کے پاس اپنی قربانیاں ذبح کیں پھر اس کے بعد مکہ میں تین دن تک رہے اور اس کے بعد مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ آپ کو

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ قریش نے جو مسلمانوں کی طاقت دیکھی ہے اور پھر ان کا نظم و ضبط اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نظارہ کیا ہے۔ خانہ کعبہ کی تعظیم اور حرمت کا جس طرح مشاہدہ کیا ہے۔ یہ تمام چیزیں ضرور قریش کی طبیعتوں پر اثر انداز ہوں گی۔

آپؐ ابھی مکہ چھوڑ کر گئے بھی نہیں تھے کہ خالد بن ولید نے قریش کی ایک جماعت میں کھڑے ہو کر صاف کہہ دیا:

"ہر عقلمند آدمی کو اب یہ چیز کھل کر نظر آنے لگی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو جادوگر ہیں نہ شاعر۔ ان کا کلام واقعی خداوندی کلام ہے۔ ہر صاحب فہم و دانش پر لازم ہے کہ آپؐ کے سامنے سر جھکا دے، اور آپؐ کا حلقۂ طاعت گلے میں ڈال لے۔"

ابوسفیان کے کانوں تک جب خالد بن ولید کی یہ بات پہنچی تو اس نے انہیں بلایا اور ان سے دریافت کیا:

"خالد! جو کچھ میں نے تمہارے متعلق سنا ہے۔ کیا واقعی تم نے یہ بات کہی ہے؟

خالد بن ولید نے جواب دیا:

"ہاں، بے شک۔"

ابوسفیان غصے کی حالت میں خالد کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت عکرمہ بن ابوجہل بھی وہیں تھے وہ آڑے آگئے اور کہا:

"خبردار ابوسفیان، ذرا ٹھہرو! اس بات سے میں بھی ڈر رہا ہوں جس سے تم خائف، اور اندیشہ مند ہو۔ کہیں میں ایسی بات نہ کہہ دوں جیسی خالد نے کہی ہے، اور محمدؐ کے دین کی پیروی کر لوں۔ تم خالد کو اس لیے قتل کرنے لگے تھے کہ اس نے اپنی رائے کا کھلم کھلا اظہار کیوں کر دیا۔ مگر یاد رکھو، تمام قریش محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرنے والے ہیں۔ میرا خیال ہے، کہ ایک سال بھی نہیں گزرے گا کہ تمام اہلِ مکہ محمدؐ کی پیروی کرنے لگیں گے اور ان کا دین، جان و دل سے قبول کر لیں گے۔"

خالد بن ولید کے مسلمان ہونے کے بعد عمرو بن عاص اور خود خانہ کعبہ کا نگران عثمان بن طلحہ بھی مسلمان ہو گئے۔ بلکہ ہر گھر میں اسلام داخل ہو گیا۔ کسی میں پوشیدہ طور پر اور کسی میں کھلم کھلا۔

عمرہ حدیبیہ نے مکّہ والوں کے دل کے دروازے اس سے بہت عرصہ پہلے کھول دیئے تھے۔ جب مسلمانوں نے مکّہ شہر کے دروازے بہ زورِ قوت اس کے کچھ عرصہ بعد آ کر کھولے۔

دل پہلے جھکا، سر بعد میں! پہلے ایمان پھر جذبۂ طاعت!

۳۰- امانت اور پاسِ عہد

ا : مسلمانوں کو اس چیز کا خاص طور پر خیال تھا کہ کسی طرح معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے اور رات کی تنہائی اور اندھیرے میں بھی انہوں نے کوئی ایسا حیلہ اختیار نہیں کیا۔ جس سے دشمن کا خاتمہ ہو جاتا۔ محض اس لیے کہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے اور وہ عہد شکنی کے مرتکب نہ ہوں۔

عمرۃ القضا میں مسلمان ایسا کر سکتے تھے کہ جب وہ مکّہ میں داخل ہو گئے تھے، تو اس پر قابض ہو جاتے اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عملی طور پر یہ ارادہ بھی کر لیا تھا۔ کہ قریش کے معاہدہ کو توڑ دیا جائے اور جنگ کا نعرہ بلند کیا جائے لیکن عمر رضی اللہ عنہ اور خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس ارادہ سے روک دیا اور ایسا نہیں کرنے دیا اور اس طرح بڑی آسان فتح سے برضا و رغبت دستبردار ہو گئے۔

ب : جنگِ خیبر میں ایک موقع پر مسلمانوں کو غذائی قلّت بلکہ نایابی کی وجہ سے بہت پریشان ہونا پڑا۔ ان کے خوراک کے ذخیرے ختم ہو گئے۔ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض گزار ہوئے اور کہا۔ اتنا سامان تو ہو جائے جس سے ہماری زندگی بچ جائے۔ مگر اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو آپؐ انہیں دے دیتے۔ البتہ گھوڑے ذبح کر کے کھانے کی اجازت دے دی، حالانکہ اس وقت

گھوڑے بھی بہت تھوڑے تھے اور ایسے حالات میں مسلمانوں کی نگاہ میں جنگی لحاظ سے گھوڑے بڑی قیمتی چیز تھے۔

ایسی تنگی کی حالت میں ایک حبشی غلام بہت سی بکریاں لے کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور مسلمان ہو گیا۔

پھر اس نے کہا:

"اے اللہ کے نبیؐ! یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔"

اور یہ بکریاں خیبر کے ایک یہودی کی تھیں جن سے جنگ جاری تھی، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان بکریوں کو اپنے پاس سے ہانک دو اور انہیں کنکریاں مارو، اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے اس امانت کو ادا کرے گا۔"

ایسے مشکل مؤقف اور حالات میں اس طرح امانت کو مالک کے پاس پہنچانا، حد درجہ حیرت انگیز بات ہے! یہ مثالیں صرف اسلام ہی کی تاریخ میں مل سکتی ہیں۔

۴۔ فراہمئ لشکر اور سر و سامانِ جنگ کی تشکیل

ا: مقصد

سب سے بڑی امکانی طاقت جو مسلمان اس فیصلہ کن کام ——— فتح مکّہ ——— کے لیے فراہم کر سکتے تھے اس کا فراہم کرنا، تاکہ مکّہ بھی فتح ہو جائے، اور جزیرۂ عرب میں توحید محکم و مضبوط ہو جائے اور مسلمانوں کی آئندہ نقل و حرکت کے لیے بنیادیں استوار ہو جائیں تاکہ تمام لوگوں میں اسلام پھیل جائے اور اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جا سکے اور کلمۂ حق بغیر کسی خوف کے بلند کیا جا سکے۔

ب : حبشہ کے مہاجرین کی واپسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرکے مدینۂ منورہ آنے سے پہلے بعض مسلمان حبش میں پناہ لے چکے تھے اور اس طرح وہ قریش کی دست درازیوں سے محفوظ ہو گئے تھے وہاں یہ مہاجرین دس سال سے لے کر انیس سال تک کا عرصہ گزار چکے تھے۔ اب مسلمانوں کی حکومت بہت زیادہ طاقت ور ہو چکی تھی اور اب یہاں حبش میں اپنے مسلمان بھائیوں سے دور رہنے کا سبب بھی کچھ نہ تھا اور پھر اسلام کی بنیادیں استوار کرنے اور اس کی نشر واشاعت کرنے کیلئے وہ ان کی امداد کے محتاج بھی تھے۔

عملی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے پاس پیغام بھی بھیجا اور حبش کے مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ یہ لوگ مدینۂ منورہ اس وقت پہنچے۔ جب خیبر فتح ہو چکا تھا، اور مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ان مہاجرین کی آمد سے بہت خوش ہوئے یہ حبش سے آنے والے مسلمان فوج میں شامل ہو گئے تاکہ فریضۂ جہاد کا حق ادا کر سکیں اور اسلام کی راہ میں قربانیاں دے کر سرخ رُو ہو سکیں۔

۵ - اسلام کی نشر واشاعت

بادشاہوں، امیروں اور رؤسا کو اسلام کی دعوت،

عرب کے رہنے والے ان بادشاہوں، امیروں اور رؤسا میں سے جو اس زمانہ میں عرب شہروں پر قابض تھے، کچھ تو عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے۔ کیونکہ یہ رومیوں کا مذہب تھا، اور کچھ لوگ مجوسی مذہب کے پیرو بن گئے تھے۔ جو ایرانیوں کا مذہب تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط نے صلح کے اس غنیمت موقع پر اسلام کی

نشرواشاعت کا بہت کام کیا خصوصاً بحرین اور یمن کے علاقہ میں ۔ لوگوں کی ایک عظیم اکثریت کو موقع مل گیا کہ وہ دینِ جدید ——— اسلام ——— کے اغراض ومقاصد کو معلوم کرسکیں اوراس چیز سے ان میں اکثر آدمیوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ انہوں نے اسے ظاہر کردیا یا اپنے نہاں خانۂ دل میں چھپائے رکھا۔

اس طرح فتح مکہ اور قریش کی مغلوبیّت کے کام انجام واتمام کو پہنچے اور اسلام، ایک بہت بڑی قوت اور بہت بڑا دین بن گیا۔

۶۔ جنگی فیصلے

ا : سامان خورد ونوش

غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کے پاس سامانِ خورد ونوش بہت کم تھا۔ بعض آدمی جب بھوکے رہنے لگے تو اس وقت بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسی چیز نہ مل سکی۔ جس سے ان فوجیوں کی زندگی بچ جاتی۔ لیکن خیبر کے ان قلعوں کی فتح نے جن میں یہودیوں نے اپنے خوراک کے ذخیرے محفوظ کر رکھے تھے، مسلمانوں کی خورد ونوش کی حالت کو بہت بہتر بنادیا۔

بات یہ تھی کہ یہود خوراک اور غذا کے معاملے میں ضرورت سے کہیں زیادہ خودکفیل تھے۔

ب : پانی

کنوؤں کے پانی اور بعض چشموں کے پانی سے جنگِ خیبر میں یہودی پوری طرح فائدہ اٹھا رہے تھے۔ کیوں کہ ان کے پاس پانی کا کافی ذخیرہ تھا۔ جب آں حضرتؐ کو اس بات

کا علم ہُوا۔ تو آپؐ نے پانی کے ان ذخیروں پر جو قلعہ سے باہر تھے قبضہ کرلیا اور یہود پانی سے محروم رہ گئے۔ جس کی وجہ سے خیبر کے قلعوں کی تسخیر آسان ہوگئی۔

ج : صحت

خیبر کی فضا گندی، ہوا خراب، پانی بد بو دار تھا۔ ان تمام چیزوں نے مل کر مُسلمانوں کی صحت پر بہت برا اثر کیا، اور مسلمان بخار میں مبتلا ہو گئے اور ان کی صحت گر گئی۔

جنگِ خیبر میں مسلمانوں نے بیماروں اور زخمیوں کے علاج معالجہ اور تیمار داری کے لیے عورتوں کی خدمات سے استفادہ کیا۔

د : فوجی عورتیں

مسلمانوں نے جنگِ خیبر میں ان رضا کار عورتوں (مستطوعات) سے بھی فائدہ اٹھایا جو لڑنے والوں کو تیر پکڑاتی تھیں۔ فوجیوں کو ستّو پلاتی تھیں۔ زخمیوں اور بیماروں کی مرہم پٹی کرتیں، اور ان کی تیمارداری کے فرائض سرانجام دیتی تھیں۔

ھ : مالِ غنیمت

مالِ غنیمت تمام فوجیوں میں برابر تقسیم کر دیا گیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو صلح حدیبیہ اور بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ آں حضرتؐ نے حبش سے آنے والے مہاجرین کو بھی اس میں شریک کرلیا۔ اس لیے کہ ان کی اقتصادی حالت بے انتہا خستہ اور خراب ہو چکی تھی۔ یہ بڑے مخلص لوگ تھے انہوں نے حبش کی ہجرت کی تکالیف برداشت کی تھیں۔ یہ لوگ گیارہ سے بیس سال کی مدت تک اپنے عزیزوں سے بچھڑے رہے تھے۔ ان مصائب و شدائد کی مکافات کسی نہ کسی حد تک ضروری اور لابدی تھی۔

رضاکارانہ کام کرنے والی عورتوں کو صرف کھانے پینے کی چیزوں سے فوجیوں کے برابر حصّہ دیا گیا۔

۷۔ نتائج

صلح حدیبیہ کے بعد امن کے زمانہ میں جو نتائج برآمد ہوئے وہ مندرجہ ذیل ہیں :

الف : جزیرہ نمائے عرب سے یہودیوں کا مکمل استیصال اور پورا خاتمہ۔

ب : مدینہ منورہ سے شمالی جانب جو قبائل آباد تھے ان پر پوری طرح غلبہ حاصل ہوگیا۔

ج : قریش اور ان کے حلیفوں کی ہمت پر ایسا اثر پڑا جس سے فتح مکہ کا معرکہ آسان ہوگیا۔

د : تمام جزیرۂ عرب میں اسلام پوری تیز رفتاری سے پھیل گیا۔

ان تمام چیزوں سے فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان اپنی صفوں کی تنظیم نہایت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ انہوں نے اپنی فوجی اور عسکری قوت اس درجہ بڑھائی کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں کوئی ان کا ہمسر اور مدِمقابل نہ رہ گیا۔ ان کی بالادستی ایک تسلیم شدہ حقیقت بن گئی!

اعراب اور قبائل پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے جنگی دستوں کا نقشہ،

نمبر شمار	نام سریہ	جنگی طاقت	غرض وغایت	نتائج
۱	سریۂ عمر بن خطاب	اس جنگی دستے میں صرف تیس آدمی شامل تھے،	بنو ہوازن کی بعض شاخوں کی سرکوبی	مشرک بھاگ گئے تھے لہذا یہ دستہ بغیر جنگ لڑے واپس آگیا۔
۲	سریہ غالب بن عبداللہ لیثی	جنگی دستہ	بنو مرہ کی سرکوبی	بنو مرہ بھاگ گئے تھے لہذا یہ دستہ واپس آگیا۔
۳	سریہ غالب بن عبداللہ لیثی	جنگی دستہ تھا اس میں ایک سو تیس سوار تھے	بنو عبد بن ثعلبہ کی سرکوبی	مشرکین بھاگ گئے ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا گیا۔
۴	سریہ بشیر بن سعد	جنگی دستہ	بنو قحطان کی سرکوبی	مشرکین بھاگ گئے تھے۔ ان کے مال اور دولت پر قبضہ کر لیا گیا۔
۵	غزوہ ابن ابی العوجاء السلمی	جنگی دستہ	بنو سلیم کی سرکوبی	بنو سلیم نے مسلمانوں کے اس دستہ کو ختم کر دیا۔

نمبر شمار	نام سریہ	جنگی طاقت	غرض وغایت	نتائج
۶	سریہ غالب بن عبداللہ اللّیثی	پندرہ آدمیوں کا جنگی دستہ	بنو ملوح کی سرکوبی	مشرکین کا مال لوٹ لیا گیا۔ مشرک مسلمانوں سے اپنا مال واپس نہ لے سکے، کیوں کہ مسلمان بہت جلد واپس چلے آئے تھے۔
۷	سریہ شجاع بن وہب	اس جنگی دستے میں صرف چودہ آدمی تھے۔	بنو عامر کی سرکوبی	مشرک چونکہ بھاگ گئے تھے۔ لہٰذا اُن کے مال و املاک پر قبضہ کر لیا گیا۔
۸	سریہ کعب بن عمیر الغفاری	جنگی دستہ اس میں پندرہ آدمی تھے	بنو قضاعہ ذات الطلح کو اسلام کی دعوت دینا مقصود تھا۔	کعب کے علاوہ باقی تمام آدمی شہید کر دیئے گئے۔

اُن خطوط کا نقشہ جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائی بادشاہوں، امیروں اور رؤساء کو بھیجے

نتائج	خط کا مضمون	بادشاہ یا امیر کا نام جس کی طرف خط بھیجا گیا	مسلمان سفیر کا نام	نمبر شمار
قیصر اس خط سے نہ تو ناراض ہُوا نہ بھڑکا، بلکہ اس نے دحیہ کلبی کو بُلایا اور اُن سے ایسی باتیں کیں کہ اُن کو وہم ہونے لگا کہ وہ مُسلمان ہو گیا ہے اور ہرقل نے دیناروں کی ایک تھیلی بھی دی جب دحیہ کلبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے، اور ہرقل کا مکالمہ سنایا تو آپ نے فرمایا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ کی طرف سے ہرقل رومیوں کے سردار کی طرف، سلام ہو اس پر جو ہدایت کے راستے پر چلے، اما بعد— مَیں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہُوں۔ اگر تم مسلمان ہو گئے، تو بچ جاؤ گے، اللہ تمہیں دگنا اجر دے گا، اور اگر انکار کرو گے۔ تو تمام رعایا کا گناہ تمہاری گردن پر ہو گا۔ اے اہلِ کتاب ایک	روم کے بادشاہ قیصرِ روم ہرقل کی طرف	دحیہ بن خلیفہ کلبی	۱

نتائج	خط کا مضمون	بادشاہ یا امیر کا نام جسکی طرف خط بھیجا گیا	مسلمان سفیر کا نام	نمبر شمار
بولا - وہ مسلمان نہیں ہے اور ان دیناروں سے متعلق آپؐ نے حکم دیا : وُہ غریبوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔	ایسے کلمے کی طرف آجاؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور کوئی ہم میں سے کسی دوسرے کو رب نہ بنائے۔ اگر وہ اس سے منہ پھیریں تو تم کہو، کہ ہم تو مسلمان ہیں۔			
جب اس بدبخت نے خط پڑھا تو زمین پر پھینک دیا، اور کہا : مجُھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے ؟ اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیاری کرنے لگا۔	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہؐ کی طرف سے حارث بن ابی شمّر کی طرف - سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے میں تم کو دعوت دیتا ہُوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر	حارث بن ابی شمّر الغسانی امیرِ دمشق	شجاع بن وہب الاسدی	۲

نمبر شمار	مسلمان سفیر کا نام	بادشاہ یا امیر کا نام جسکی طرف خط بھیجا گیا۔	خط کا مضمون	نتائج
			ایمان لے آؤ، تمہارا ملک سلامت رہے گا۔	
۳	حارث بن عمیر الاسدی	امیر بُصریٰ	اس خط میں بالکل وہی مضمون تھا، جو امیرِ دمشق کے خط میں تھا۔	یہ سفیر امیرِ بُصریٰ تک نہ پہنچ سکے۔ کیونکہ شرجبیل بن عمرو غسانی نے انہیں راستہ میں دیکھ لیا، اور قتل کر دیا۔
۴	حاطب بن ابی بلتعہ	مقوقس بادشاہ مصر کی طرف	۱۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا مضمُون تھا جو قیصر کے خط کا تھا۔ ۲۔ مقوقس کا جواب : مصر کے بادشاہ مقوقس کی طرف سے محمد بن عبد اللہ کے نام۔ آپؐ پر سلام ہو، امابعد میں نے آپؐ کا خط پڑھا ہے۔ آپؐ نے جو لکھا ہے اس پر اچھی طرح غور کیا ہے، آپؐ کی دعوت کو	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کے تحائف قبول کر لیے، اور فرمایا کہ مقوقس اس لیے مسلمان نہ ہو سکا کہ شائد اس طرح رومی اس سے ملک مصر چھین لیں گے۔ اگر اس کو یہ خطرہ نہ ہوتا تو وُہ فوراً مُسلمان ہو جاتا۔

نمبر شمار	مسلمان سفیر کا نام	بادشاہ یا امیر کا نام جس کی طرف خط بھیجا گیا،	خط کا مضمون	نتائج
			سوچا ہے۔ یہ میں ضرور جانتا تھا کہ ایک نبی ابھی آنے والا ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ وُہ شام میں پیدا ہوگا میں نے آپؐ کے ایلچی کی عزت کی ہے۔ آپؐ کے لیے دو باندیاں بھیجی ہیں یہ دونوں عورتیں قبطیوں کی نگاہ میں بڑی معزز ہیں۔ کچھ کپڑے بھی بھیجے ہیں، اور آپؐ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی ارسال کیا ہے۔	
۵	عمرو بن امیّہ الضمری	نجاشی حبش کا بادشاہ	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا مضمون وہی تھا، جو قیصر کے خط کا تھا۔	نجاشی نے اس کا بہت اچھا جواب دیا۔ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وُہ مسلمان ہو گیا تھا۔

اُن خطُوط کا نقشہ جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجُوسی۔ مُشرک اور کسریٰ کے ماتحت بادشاہوں، امیروں اور رؤساء کے نام روانہ کیے

نتیجہ	خط کا مضمُون	بادشاہ یا امیر کا نام	مسلمان سفیر کا نام	نمبر شمار
خط پڑھ کر بڑا غضبناک ہُوا اور اسے پھاڑ ڈالا اور یمن پر اپنے گورنر باذان کو حکم دیا کہ اس رسُول کا سر میرے پاس بھیج دو۔ جب کسریٰ کی یہ بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کی حکومت کے ٹکڑے کر دیئے۔ باذان نے دو آدمی رسُول پاک کی طرف بھیجے۔ جب یہ دونوں آدمی مدینہ منورہ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسریٰ فارس کے بادشاہ کے نام۔ اس پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور شہادت دے کہ اللہ تعالےٰ واحد ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اللہ تعالےٰ کے بندے، اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں تمام لوگوں	کسریٰ پرویز بادشاہ فارس	عبداللہ بن حذافہ	۱

نمبر شمار	مسلمان سفیر کا نام	بادشاہ یا امیر کا نام	خط کا مضمون	نتیجہ
			کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تاکہ زندوں کو خدا سے ڈرایا جاتے اور کافروں پر حجت تمام ہو جائے۔ مسلمان ہو جاؤ۔ بچ جاؤ گے۔ اگر انکار کرو گے، تو تمام مجوسیوں کا گناہ تمہاری گردن پر ہوگا۔	پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خبر دی کہ کسریٰ کو دھوکے سے اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے، اور انہی دونوں ایلچیوں کو بازان کی طرف اپنا ایلچی بنا لیا۔ وہ دونوں اس کو اسلام کی طرف دعوت دینے لگے۔ بازان مسلمان ہو گیا اور اس طرح جزیرۂ عرب کے جنوب میں یمن مسلمانوں کی طاقت کا نقطۂ ارتکاز قرار پایا۔
۲	العلاء الحضرمی	منذر بن سلوی بحرین کے والی کی طرف	اس کا وہی مضمون تھا، جو کسریٰ کے خط کا تھا۔	منذر خود مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم پر بھی اسلام پیش کیا۔ ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے اور بعض یہودی اور مجوسی مذہب پر قائم رہے۔ ان لوگوں پر اس نے جزیہ مقرر کر دیا

نمبر شمار	مسلمان سفیر کا نام	بادشاہ یا امیر کا نام	خط کا مضمون	نتیجہ
۳	مہاجر بن امیہؓ مخزومی	حارث حمیری یمن کے بادشاہ کی طرف	اس خط کا بھی مضمون وہی تھا جو کسریٰ کے خط کا تھا	بڑا غضبناک ہوا اور ایلچی کو دربار سے نکال دیا۔
۴	سلیط بن عمرو	ہوذہ بن علی الحنفی یمامہ کے بادشاہ کی طرف	اس کا مضمون بھی وہی تھا جو کسریٰ کے خط کا تھا۔	اس نے اسلام کی تیاری کا اظہار کیا۔ پھر اس نے ایک حاکم مقرر کر دیا۔ نبی کریمؐ نے اس کے اس طمع اور لالچ کی وجہ سے اس پر لعنت کی۔
۵	عمرو بن العاص السلمی	عمان کے بادشاہ کی طرف	اس کا مضمون بھی وہی تھا جو کسریٰ کے خط کا تھا۔	بڑا غضبناک ہوا، اور شدید ردِّعمل کا اظہار کیا۔

۱۶

کمزور طاقتور بن گئے

ونرید ان نمنّ علی الذین
استضعفوا فی الارض ونجعلھم
ائمۃ ونجعلھم الوارثین۔
القرآن الکریم

ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو
زمین پر کمزور اور بے مایہ ہیں۔ ہم انہی کو
مرتبۂ امامت دینا چاہتے ہیں اور انہی کو زمین
کا وارث بنانا چاہتے ہیں۔

فتح مکّہ

مؤقف عام

۱۔ مُسلمان :

صلح حدیبیہ نے مسلمانوں کے لیے یہ موقع فراہم کر دیا تھا کہ وہ مدینۂ منورہ کے یہُود پر عسکری برتری حاصل کر لیں اور ان کا استیصال کر دیں۔ اسی طرح اس صلح نے یہ موقع بھی فراہم کر دیا تھا کہ مدینۂ منورہ کے شمال میں بسنے والے قبائل پر مسلمان تاخت و تاراج کریں، اور غالب آجائیں۔ چنانچہ حدود شام و عراق تک کے قبائل ان کی بالادستی کے سامنے جھکنے اور ان کی برتری اور عظمت تسلیم کرنے پر مجبُور ہو گئے۔ کوئی عرب قبیلہ ایسا نہیں تھا جہاں اسلام کے قدم، کسی نہ کسی گھر میں، یا کسی نہ کسی دل میں نہ پہنچ چکے ہوں۔ اب مسلمان عسکری اور حربی نقطۂ نظر سے ایسی زبردست اور ناقابلِ تسخیر قوت بن چکے تھے کہ سارے جزیرۂ عرب میں کوئی طاقت بھی ان سے ٹکّر لینے یا ان کی حریف بننے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔

اب مسلمانوں کے سامنے صِرف ایک مہم تھی۔ جس سے وہ جلد از جلد فارغ ہو جانا چاہتے تھے۔

یہ مہم تھی فتح مکّہ کی!

مکّہ ـــــــــــ یہ وہ مقدس شہر تھا جہاں سے دعوتِ اسلام

کا آغاز ہُوا تھا، اور اب وہاں اسلام داخل بھی ہو چکا تھا، اس شہر کو سر کر لینا، اور اس میں آ کر بس جانا اب مسلمانوں کے لیے کوئی کارِ دشوار نہیں رہ گیا تھا، آسان کام تھا، جیسے جب اور جس وقت چاہتے وہ سرانجام دے سکتے تھے، لیکن بس ایک روک تھی اور وہ بہت بڑی روک تھی، وہ عہد شکنی کا ارتکاب بڑے سے بڑے فائدے اور نفع کے لیے بھی نہیں کر سکتے تھے، اور از رُوئے معاہدۂ صلح حدیبیہؔ وہ مکہؔ پر حملہ نہیں کر سکتے تھے، اسے فتح نہیں کر سکتے تھے، لفظی اور معنوی ہر اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام جس بات پر چٹان کی طرح جمے ہوتے تھے، وہ صلح نامہ حدیبیہؔ تھا، اسے نہ وہ توڑنا چاہتے تھے، نہ کوئی بہانہ کر کے اسے ردّی کاغذ کا ایک ٹکڑا بنا کر، حسبِ مرضی فوجی اور عسکری اقدام وعمل کا آغاز کر سکتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معاہدے پر درآمد کے سلسلے میں بہت زیادہ حریص تھے۔ وہ اس کے ایک نقطہ کے خلاف بھی کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے۔

۲۔ مشرکین:

قبائل کے بہت بڑے حصّے میں اسلام پھیل چکا تھا، ایسے قبائل میں بھی اسلام کی نشر و اشاعت کامیاب ہو رہی تھی، جو قریش سے وابستہ تھے، اور ان سے صلح و امن کا عہد و پیمان کر چکے تھے۔

قبائل کا دوسرا حصّہ وہ تھا۔ جو اب تک شرک پر قائم تھا۔ لیکن یہ کلمۂ شرک، یہ دینِ شرک، اب ایسی قوت نہیں رہ گیا تھا کہ مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہونے پر آمادہ کر سکتا، یہ بات اب ناممکنات میں سے تھی۔

اب قریش کے پاس کوئی ایسا بھاری بھرکم زعیم بھی نہیں رہ گیا تھا۔ جس کی آواز فرمان کا حکم رکھتی ہو، اور وہ اپنی مرضی کے مطابق لوگوں سے کام لے سکتا ہو کہ انہیں جدھر چاہے

ہانک کرلے جائے، اور جہاں سے چاہے واپس لے آئے۔ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا، جو اسلام کے احکام و اوامر کے سامنے بے چوں وچرا جھک جانا اپنے لیے موجب سعادت نہ سمجھتا ہو، اور مشرکوں کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے تند خو اور شعلہ مزاج لوگ جنگ کے نعرے بلند کرتے رہتے تھے۔ انہیں نتائج سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ ہر حالت میں اور ہر قیمت پر جنگ چاہتے تھے اور جو ان میں صاحب فہم و دانش، اور مزاج و طبیعت کے اعتبار سے اعتدال پسند تھے، وہ جنگ کے نام سے کوسوں دُور بھاگتے تھے۔ کیوں کہ جانتے تھے، اور بہت اچھی طرح محسوس کرتے تھے کہ اب اگر جنگ ہوئی تو قریش کا چراغ گل ہو جائے گا، ناقابلِ تصوّر مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا اور قریش کی طاقت ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

بنو بکر، قریش کے حلیف تھے، ان کی بنو خزاعہ سے ان بن رہتی تھی اور یہ بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ بنو بکر کی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ قریش کی امداد و تعاون سے قدیم انتقام طلب باتوں کا حساب چکتا کر دیں، قریش میں سے کچھ لوگ بنو بکر کو ایسے بھی مل گئے جو ان کے اس مجوزہ اقدام کے دل و جان سے حامی تھے اور انہیں اکسا رہے تھے کہ ہرگز وقت ضائع نہ کریں۔ اور بنو خزاعہ پر حملہ کر کے دل کی بھڑاس نکال لیں۔

جو لوگ بنو بکر کی "تائید کر رہے تھے اور انہیں بھڑکا رہے تھے، ان میں عکرمہ بن ابی جہل پیش پیش تھا، جب بات چل نکلی اور اسکیم نے فیصلے کی صورت اختیار کر لی تو قریش کے بعض اکابر، اور سردار بھی اس ریلے میں بہہ گئے، اور خفیہ طور پر آدمیوں سے اور اسلحہ سے بنو بکر کی مدد کی۔

بنو بکر کے دل کی مراد بر آئی۔ انہوں نے اچانک بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا، حملہ کامیاب رہا، اور بنو خزاعہ کو کافی مالی و جانی نقصان پہنچا، حملے کی تاب نہ لا کر، اور شکست سر پہ دیکھ کر بنو خزاعہ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ بیت اللہ میں پناہ گزیں ہو کر، کم از کم جان تو بچالیں، لیکن بنو بکر تو عزم مصمم کر چکے تھے کہ بنو خزاعہ کو زندہ رہنے کا موقعہ نہیں دینگے

چنانچہ انہوں نے تعاقب شروع کر دیا۔ انہیں یہ بات بالکل فراموش ہو چکی تھی کہ صلح حدیبیہ کی رو سے، وہ مسلمانوں کے حلیف قبیلے کے خلاف کسی طرح کا فوجی اور عسکری اقدام کرنے کے مجاز نہیں ہیں، اور معاہدے کی یہ خلاف ورزی سنگین خطرات و اثرات پیدا کرنے کی موجب ہو سکتی تھی۔

ایک طرف سے قریش اور ان کے حلیف کی طرف سے حدیبیہ کا صلح نامہ توڑا جا چکا تھا۔

دوسری طرف سے قدرۃً مسلمانوں کی طرف سے اب یہ ایک بے کار چیز ہو کر رہ گیا تھا۔ اس معاہدے کے ٹوٹنے کی اصل ذمّے داری قریش اور بنو بکر پر تھی۔

اعلانِ جنگ

۱۔ مُسلمان :

قریش اور بنو بکر کی طرف سے نقضِ عہد اور شکستِ صلح کی خبر لے کر، برق رفتاری کے ساتھ عمرو بن سالم خزاعی مدینۂ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

مدینۂ منورہ پہنچ کر اس نے سیدھا مسجدِ نبوی کا رُخ کیا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، نیز صحابۂ کرام کو ان لرزہ خیز اور ہولناک ستم رانیوں اور زیادتیوں سے مطلع کیا۔ جو قریش اور بنو بکر نے بنو خزاعہ کے خلاف مکّہ کے اندر اور باہر، دونوں جگہ روا رکھی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ روداد سُنی اور فرمایا :

"اے عمرو بن سالم، میں ضروری مدد اور دستگیری کروں گا۔"

اس کے بعد بدیل بن ورقاء بھی خزاعہ کے چند نفر لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں وارد ہونے کے ارادہ سے باہر نکلا۔ یہاں تک کہ یہ قافلۂ بلاکشاں مدینۂ منورہ میں داخل ہوگیا۔ ان لوگوں نے دکھ اور مصیبت کی وہ ساری کہانی آپؐ کے گوش گزار کر دی۔ جو خزاعہ پر گزری تھی، یہ واقعات سن کر آں حضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کا عزم فرمالیا۔

۲- قریش :

قریش کے ذی فہم اور معتدل مزاج لوگ اچھی طرح اندازہ کر چکے تھے کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان صلح اور التوائے جنگ کی شکست کا مطلب کیا ہے؟ چنانچہ ان لوگوں نے ابوسفیان کو مدینۂ منورہ روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

ان لوگوں کی تجویز یہ تھی کہ :

ابُوسفیان آپؐ کو اس بات پر آمادہ کرے کہ معاہدے کی تجدید کر دی جائے، اور اس کی مدت میں اضافہ کر دیا جائے۔

جب ابوسفیان مدینۂ منورہ کے راستے میں عسفان کے مقام پر پہنچا تو اس نے بدیل بن ورقاء اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ سے واپس آتے ہوئے دیکھ لیا۔ ابوسفیان کو خطرہ پیدا ہوا کہ شاید یہ لوگ آپؐ سے ملاقات کر کے واپس جا رہے ہیں اور بنوخزاعہ پر بنوبکر کے حملہ آور ہونے کا سارا ماجرا سنا آئے ہیں۔ اب اس کو اپنی مہم کی کامیابی مشکوک نظر آنے لگی، وہ اگرچہ بنوبکر کا دوست تھا اور بنوخزاعہ کا ہمدرد نہ تھا، لیکن نہیں چاہتا تھا کہ معاہدہ ٹوٹے، کیوں کہ اس کے ثمرات و نتائج کا اسے اچھی طرح سے اندازہ تھا۔

اس نے بدیل بن ورقاء سے استفسار کیا کہ آیا وہ آپؐ سے ملاقات کر کے آ رہا ہے، مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

ابوسفیان کو یقین نہیں آیا، اس نے بدیل کی سانڈنی کی مینگنیاں توڑ کر دیکھیں تو ان

میں کھجور کی گٹھلیاں موجود پائیں، جو اس بات کا قطعی ثبوت تھا، کہ یہ مدینۂ منورہ سے آ رہا ہے۔

ابوسفیان وارِدِ مدینہ ہُوا تو اپنی بیٹی، اُم المومنین ام حبیبہؓ کے گھر گیا، جو ازواجِ مطہّرات میں سے تھیں، جب وہ بستر پر بیٹھنے لگا، تو حضرت ام حبیبہؓ نے وہ بستر سمیٹ کر دوسری طرف رکھ دیا۔

ابوسفیان نے کہا :

"بیٹی میں سمجھ نہیں سکا، بستر تم نے کیوں سمیٹ کر الگ رکھ دیا؟ کیا یہ بستر میرے لائق نہیں تھا، یا میں اس بستر کے لائق نہیں تھا؟"

باپ کا یہ سوال سُن کر بیٹی نے بغیر کسی تامل اور جھجک کے فرمایا :

"بات یہ ہے کہ بستر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ مشرک اور نجس ہیں۔ آپ کو اس پر کس طرح بیٹھنے دُوں؟"

ابوسفیان نے یہ سُن کر کہا :

"خدا کی قسم مجھ سے جُدا ہو کر تو گستاخ اور غیر مہذّب ہو گئی ہے!"

اب ابوسفیان، ابوبکرؓ کے پاس آیا اور ان سے شفاعت کا طالب ہُوا، مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا :

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

ابوبکرؓ سے مایوس ہو کر ابوسفیان عمرؓ کے پاس آیا۔ اور چاہا کہ وہ سفارش کر کے معاملہ ختم کرا دیں۔

مگر انہوں نے نہایت سخت جواب دیا، فرمایا :

"کیا یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تمہاری سفارش میں کروں؟ بخدا، مجھے اگر (تلوار کے بجائے) ایک سینگ بھی حاصل ہو جائے تو اس کو لے کر

میں تم سے جہاد کروں گا۔"

اب ابوسفیان علیؓ بن ابی طالب کے پاس آیا۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ بھی موجود تھیں۔ علیؓ نے بھی اسے صاف جواب دے دیا۔ اور کہا :

" خدا کی قسم، اے ابوسفیان ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امر (فتح مکہ) کا عزم فرما چکے ہیں، اور ہم میں سے کسی میں یارا نہیں کہ اس سلسلے میں ان سے کچھ عرض کر سکے۔"

اس کے بعد ابوسفیان نے حضرت فاطمہؓ سے درخواست کرتے ہوئے کہا :

" آپ اپنے بیٹے حسن کو لوگوں کے پاس اس بارے میں بھیج دیجئے۔ شاید ان کی وجہ سے (یہ بگڑی ہوئی بات) بن جائے۔"

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا :

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف کوئی بھی ان سے کام نہیں لے سکتا۔"

یہ جواب سُن کر ابوسفیان نے اپنے آپ کو بالکل ناچار پایا،

اور علیؓ سے کہا :

" معاملات اس درجہ بگڑ چکے ہیں، کوئی رائے تو دو، آخر میں کیا کروں؟ کس طرح ان بگڑے ہوئے معاملات کو سدھاروں؟"

حضرت علیؓ نے رائے دی :

" بہتر یہ ہے، جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ !"

ابوسفیان نے یہی کیا،

اور قریش کے پاس واپس آ گیا، تاکہ انہیں صورت احوال سے مطلع، اور باخبر کر سکے۔

اس صاف و صریح ناکامی کے بعد اعلانِ جنگ میں کیا شبہ رہ گیا تھا؟

⁂ ⁂ ⁂

استفسارات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو حکم دیا کہ جنگ کا سرو سامان بہم پہنچانے کے لیے اپنا اپنا حصّہ ——— جو کچھ، اور جیسا کچھ اور جتنا کچھ بھی ممکن ہو ——— لاکر جمع کردیں، آپؐ نے کچھ آدمی مدینۂ منورہ سے باہر رہنے والے مسلمانوں کے پاس بھی پیغام دے کر بھیجا کہ وہ بھی، اپنا اپنا حصّہ شرکتِ جنگ کے لیے فوراً لے کر چل پڑیں۔ اہلِ خانہ کو بھی آپؐ نے تیاری کا حکم دیا کہ کوُچ کا سامان تیار کیا جائے۔

لیکن کسی کو بھی، اپنے اصل ارادے سے آگاہ نہیں فرمایا، نہ یہ بتایا کہ کدھر کا قصد ہے؟

ابو بکرؓ اپنی بیٹی عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے، وہ آپؐ کا سامانِ سفر تیار کر رہی تھیں۔ انہوں نے دریافت فرمایا :

"کیوں بیٹی، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم مرحمت فرمایا ہے کہ کوچ کا سامان تیار کرو؟"

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا :

"جی ہاں ——— بات تو یہی ہے!"

یہ کہہ کر پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

ابو بکرؓ نے پوچھا :

"تمہارے خیال میں آپؐ کا قصد کدھر کا ہے؟"

بیٹی نے باپ کو جواب دیا :

"خدا کی قسم، مجھے علم نہیں!"

جب کوچ کرنے کا وقت بالکل قریب آگیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمائی کہ:

منزلِ مقصود مکّہ ہے!

بعدازاں ہر چار سو آپؐ نے جاسوس منتشر کر دیئے کہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کی اطلاع قریش تک نہ پہنچنے پائے۔

ان پیش بندیوں اور احتیاطوں کے باوجود، خود ایک مسلمان ہی راز فاش کرتا ہُوا پکڑا گیا۔

حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے ایک نامہ لکھا، اور ایک عورت کے حوالے کیا، جو مکّہ کا سفر کر رہی تھی۔ اس خط میں انہوں نے قریش کو مسلمانوں کے عزائم، اور ارادۂ جنگ سے مطلع کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کا علم ——— خدا کی طرف سے ——— ہو گیا۔ آپؐ نے علیؓ بن ابی طالب اور زبیرؓ بن عوام کو مامور کیا کہ اس عورتؓ کو پکڑ لیں، اور اُس سے حاطب کا خط لے لیں۔ دونوں نے فوراً اسے جالیا اور اس سے وُہ خط بھی حاصل کر لیا جو حاطب نے قریش کو لکھا تھا۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کو اپنے حضور میں طلب فرمایا، اور پوچھا:

"تم سے اس حرکت کا صدور کیوں ہُوا؟"

حاطب نے جواب میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ، میں اللہ پر اس کے رسولؐ پر پختہ ایمان رکھتا ہُوں، نہ میں بدلا ہُوں، نہ میرا دل بدلا ہے۔ بات یہ ہے کہ میں ایسا آدمی ہُوں جس کا کوئی قرابت دار، اور ہم قوم

مکّہ میں نہیں ہے اور میرے بیوی بچّے وہیں ہیں۔ پس میں نے چاہا کہ ان پر ایک احسان رکھ دوں (تاکہ وہ میرے بیوی بچّوں کو کسی طرح کی اذیّت نہ دیں)

یہ سن کر عمرؓ بن خطاب نے کہا:

"یا رسول اللہ، مجھے اجازت مرحمت ہو کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، یہ شخص منافق ہو چکا ہے۔"

عمرؓ کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"حاطبؓ نے سچّی بات کہی ہے، اور تم اصل بات کیا جانو؟ جن لوگوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی، انہیں خدا نے اچھی طرح پرکھ لیا ہے۔

تب ہی فرمایا ہے:

"اعملوا ما شئتم!"

حاطب بن ابی بلتعہ کی سفارش ان کا وہ جہاد تھا۔ جو وہ ماضی میں کر چکے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ غلطی معاف کر دی، اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ حاطبؓ کا ذکر اچھے انداز میں کیا کریں[1]۔

---

[1] اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ:

جنگِ بدر میں شرکت کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کتنے محبوب تھے؟

اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ:

جس جرم کی سزا صرف موت ہو سکتی تھی۔ رحمۃ للعالمین نے اس کے غلط مقصد کو حسنِ نیت پر محمول فرمایا اور معاف کر دیا اور صرف اسی پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ تاکید فرمائی کہ حاطبؓ کی اس حرکت کا بُرے انداز میں چرچا نہ کریں بلکہ اچھے الفاظ میں انکا ذکر کیا کریں۔ کیا دنیا کے اس سب سے بڑے انسانؐ کا یہ ظرف عالی اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ (رئیس احمد جعفری)

اس کے بعد مسلمانوں نے اپنے استحضارات (سامانِ جنگ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں لا کر پیش کر دیئے۔

طرفین کی قوت و طاقت

۱- مسلمان :

تعداد، دس ہزار، قائد لشکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲- مشرکین :

قریش اور بنو بکر، اپنے الگ الگ سپہ سالاروں کے ساتھ۔

مکہ مکرمہ کی طرف کوچ

۱ ——— رمضان ۸ھ میں مسلمانوں نے مدینہ منورہ سے کوچ کیا۔ پیش نظر مقصد جو تھا وہ فتح مکہ تھا، مسلمانوں کا لشکر انصار، مہاجرین، بنو سلیم، مزینہ، غطفان اور دوسرے کئی قبائل سے مرکب تھا۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ، اور سروسامانِ جنگ اتنا وافر تھا کہ اس سے قبل جزیرۂ عرب میں اتنی بڑی فوج نہیں دیکھی گئی تھی۔

لشکر جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا اس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کیوں کہ وہ مسلمان قبائل جو اس راہ پر آباد تھے، راستے میں آکر شامل ہوتے جاتے تھے۔ اتنے عظیم لشکر،

غیر معمولی طاقت، اور اہمیت ظاہرہ کے باوجود اس کی نقل و حرکت کا کسی کو پتہ نہیں چل سکا۔ اور قریش اس کے بارے میں بالکل لاعلم رہے۔ حالانکہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب کسی وقت بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ معاہدۂ صلح ساقط ہو چکا تھا اور وہ بھی خود قریش کی طرف سے، مگر انہیں اس کا اندازہ نہیں تھا کہ :

حملہ کب ہوگا ؟

کہاں ہوگا ؟

اور کس طرح ہوگا ؟

بہرحال قریش مسلمانوں کی طرف سے ناگہانی اور اچانک حملے کا اندیشہ ہمہ وقت محسوس کر رہے تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس مرتبہ جو حملہ ہوگا، وہ حد درجہ قیامت خیز ہوگا، حد درجہ تباہ کن ہوگا۔

یہ محسوس کر کے ان کے بہت سے لوگوں کو عافیت اسی میں نظر آئی کہ اسلام قبول کر لیں، اور مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل کر لیں۔

ان کے بہت سے لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے اور قبول اسلام کا اعلان کر رہے تھے۔

انہی لوگوں میں عم رسولؐ، عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ انہیں مسلمانوں کا لشکر آتا ہوا راستے میں ملا۔

مسلمانوں کا لشکر شام کے قریب ایک مقام مرالظہران میں پہنچا۔ جو مکہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے، یہاں آکر مسلمانوں نے پڑاؤ کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ ہر مسلمان آگ روشن کرے تاکہ قریش لشکر اسلام کی ضخامت یعنی بڑائی کا اندازہ کر سکیں، لیکن یہ نہ جان سکیں کہ آپؐ کا ارادہ کس طرف حملہ کرنے کا ہے۔

الاؤ روشن کرانے کا مقصد یہ تھا کہ قریش کے دل پر مسلمانوں کی ہیبت چھا جائے، اور وہ جنگ کیے بغیر ہتھیار ڈال دیں، اور آپؐ اپنا اصل مقصد حاصل کر لیں، یعنی مکہ معظمہ میں داخل ہو جائیں۔ مگر اس طرح کہ خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پائے۔ کیوں کہ خوں ریزی آپؐ کو ذرا بھی پسند نہیں تھی۔

دس ہزار مسلمانوں نے آگ روشن کی۔ قریش نے اس آگ کو دیکھا، جس نے افق بعید کو روشن کر دیا تھا۔

ابوسفیان بن حرب، اور بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام جلدی سے آگ کی طرف لپکے، یہاں تک کہ انہوں نے اس آگ کا مرکز، اور آگ روشن کرنے والوں کی نیت، اور مقصدِ اصل کو تاڑ لیا، یہ لوگ جب لشکرِ اسلام کے قریب آئے تو ابوسفیان بن حرب نے اپنے ساتھی سے کہا:

" بخدا آج کی رات کی طرح نہ میں نے ایسے بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھے ہیں، نہ کبھی اتنا بڑا لشکر دیکھا ہے۔

بدیل بن ورقاء نے ابوسفیان کو جواب دیا:

" بخدا، آگ کے یہ شعلے بنوخزاعہ کے بھڑکائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں!"

ابوسفیان اس جواب سے قائل نہیں ہو سکا۔

اس نے کہا:

" خزاعہ کی تعداد معمولی ہے، قوت و طاقت کے اعتبار سے بھی کمزور ہیں، نہ انکی آگ ایسی ہو سکتی ہے، نہ ان کا لشکر اتنا بڑا ہو سکتا ہے!"

عم رسولؐ، عبّاس بن المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر باہر نکلے کہ قریش کو بتا دیں اتنا بڑا لشکر ان سے جنگ کرنے آ رہا ہے اور اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنا ان کے بس سے باہر ہے، قریش لشکرِ اسلام سے ہیبت زدہ ہو جائیں اور

جنگ کی آگ میں کُود ے بغیر ہتھیار ڈال دیں، اس طرح ان کی جان ومال کا تحفظ ہو جائے گا۔ اور وہ ایک شریفانہ صلح پُرامن ماحول میں کر سکنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ایسی زبردست جنگ سے اپنا دامن بچا لیں گے۔ جس کا نتیجہ اور انجام ظاہر ہے، اور جو صرف عصبیت جاہلی کا کرشمہ ہے، عباسؓ بن عبد المطلب نے راستے میں ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی باتیں سُن لیں، انہوں نے ابُوسفیان کی آواز پہچان لی، اُسے آواز دے کر بلایا، اور لشکرِ اسلام سر پر آجانے کی اطلاع دی،

اور مشورہ دیا :

"بہتر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں جا کر پناہ لے لو، تاکہ کل صبح مکہؔ میں نزول اجلال فرمانے سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ علیہ وسلم اس بارے میں غور فرما کر کوئی رائے قائم کر لیں۔ ورنہ تم، اور تمہاری قوم عقاب و تعزیر سے نہیں بچ سکتے!"

کچُھ بات چیت کے بعد، عباسؓ بن عبد المطلب نے ابوسفیان کو اپنی سواری کے خچر پر پیچھے بٹھالیا، اور اسے لے کر لشکرِ اسلام کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر میں داخل ہونے کے بعد، جلتی ہوئی آگ کی طرف سے خیمہ رسُولؐ کی طرف بڑھے، مسلمانوں نے انہیں دیکھا، لیکن حضرت عباسؓ کی وجہ سے خاموش رہے۔ جب وہ آتشِ عمرؓ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پہچان لیا اور جان گئے کہ عباسؓ انہیں جاں بخشی کے لیے لائے ہیں۔ وہ فوراً خیمہ رسولؐ کی طرف لپکے، اور قتلِ ابوسفیان کی اجازت طلب کرنے لگے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اجازت نہیں دی، اور حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے فرمایا :

"اسے اپنے خیمہ میں لے جائیے اور کل صبح میرے سامنے پیش کیجئے!"

جب صبح ہُوئی تو ابوسفیان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کے

حسبِ ارشاد پیش کیا گیا تو اس نے جان بچانے کے لیے قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔

عباسؓ نے کہا :

" یا رسول اللہ ، یہ ابوسفیان افتخار و نمائش کا جویا ہے۔ اس کے لیے کچھ فرما دیجیے۔"

آپؐ نے عباسؓ کو جواب دیتے ہوئے کہا :

" جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے ، اسے امان حاصل ہے ، جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے ، وہ مامون ہے ، جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے ، اس کے لیے امن ہے !"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ لشکر اسلام کی بڑائی ، اور مسلمانوں کے ساز و سامانِ جنگ کو دیکھ کر ابوسفیان کے دل میں بات بیٹھ جائے کہ جنگ کا انجام کیا ہوگا ؛ چنانچہ آپؐ نے اپنے چچا سے ارشاد فرمایا :

" ابوسفیان کو لے جا کر وادی کے کسی تنگ مقام پر کھڑا کر دیں ، تاکہ سارا لشکر اس کی نظر کے سامنے سے گزرے ، اور پھر مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہونے کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آنے پائے ، اور سمجھ لے کہ مقاومت کی ہر کوشش بیکار ہے !"

حضرت عباسؓ کا بیان ہے :

" میں ابوسفیان کو لے کر نکلا ، میں نے حسبِ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے وادی کے ایک تنگ مقام پر کھڑا کر دیا۔ قبائل اپنے اپنے علَم لے کر گزر رہے تھے۔ جب بھی کوئی قبیلہ گزرتا ، ابوسفیان پوچھتا :

" کیوں عباس یہ کون لوگ ہیں ؟"

میں جواب دیتا :

" یہ بنو سلیم ہیں !"

وہ چمک کر کہہ اٹھتا :

" مجھے بھلا ان کی کیا پرواہ ؟"

پھر کوئی اور قبیلہ گزرتا اور ابوسفیان وہی پہلے والا سوال دوہراتا۔

میں کہتا :

" یہ مزینہ ہیں۔"

وہ پھر وہی کہتا جو بنو سلیم کے بارے میں کہہ چکا تھا، یہاں تک کہ سب قبائل گزر گئے۔

جو بھی قبیلہ گزرتا ابوسفیان اس کے بارے میں دریافت کرتا، اور میرا جواب سن کر کہتا :

" میرے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے ؟"

آخر —— آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستۂ فوج کے ساتھ، جس کا رنگ سبز تھا، گزرے، اس میں مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی۔ خود اور زرہ میں ڈھکے ہوئے بس صرف آنکھیں نظر آتی تھیں، یہ منظر دیکھ کر وہ کہنے لگا :

" سبحان اللہ، بتاؤ تو سہی عباس یہ کون لوگ ہیں ؟"

میں نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا :

" مہاجرین اور انصار کے جھرمٹ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

یہ سن کر ابوسفیان کے منہ سے بے ساختہ نکلا :

" اس لشکر کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ کسی میں اتنا یارا نہیں، کہ ان لوگوں سے ٹکر لے سکے اور ان سے جنگ و پیکار کی جرأت کر سکے،

اے ابوالفضل[1] !

کل وہ دن آنے والا ہے، جب تیرے برادر زادے کی حکومت و طاقت سب سے بڑی اور مستحکم ہو گی۔"

یہ سن کر عباسؓ بن عبدالمطلب نے جواب دیتے ہوئے کہا :

"ابوسفیان، یہ نبوت ہے حکومت نہیں !"

وہ گویا ہوا :

"ہاں پھر ٹھیک ہے ———— بے شک یہی بات ہے !"

مکہ میں داخل ہونے سے پیشتر

ابوسفیان مکہ میں اس طرح داخل ہوا کہ حد درجہ سہما ہوا، مضطرب اور حواس باختہ تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے عقب میں آگ کے ایسے شعلے بھڑک رہے ہیں جو قریش کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے، اور وہ اس سے کسی طرح نہیں بچ سکیں گے۔ ان میں یہ تاب و تواں نہیں کہ ان بھڑکتے ہوتے شعلوں سے لڑ سکیں۔ وہ قریش کا اس طرح خاتمہ کر دیں گے کہ اس کے بعد وہ سر نہ اٹھا سکیں گے۔

مکہ والوں نے بھی دیکھ لیا کہ مسلمانوں کی فوجیں بالکل ان کے قریب آ گئی ہیں۔ انہوں نے اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا تھا اور نہ جنگ سے متعلق کوئی

---

[1] : یہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی کنیت تھی۔

(مترجم)

ضروری تدبیر سوچی تھی۔ اب وہ لوگ اپنے سرداروں کے پاس اکٹھے ہوئے وہ کسی آخری فیصلے کے منتظر تھے۔ ناگہانی طور پر انہوں نے ابوسفیان کی آواز سُنی جو ان کی طرف ہانپتا کانپتا آ رہا تھا۔

وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ رہا تھا :

" اے قریش کی جماعت! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سر پر آ چکے ہیں۔ تم ان کا کسی صورت میں بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اسے امن ہے۔"

ابوسفیان کی بیوی ہند بنتِ عتبہ اپنا سر پیٹنے لگی۔ یہ ان لوگوں کے ساتھ تھی جو قریش میں سے مسلمانوں کی عداوت میں حد سے بہت آگے بڑھ چکے تھے۔ آج وہ اپنے خاوند کے منہ سے ایسی باتیں سن رہی تھی۔ وہ اچھل کر اس کے قریب آ گئی اور اس کی مونچھوں کو پکڑ کر کھینچنے لگی اور زور سے چیخی :

" اس بھری ہوئی، موٹی مشک کو کاٹ کر رکھ دو۔ یہ قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔"

ابوسفیان اپنی بیوی کی ان گالیوں سے بالکل متاثر نہیں ہوا۔ اس نے پھر آواز دی اور قوم کو ڈرانے لگا:

" تم پر افسوس ہے، خبردار دھوکہ نہ کھا جانا۔ تمہارے سر پر ایسا لشکر آ پہنچا ہے، جس کا تم کبھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو ابُوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اس کو امن ہے۔"

یہ سُن کر قریش نے کہا :

" خدا تجھے غارت کرے، تیرے گھر میں کتنے آدمی داخل ہو سکیں گے؟"

پھر اُس نے کہا :

" جو اپنا دروازہ بند کرلے گا، اس کو بھی امن ہے اور جو مسجد الحرام میں داخل ہو جائیگا، اس کو بھی امن ہے ...."

صبح کے وقت مکّہ والے مسلمانوں کے داخلے کا انتظار کر رہے تھے، مرد اپنے گھروں کے دروازے بند کرکے ان کے پیچھے چھپ گئے۔ کچھ لوگ مسجد الحرام میں چلے آئے، اور کچھ تند مزاج لڑائی کرنے پر مصرّ رہے۔

فتح مکّہ کی کیفیّت

(نقشہ ملاحظہ فرمائیے)

ا - مجمل طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکّہ میں داخلہ مندرجہ ذیل طریقہ پر ہُوا:

الف: میسرہ کی قیادت پر حضرت زبیر بن عوام کو مامور کیا گیا، انہیں حکم دیا گیا تھا کہ مکّہ کی شمالی جانب سے آؤ۔

ب: میمنہ پر حضرت خالد بن ولید قائد تھے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ تم مکّہ کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہونا۔

ج: انصار کی فوجوں پر حضرت سعد بن عبادہؓ کو امیر مقرر کیا گیا انہیں حکم دیا گیا تھا کہ تم مکہ کی مغربی سمت سے داخل ہونا۔

د: مہاجرین کی فوجوں پر حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو قائد مقرر کیا گیا۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ مکّہ مکرمہ میں شمالی مغربی سمت سے داخل ہونا یعنی جبل ہند کی طرف سے۔

۵ : فتح کے بعد فوجوں کے اجتماع کے لیے جبلِ ہند کا منطقہ مقرر کیا گیا۔

۶ - رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ انتہائی مجبوری کے سوا جنگ نہ کریں۔ چنانچہ فتح کی کارروائی بالکل امن وسکون کے ساتھ بغیر کسی لڑائی کے مکمل ہوگئی۔

"فتح"

۱ : مکہ میں فوجوں کے داخلے سے پہلے بعض مسلمانوں نے حضرت سعد بن عبادہؓ کو یہ کہتے سُنا :

"آج کا دن لڑائی کا دن ہے۔ آج مکہ کی حرمت حلال ہو جائے گی۔"

جب یہ بات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنی تو آپؐ نے ان کے ہاتھ سے جھنڈا لے لیا اور ان کے بیٹے قیس کے ہاتھ میں فوجوں کی کمان دے دی۔ قیس بڑے ٹھنڈے دل ودماغ کے آدمی تھے۔ یہ اپنے آپ پر کنٹرول رکھنے میں بڑے ماہر تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے باپ کو بھی جنگ کے شعلے بھڑکانے کی اجازت نہ دی۔

مکہ میں مسلمان فوجیں داخل ہوگئیں۔ کسی سے مقابلہ کی نوبت نہ آئی۔ سوا حضرت خالدؓ بن ولید کے کہ کچھ تیز مزاج قریشی اپنے حلفاء بنو بکر کے ساتھ "خندمہ" کے علاقہ میں جمع ہوگئے۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید کی فوجیں وہاں پہنچیں تو ان لوگوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کردی۔ لیکن حضرت خالدؓ بن ولید نے تھوڑی ہی دیر میں ان کو منتشر کر دیا۔ مسلمانوں میں سے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔ وہ بھی اس طرح کہ وہ راستہ بھول گئے تھے اور اپنی جماعت سے الگ ہو گئے تھے۔ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور

عکرمہ بن ابو جہل نے جب دیکھا کہ وہ محاصرے میں آ رہے ہیں تو انہوں نے خندمہ کے علاقے میں اپنے مورچے چھوڑ دیئے اور اپنی فوجیں لے کر بھاگ گئے۔

اب یہ مقدس شہر مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکا تھا۔

"مکّہ کے اندر"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فوجیں مکہ پر قابض ہو جانے کے بعد جبل ہند کے پاس آ کر اکٹھی ہو گئیں۔ جب تمام فوجیں اکٹھی ہو گئیں، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ دیر آرام کر لیا تو پھر آپؐ اٹھے۔ مہاجرین اور انصار آپؐ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ حجر اسود کے پاس آئے۔ اس کو بوسہ دیا پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے آپؐ اپنی کمان سے انہیں کوچتے اور فرماتے جاتے تھے:

"حق آ گیا اور باطل برباد ہو گیا۔ باطل برباد ہی ہونے والا ہے۔ حق آ گیا اب باطل کبھی شروع نہ ہوگا اور نہ واپس لوٹ کر آئے گا۔"

پھر آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، اس سے خانہ کعبہ کی چابی لی۔ آپؐ نے دیکھا کہ اندر تمام دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے دو تصویریں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی بھی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں فالوں کے تیر پکڑائے ہوئے تھے۔ آپؐ نے خانہ کعبہ کے اندر کی تمام تصویریں بھی مٹا ڈالیں۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی، اور تکبیریں کہتے ہوئے خانہ کعبہ کے اندر گشت کرتے رہے۔ جب بُتوں اور تصویروں سے خانہ کعبہ پوری طرح پاک وصاف ہو گیا تو خانہ کعبہ کے دروازہ پر آ کر کھڑے ہو گئے۔

قریش منتظر تھے کہ دیکھئے اب ان کے متعلق کیا فیصلہ سُنایا جاتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا :

" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اس اکیلے نے شکست دے دی۔ گوشِ ہوش سے سنو، جاہلیت کے خون کے تمام دعوے اور مالی مقدمے اب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں ——— یعنی وہ ختم ہو گئے ہیں ——— ہاں خانہ کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب آج بھی موجود ہے۔

اے قریش کی جماعت ! اللہ تعالیٰ نے اب تم سے جاہلیت کا غرور اور آباء و اجداد کی وجہ سے عظمت و بزرگی کو ختم کر دیا۔ سب آدمی آدم کی اولاد ہیں، اور حضرت آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

اے لوگو ! ——— اللہ تعالیٰ کہتا ہے ——— ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے۔ ہم نے تمہاری شاخیں اور قبیلے اس لیے بنائے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔"

" اے قریش کی جماعت ! تمہیں میرے متعلق کیا توقع ہے کہ میں تم سے کیسا سلوک کروں گا ؟"


سب نے کہا :

" آپؐ اچھے بھائی ہیں اور اچھے بھائی کے بیٹے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا :

" میں بھی اسی طرح کہتا ہوں جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا :

" آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"


فتح مکّہ کا نقشہ
زبیر بن عوام کی فوجیں
شمال
وادی کی طرف راستہ
کدا کا راستہ
ابو عبیدہ بن جراح کی فوجیں
جبل ہند
جدہ کی طرف راستہ
حرم
خندمہ
جبل خندمہ
جبل ابو قبیس
سعد بن عبادہ کی فوجیں
یمن کا راستہ
حضرت خالد بن ولید کی فوجیں

مسلمانوں نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج فتح مکہ کے پہلے دن ہی اس دعوت کو پورا کر دیا۔ جس کی طرف آپؐ مسلسل بیس سال سے دعوت دیتے چلے آ رہے تھے۔ بتوں کی شکست و ریخت مکمل ہو چکی تھی۔ قریش کی موجودگی میں خانہ کعبہ سے بت پرستی رخصت ہو رہی تھی۔ آج سب دیکھ رہے تھے۔ کہ وہ بت جن کی صدیوں سے قریش اور ان کے آباؤ اجداد پوجا کرتے چلے آ رہے تھے اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکے تھے۔ اپنے آپ کو نہ نفع پہنچانے پر قادر تھے، نہ نقصان پہنچا سکتے تھے!

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں پندرہ روز قیام کیا۔ آپؐ نے مکہ مکرمہ میں انتظامی امور کو مکمل کیا اور مکہ والوں کو دین کے احکام سکھائے، اپنے لشکر میں سے بعض ٹکڑیوں کو اسلام کی دعوت کے لیے قرب و جوار میں بھیج دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ بت شکنی کرنا، لیکن کسی کو قتل نہ کرنا۔

ان فوجوں نے بغیر کسی لڑائی کے اپنے فرائض سر انجام دیئے۔ سوا خالدؓ بن ولید کی جماعت کے کہ جب وہ مقام نخلہ میں عزّیٰ بت کو گرانے کے لیے پہنچے اور عزّیٰ کو گرایا تو بنو جذیمہ نے باہر نکل کر اپنے ہتھیار اٹھا لیے۔

حضرت خالدؓ نے ان سے کہا :

"ہتھیار ڈال دو، کیوں کہ اب سب لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔"

اس وقت وہ لوگ متردّد ہو گئے۔ بعض تو لڑائی کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور بعض نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جن لوگوں نے ہتھیار اٹھائے تھے۔ ان میں سے بعض آدمیوں کو خالدؓ بن ولید نے قتل کر دیا۔

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھائے۔

اور فرمایا :

" اے اللہ ! جو کچھ خالد نے کیا ہے ۔ میں اس سے بری ہوں ۔ "

پھر آپ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا اور ان سے کہا :

" ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان کے معاملہ میں غور کرو ، اور جاہلیت کی تمام باتیں ختم کر دو ۔ "

حضرت علیؓ اپنے ساتھ مال لے کر آئے ۔ جب ان لوگوں کے پاس پہنچے تو ان کے مقتولوں کی دیت ادا کی اور جو مال ان سے لوٹ کر لے لیے گئے تھے واپس کر دیا ۔ جب تمام حقوق ادا ہو گئے تو بقایا مال جو ان کے پاس بچ گیا تھا ۔ وہ بھی انہیں دے دیا ، صرف اس احتیاط کی وجہ سے کہ کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ باقی نہ رہ جائے ۔

طرفین کا نقصان

۱ ۔ مسلمان :

صرف دو آدمی شہید ہوئے ۔

۲ ۔ مشرکین :

تیرہ آدمی قتل ہوئے اور کچھ زخمی ہوئے ۔

❁ ❁ ❁

فتح مکّہ

کے واقعہ سے کیا سبق ملتے ہیں؟

۱- ناگہانی حملہ :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بہت خیال تھا کہ آپؐ کے ارادے کا کسی کو علم نہ ہونے پائے۔ جب سے آپؐ نے مکّہ مکرمہ کی طرف کوچ کا ارادہ کیا تھا تب سے پوری احتیاط سے کام لے رہے تھے اور اس معاملہ میں سخت پردہ داری ہی آپؐ کی سب سے بڑی تیاری تھی۔

آپؐ نے اپنے ارادے کا اظہار اپنے قریب ترین صحابہ پر بھی نہ کیا۔ ابوبکر صدیقؓ تک بھی بلکہ اپنے ارادے کا اظہار اپنی سب سے عزیز بیوی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بھی نہ کیا۔ آپؐ کے تمام ارادے مخفی رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ نے کوچ کرنے کی مکمل تیاری کر لی۔ بلکہ آپؐ کا انذاری[۱] حکم بھی نافذ ہو گیا۔ مدینہ کے اندر اور

۱؎ انذاری حکم :

یہ ایک جنگی اصطلاح ہے۔ اس سے وہ ابتدائی حکم مراد لیا جاتا ہے جو مفصل احکام بھیجنے سے پہلے مجمل طور پر بھیج دیا جاتا ہے، تاکہ سرگروہ اور قائد و سپہ سالار اس کے متعلق پوری طرح غور و خوض کر لیں کہ آئندہ کی نقل و حرکت کے لیے کون سا پروگرام بنایا جائے۔ جنگی تیاری اس اجمالی حکم کے بعد ضرور سمجھ لی جاتی ہے ۱۲

باہر ہر جگہ تیاری مکمل کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ پھر آپؐ نے مدینہ سے مکہ کی طرف نکلتے وقت اپنے ارادے کا اظہار فرمایا اور وہ بھی اس وقت جب ارادے کو چھپانے کی کوئی صورت نہ رہی اور نقل و حرکت کی رفتار بڑی تیز کر دی گئی۔

اس کے باوجود آپؐ نے ہر طرف اپنے جاسوس پھیلا دیئے۔ پہرے دار مقرر کر دیئے گئے اور آپؐ کے گشتی دستے بڑی تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ مقصد یہ تھا کہ قریش کو کسی بھی صورت میں آپؐ کی نقل و حرکت کا علم نہ ہو سکے۔

آپؐ نے مدینہ کے اندر بھی اپنے جاسوس مقرر کر رکھے تھے تاکہ مدینہ والوں کی طرف سے قریش تک کوئی اطلاع نہ پہنچ سکے۔

آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا :

حاطب بن ابی بلتعہ کے مکتوب کی اطلاع آپؐ کو کس طرح ہوئی جو انہوں نے مکہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ آپؐ نے کس طرح اس خط کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنے سے پہلے پہلے روک لیا اور اس انکشافِ راز کے بعد باز پرس کر کے گو معاف کر دیا۔ لیکن سب کو معلوم ہو گیا کہ آپؐ کی نظر کتنی دُور بیں ہے!

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ منورہ سے باہر اور مدینہ کے اندر بھی اپنے جاسوس پھیلا دیئے تاکہ قریش کو معلومات سے بالکل اندھیرے میں رکھا جائے۔ مسلمانوں کے ارادوں کی انہیں کوئی اطلاع نہ پہنچ سکے۔ حتیٰ کہ منافقین اور قریش کے ہوا خواہ لوگ بھی کوئی اطلاع قریش تک نہ پہنچا سکے۔

آپؐ پوری چوکسی سے کام لے رہے تھے۔

یہاں تک کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے نواحی علاقہ میں پہنچ گئے۔ اور پھر مسلمانوں کی جنگی ترتیب کے متعلق قریش کو اتنا قریب ہوتے ہوئے بھی پتہ نہ چل سکا۔

اگر قریش کو مسلمانوں کے ارادے کا علم ابتدائی وقت میں ہو جاتا تو وہ اپنے حلیفوں کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اپنی طاقت کو منظم کر لیتے اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے کوئی مناسب پروگرام تجویز کر لیتے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا لمبی مدت تک مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ اور اس صورت میں بجائے فتح کی خوشی کے بے اندازہ جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا، اور انتہائی شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

یہ کوئی آسان بات نہیں ایک بہت بڑا لشکر جس کی تعداد دس ہزار تک ہو۔ نقل و حرکت کرے، جس میں سوار بھی ہوں اور پیادے بھی ہوں اور پھر بھی قریش کو ان کے ارادے اور نقل و حرکت کے وقت تک سے بے خبری ہو۔ یہاں تک کہ یہ لشکر مکہ کے بالکل قریب پہنچ جائے۔

قریش کو ناگہانی طور پر لشکر نظر آیا اور اس وقت پتہ چلا جب وہ یہ بھی نہ سوچ سکے کہ کیا کیا جائے۔ مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب ———— جس سے آپؐ نے قریش کو معلومات سے محروم رکھا ———— نے آپؐ کو ایک بے نظیر ناگہانی حملہ کا موقع فراہم کر دیا۔ اس طرح قریش لڑائی چھوڑ کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

۲۔ معلومات :

ایک سپہ سالار اپنا جنگی نقشہ اسی نسبت سے تیار کر سکے گا جس طرح کی معلومات اس کو فراہم ہوں گی۔

اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ :

* دشمن کا ارادہ کیا ہے ؟
* اس کی فوجوں کی تعداد کتنی ہے ؟
* اس کی تنظیم کیسی ہے ؟
* ان کے پاس ہتھیار کس قسم کے ہیں ؟
* ان کی چوکیاں کہاں کہاں ہیں ؟
* ان کا اسلوبِ جنگ کیا ہے ؟

جب اس قسم کی معلومات پوری تفصیل سے میسّر ہو جائیں گی۔ تب سپہ سالار جنگ کا نقشہ پوری باریک بینی سے تیار کر سکے گا اور اس کی کامیابی کا امکان بہت بڑھ جائے گا۔

مسلمان بنو خزاعہ کے وفد سے قریش کی طرف سے عہد شکنی کی پوری کیفیت سن چکے تھے۔ ان کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ قریش اس حملہ میں متردّد تھے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو ہر اس بڑے کام کی اطلاع بالکل صحیح وقت پر مل جاتی تھی، جو مدینہ منورہ کے اندر وقوع پذیر ہوتا یا اس سے باہر اور وہ یہ بھی جانتے تھے، کہ کون کون مدینہ آیا ہے اور کون کون یہاں سے گیا ہے ؟

لیکن قریش کسی طرح کی معلومات مہیا نہ کر سکے، نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچ کرنے سے پہلے نہ کوچ کے دوران میں، یہاں تک کہ آپؐ بالکل مکّہ مکرمہ کے قریب پہنچ گئے۔

ابو سفیان نے بہتیرے حیلے کیے کہ مسلمانوں کے ارادے کے متعلق اپنی بیٹی ام حبیبہؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہی سے کچھ معلومات مہیا کر سکے۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

پھر اُس نے حیلہ کر کے مدینۂ منورہ کے مسلمانوں سے معلومات حاصل کرنا چاہیں،

لیکن محروم رہا۔ پھر بنو خزاعہ کے وفد سے کچھ پوچھنا چاہا، تو وفد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہی کا انکار کر دیا، اور اس طرح قریش پوری طرح اندھیرے میں رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کا لشکر مکہ کے قریب پہنچ گیا اور مکہ والوں کے لیے مہلک تقدیر ثابت ہوا۔

۳۔ دُور اندیشی :

کامیاب سپہ سالار وہ ہوتا ہے جو دوسری خوبیوں کے علاوہ دُور اندیشی کی صفت سے موصوف ہو اور ہر احتمال کے لیے ضروری تدابیر اختیار کرے، یہ نہ ہو کہ تمام معاملات تقدیر کے حوالے کر دے۔

یہ صحیح ہے کہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وُہ جسے چاہے عنایت فرمائے۔ تقدیر میں جو ہونا ہے وہ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فتح انہی لوگوں کے لیے مقدر کرتا ہے جو اس کی تیاری کرتے ہیں اور ہر وہ احتمال جو پیش آ سکتا ہو، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لیے پُوری احتیاط کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فوجیوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح کا اقدام کرنے کے لیے خواہ وہ کوئی سی فوجی حرکت ہو بدترین احتمالات کو اپنی فردِ حساب میں شامل کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابو سفیان کو مکّہ کے پہاڑ کی کسی تنگ جگہ پر کھڑا کیا جائے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے تمام لشکر اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزر جائیں، تاکہ وہ جا کر اپنی قوم کو چشم دید حالات سے آگاہ کر سکے اور جو کچھ بیان کرے وہ دلیل اور یقین کی بناء پر بیان کرے۔

اور دوسری وجہ یہ بھی تھی :

ابو سفیان کی طبیعت جب تک پُوری طرح ٹوٹ نہ جائے۔ مرعوب نہ ہو جائے اس وقت سے پہلے پہلے ابو سفیان مکہ نہ جا سکے۔ کیوں کہ اس صُورت میں احتمال تھا کہ

شائد کسی جگہ قریش کو مقابلہ کرنے کا خیال آجائے۔ خواہ اس کی نوعیّت کیا ہو اور خواہ اس میں کتنے ہی خطرات کیوں نہ ہوں۔

اور پھر خود ابوسفیان نے عملی طور پر مسلمانوں کی فوجیں دیکھنے کے بعد اس چیز کا اقرار کیا کہ قریش ان فوجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فردِ حساب میں بدترین احتمالات بھی شمار کر رکھے تھے۔ جب کہ وہ مکّہ میں داخلے کے لیے اپنی فوجوں کو منظم کر رہے تھے۔ اسی چیز نے آپؐ کو مجبور کیا تھا کہ شہر کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا جائے اور ہر سمت میں اتنی کافی فوجیں متعین کیں کہ وہ اپنی جنگ مستقل طور پر دوسری جماعتوں سے بالکل بے نیاز ہو کر جاری رکھ سکیں اور اس طریق سے آپؐ ہر مقابلے کا خاتمہ کر سکتے تھے جو مکہ کے کسی مقام پر بھی ہو، اور اس طرح آپؐ نے قریش کی فوجوں کو چاروں سمت میں تقسیم کر کے ہر جگہ اُنھیں کمزور کر دیا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام کامیاب تدابیر اس خیال کے باوجُود اختیار کیں کہ قریش کے مقابلے کا امکان بہت ہی کم تھا اور یہ ناگہانی حملہ اس لیے کیا گیا کہ اس طرح دشمن کی فوجوں کو ہر حال میں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جا سکے۔

اور یہ تمام تدابیر دُور اندیشی کی بہترین مثالیں ہیں، جن کے بغیر کوئی اچھا سپہ سالار کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اور ایک عبقری قائد کے لیے ان سے متصف ہونا ہی ضروری ہے اور بلاشبہ آپؐ نے ثابت کر دیا کہ آپؐ قائد عبقری تھے۔

۴۔ تنظیم :

فتح مکہ کے لیے جو لشکر اکٹھا کیا گیا تھا۔ اس میں مہاجر بھی تھے اور انصار بھی۔

علاوہ ازیں عرب کے معروف و مشہور قبائل کے مُسلمان بھی تھے۔ حسبِ ذیل مسلمان افراد اس لشکر میں شامل تھے :

- سات سو افراد بنو سلیم کے تھے۔
- ایک ہزار مزینہ سے۔
- چار سو بنو غفار سے۔
- چودہ سو افراد بنو جہینہ سے۔

اور کچھ تعداد :

- بنو تمیم
- بنو اسد
- اور بنو قیس قبائل کی بھی تھی۔

اور ان کے علاوہ اور قبائل کے کچھ افراد بھی اس لشکر میں شامل تھے۔

اس طرح کی تنظیم نے مشرکین کو مسلمانوں کے لشکر کا مقابلہ کرنے میں متردّد کر دیا۔ کیونکہ ہر قبیلے کی ایک خاصی تعداد اس لشکر میں موجود تھی۔ بلکہ اکثر قبائل اس لشکر کی کامیابی کو اپنی کامیابی تصوّر کرتے تھے۔ حالانکہ عقیدے کا اختلاف بھی بعض قبائل سے تھا اور سب سے بڑھ کر یہ بات تھی کہ اس لشکر کی کامیابی کسی خاص قبیلے کی کامیابی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ بالکل اسی طرح کہ اگر خدانخواستہ یہ لشکر شکست کھا جاتا تو یہ شکست کسی خاص قبیلے کے لیے عار کا باعث نہ ہوتی۔ کیوں کہ یہ لشکر کسی خاص قبیلہ کا لشکر نہ تھا۔ جس میں کسی دوسرے قبیلہ کا حصّہ نہ ہو۔

یہ جنگ عربی اور غیر عربی کی جنگ بھی نہیں تھی بلکہ یہ جنگ اسلام اور اس دین کو قبول کرنے والوں کی جنگ تھی خواہ وہ عربی ہوں یا غیر عربی۔

میرا عقیدہ ہے کہ اس لشکر کی اس طریقہ سے تنظیم اس لیے میسّر ہو گئی کہ ان لوگوں

کا عقیدہ ایک تھا۔ اس کے علاوہ کوئی بھی مؤثر تحریک ایسی نہ ہوتی جو ان کو اس طرح اکٹھا کر دیتی۔

آپؐ نے کچھ اس طرح کا نظام مرتب کیا کہ کوئی قبیلہ کسی قبیلہ یا قبائل کے مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا اور کوئی بھی ان قبائل میں سے کسی دوسرے قبیلہ کی اگر فتح نہیں چاہتا تھا تو کم از کم شکست کسی صورت میں بھی نہیں چاہتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کفار آپؐ کے مقابلہ کی جرأت نہ کر سکے۔

اور جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریش تک کسی قسم کی خبر پہنچنے کی روک تھام کے متعلق حکم دیا تھا اس کی تعمیل میں بھی سب سے بڑا ہاتھ اسی خیال کا تھا کہ آپؐ کی طرف سے یا مسلمانوں کی طرف سے کفار کو خبریں پہنچانے کا مطلب یہ ہے، کہ مسلمانوں کے لشکر کو نقصان پہنچایا جائے اور پھر یہ نقصان تمام قبائل پر تقسیم ہوگا نہ کہ کسی خاص ایک قبیلہ پر۔ اور اس طرح تمام قبائل کو نقصان پہنچے گا نہ کہ صرف مسلمانوں کو۔ اور اس چیز کی بھی کیا ضمانت ہو سکتی ہے کہ سب سے زیادہ نقصان انہی لوگوں کو پہنچے، جو ایسے قبائل سے منسوب ہوں جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا سبب بنیں۔

۵۔ معنویات (عزم و استقلال اور مورال)

فتح مکہ کے ایام کے زمانے کی طرح مسلمانوں کے عزم و استقلال میں کبھی بھی وہ طاقت نہیں آئی تھی، جو اب تھی۔

یہ پاک اور مقدس شہر اب مسلمانوں کے پاس تھا جس کی طرف وہ ہر روز منہ کر کے نمازیں پڑھا کرتے تھے اور جس کے گھر کا ہر سال حج کیا کرتے تھے۔

اور مہاجرین کی نگاہ میں مکہ کی اہمیت اس سے بہت زیادہ تھی کہ وہ ایک مقدس شہر ہے۔ یہ ان کا اپنا شہر تھا جس کو انہوں نے اپنا دین بچانے کے لیے ہجرت کر کے

چھوڑ دیا تھا۔

اسی شہر میں ان کا مال و املاک بھی تھا ان کے اقرباء اور عزیز بھی یہیں تھے اور بہت سے ان کے روابط تھے، جن کا فراموش کرنا مشکل تھا۔

یہی وجہ تھی کہ :

کوئی مسلمان بھی اس غزوہ سے غیر حاضر نہیں رہا تھا سوائے ان چند لوگوں کے جو نہایت معذور اور مجبور تھے۔

اس کے برخلاف قریش کا عزم و استقلال اور مورال انتہا درجہ کا پست اور مائل بہ انحطاط تھا اور حق بھی یہی تھا کہ وہ پست ہوں۔ سب سے پہلے تو ان کے قلوب پر عمرۃ القضاء نے اثر کیا تھا۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اور پھر دوسری چیز جس نے ان کا دل کمزور کر دیا تھا۔ وہ یہ تھی کہ مکہ کے تقریباً ہر گھر میں اسلام پھیل چکا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مکہ کے اندر مقابلہ اور جنگ کی روح مر چکی تھی۔

قبیلہ بنو بکر کا حماس بن قیس نامی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخلے سے پہلے ہتھیار اکٹھے کیا کرتا تھے۔

ایک دن اس کی مشرک بیوی نے اس سے پوچھا :

"یہ ہتھیار کس کے مقابلہ کے لیے اکٹھے کر رہے ہو ؟"

اس نے کہا :

"محمدؐ اور اس کے صحابہؓ کے مقابلہ کے لیے۔"

وہ کہنے لگی :

"خدا کی قسم اب کوئی طاقت بھی محمد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

جب مکہ کے اندر مشرکین کے دلوں کی یہ کیفیت تھی تو پھر وہ کس طرح مقابلہ کر سکتے تھے اور جنگ کا اقدام کرتے وقت کیوں نہ متردد ہوتے ؟ سراسیمہ اور حواس باختہ

کیوں نظر نہ آتے؟

میں تسلیم کرتا ہوں کہ مکہ حقیقت میں اس دن فتح ہوگیا تھا جس دن مسلمان عمرۃ القضاء کے لیے مکہّ مکرمہ میں آتے تھے۔ کیوں کہ اس عمرہ نے قریش کے دلوں پر بہت گہرا اثر کیا تھا۔

عمرۃ القضاء نے قریش کے دلوں کے دروازے کھولے تھے اور غزوۂ فتح نے مکہ شہر کے دروازے کھول دیتے۔

اس کے علاوہ قریش کی طبیعتوں کو گرانے میں جس چیز نے سب سے زیادہ اثر کیا اور مقابلہ کی رُوح شلّ ہوکر رہ گئی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مسلمان کو فتح مکہ کی رات آگ جلانے کا حکم تھا۔ دس ہزار جگہوں پر آگ روشن تھی اور پھر تمام لشکر ابوسفیان کی نگاہوں کے سامنے سے گذارا گیا جو قریش کا سب سے بڑا سپہ سالار تھا اور پھر مسلمانوں کی فوجوں کو مکہ کے چاروں طرف سے داخلہ کا حکم دیا گیا۔

فتح مکہ کی جنگ حقیقت میں طبیعتوں کے گرنے کی جنگ تھی، نہ کہ میدان کا معرکہ! سپردگی کی جنگ تھی، نہ کہ برابر کی ٹکّر!

۶ - سلامت روی :

جب سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہّ کا ارادہ کرکے مدینۂ منورہ سے نکلے تھے اپنی صلح و امن کی خواہش پر بڑی سختی سے کاربند تھے۔ تاکہ اس طریقہ سے مشرکین کے دلوں میں محبّت پیدا ہو جائے اور اس طرح وہ اسلام قبول کرلیں، ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔

فتح مکہّ کی رات میں اس قدر آگ روشن کرنا جس کی مثال عرب نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قریش کے اندر سے مقابلہ کی رُوح ختم ہو

جائے اور اس طرح وہ بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو جائیں تاکہ صلح وامن کا مقصد خوں ریزی کے بغیر پورا ہو جائے۔

اور پھر تمام لشکر کا ابوسفیان کی نگاہوں سے گذارنا، اس کا مطلب بھی یہی تھا کہ عدم مقابلہ پر ابوسفیان قناعت کر جائے،

اور دوسرا یہ کہ لشکر دیکھنے کے بعد قریش کو اپنی حتمی رائے پر متفق کر سکے، اور اس طرح صلح وامن کا مرحلۂ صعب آسان تر ہو جائے۔

اور پھر جو یہ فرمایا کہ:

"جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے یا اپنے گھر کے دروازے بند کر لے یا خانۂ کعبہ میں جا کر پناہ لے لے تو اس کو امن ہے۔"

اس کا مطلب بھی یہی تھا کہ:

لوگ مقابلہ کے لیے کسی جگہ اکٹھے نہ ہو سکیں۔ تنگ آمد بجنگ آمد پر عمل پیرا نہ ہوں۔ امن وصلح کا دروازہ ان کے لیے کھول دیا جائے۔

بلکہ مسلمان فوجوں کا مکہ کے چاروں طرف سے داخل ہونے کا مطلب بھی یہی تھا کہ قریش سمجھ جائیں کہ اب مقابلہ ناممکن ہے۔ اور اب خاموشی کے ساتھ سر طاعت خم کر دینے اور امن وصلح کی زندگی اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

ان تمام چیزوں کا مآل اور انجام کیا تھا؟

صلح وامن اور خوں ریزی سے گریز واحتیاط۔

پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ فتح کرنے کے بعد بھی اپنی اسی امن اور سلامتی کی پالیسی پر قائم رہے۔ آپؐ نے قریش کے متعلق عفو عام کا اعلان کر دیا،

اور فرمایا:

"جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

پھر جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتماعی اور قومی سلامتی کے خواہش مند تھے، اسی طرح آپؐ انفرادی اور شخصی سلامتی کے بھی خواہاں تھے۔ آپؐ نے کسی کو قتل کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ یہاں تک کہ مشرکوں کے قتل کرنے سے بھی روک دیا تھا۔

بنو خزاعہ نے جو مسلمانوں کے حلیف تھے بنو ہذیل کے ایک آدمی کو فتح مکہ کی صبح کسی اپنے پرانے انتقام کی وجہ سے قتل کر دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نہایت غضب ناک ہوئے۔ آپؐ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

"اے خزاعہ کی جماعت! کسی کو قتل کرنے سے اپنا ہاتھ روک لو۔ اگر یہ چیز کوئی فائدہ مند ہے تو آج سے پہلے بہت ہو چکی ہے۔ تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ میں اس کی دیت ادا کروں گا اور پھر میرے اس خطبہ کے بعد جو آدمی کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے وارثوں کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ اگر وہ چاہیں تو قاتل کا سر قلم کر دیں، چاہیں تو اس سے دیت قبول کر لیں!"

پھر اس آدمی کی آپؐ نے دیت ادا کی جسے بنو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامت روی اور امن کوشی کی یہ انتہائی مثال ہے کہ آپؐ نے مشرکین میں سے اس آدمی کو بھی قتل نہ کیا جو خود آپؐ کو دھوکے سے قتل کرنا چاہتا تھا۔ جب آپؐ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، پھر اتنا ہی نہیں کہ اُسے معاف کر دیا، بلکہ اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔ فُضالہ بن عمیر بالکل آپؐ کے قریب آ گیا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ اگر کوئی موقع مل جائے تو آپؐ کو قتل کر دُوں گا۔ اس کی طرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا۔ اس کی نیت کو بھانپ لیا۔ پھر آپؐ نے اُسے بلایا اور اس سے پُوچھا:

"تیرے دل میں اس وقت کیا خیال آ رہا ہے؟"

اُس نے کہا :

"کچھ بھی نہیں، مَیں خدُا کو یاد کر رہا تھا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، لُطف و کرم کا اظہار فرمایا اور اپنا دستِ مبارک اس کے سینے پر رکھا۔

جب وہ آدمی واپس جانے لگا تو کہہ رہا تھا :

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی میرے سینہ سے اپنا ہاتھ اٹھایا بھی نہیں تھا کہ آپؐ تمام مخلوق میں مجھ کو سب سے زیادہ عزیز و محبُوب معلوُم ہونے لگے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امن وسلام کے خواہاں اس لیے بھی تھے کہ کفّار کے دلوں کو اپنی طرف مائل کیا جاتے وہ ان کی باتوں کو تسلیم کر لیں تاکہ اسلام ان کے دل میں گھر کر جائے۔ یہ کوئی آسان بات نہیں تھی کہ قریش اس انجام کو قبوُل کر لیں جو بالآخر ان کو قبول کرنا پڑا تھا۔ کیوُں کہ وہ عرب کے سردار تھے۔ کوئی آدمی ان سے جنگ نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ شہری اور مہذب لوگ بھی تھے۔ لڑائی کے لحاظ سے بڑے طاقت ور، دولت کے لحاظ سے امیر کبیر اور پھر انہی کے شہر میں بیت الحرام بھی تھا۔ جس کے وہ امین اور نگہبان بھی بنے ہوُئے تھے۔

قریش کے لیے یہ آسان بات نہیں تھی کہ وہ اس انجام کو قبول کریں اور بطیبِ خاطر اسلام کے دین کو اختیار کریں اور جہادِ اسلام کے جھنڈے اٹھائیں۔

اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سلامتی اور رحمت و رافت کا برتاؤ نہ کرتے۔ جس کی قریش کو کوئی توقع نہ تھی، تو قریش کا یہ موقف کبھی نہ ہوتا کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لیے پرچم اٹھائیں، حالاں کہ پہلے وُہ اسلام کے بدترین دشمن تھے، اور اس کے استیصال کے دل وجان سے خواہاں!

مزید یہ کہ اسلام میں صلح و سلام کا دینی مقام ہے۔ جس کا اللہ تعالےٰ نے

اپنی کتاب محکم میں حکم دیا ہے :

"و ان جنحو اللسلم فاجنح لها"

۷ - ایفاء عہد - پاسِ وفا :

جنگی تاریخ فاتح قوموں کے ظلم اور انتقام کے اعمال سے بھری پڑی ہے ، اور شاذ و نادر ہی ہم تاریخ میں کوئی واقعہ پائیں گے بلکہ قطعاً نہیں پائیں گے ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاء عہد کی مثال کا ہم پایہ بن سکتا ہو۔

سچّی بات تو یہ ہے کہ :

دنیا کی پوری تاریخ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفائے عہد کی مثال نہیں مل سکتی۔

انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں داخلہ دیکھا ، جو آپؐ کا محبوب شہر تھا۔ بڑی لمبی جدائی کے بعد آپؐ نے اس کو دیکھا تھا۔ پھر انہوں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ آپؐ کی قوم اور آپؐ کے خاندان کے آدمی آپؐ کے گرد اکھٹے ہو گئے۔ تو بعض انصاریوں نے بعض سے کہا :

" تمہارا کیا خیال ہے آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب کہ اپنے شہر کو فتح کر چکے ہیں تو کیا یہیں قیام نہ فرمائیں گے ؟"

لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمحہ کی تاخیر نہ کی اور ان سے پوچھا :

" تم کیا کہہ رہے تھے ؟"

جب انہوں نے کچھ تردّد کے بعد اپنے دل کی بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دی ،

تو آپؐ نے فرمایا :

"خدا کی پناہ! میری زندگی بھی تمہارے ساتھ ہے اور میری موت بھی تمہارے ساتھ ہے۔"

حالانکہ آپؐ کو اس وقت حق پہنچتا تھا کہ مکہ میں سکونت اختیار کر لیتے۔ کیونکہ اس میں آپؐ کے خاندان اور قوم کے لوگ تھے اور اسی شہر میں بیت اللہ بھی تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوئے وفا نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ آپؐ سختی کے وقت کے دوستوں کو عافیت کے وقت میں بھول نہ سکتے تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب نے فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ کی چابیاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیکھیں تو آپؐ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول حاجیوں کو پانی پلانے کے منصب کے ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا منصب بھی ہم کو عطا فرما دیجئے۔"

یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عثمان بن طلحہ کہاں ہے؟"

جب عثمان آپؐ کے پاس حاضر ہوا تو آپؐ نے اس سے فرمایا:

"اے ابن طلحہ! اپنی یہ چابیاں لو۔ آج کا دن نیکی اور پاسِ وفا کا دن ہے۔"

آپؐ کا اپنے عہد کو پورا کرنا اور اس کی حد درجہ حرص کرنا، ہر حالت میں اس پر کاربند رہنا، ایسے واقعات ہیں جو تاریخ میں بے شمار مل سکتے ہیں۔

یہ آپؐ کے وفاء عہد کی صرف چند مثالیں ہیں۔

یہاں تک کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں سے زیادہ آپؐ کے دشمنوں نے اس بات کا اقرار کیا:

"آپؐ سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے، سب سے زیادہ بردبار تھے، سب سے زیادہ شریف تھے، سب سے زیادہ وفادار تھے۔"

۸ - تواضع :

شکست اور فتح دونوں حالتوں میں اپنے دل و دماغ پر پوری طرح قابو رکھنا، مشکل ترین کام ہے، اور یہی چیز ایک اچھے قائد اور سپہ سالار میں سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔

اور بعض دفعہ شکست کی حالت میں فتح کی نسبت قابو پانا آسان ہوتا ہے۔ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو فتح نے کتنے ہی قائدوں کے اخلاق تبدیل کر کے رکھ دیئے۔ پہلے ان کی کیا حالت تھی اور بعد میں حالت کیا ہو گئی ؟ زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔

لیکن فتح مکہ کے روز فتح نے مسلمانوں پر یہ اثر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے گئے یہاں تک کہ مسلمانوں نے آپؐ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ کا سر مبارک کجاوے کی لکڑی پر آکر ٹک گیا تھا، اور آپؐ کے رُوئیں رُوئیں سے انتہائی تواضع ظاہر ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ آپؐ کی ریش مبارک خشوع وخضوع کی وجہ سے اتنی جھک آئی تھی کہ پالان کے درمیانی حصہ کو چھُو رہی تھی اور آپؐ کی آنکھوں میں تشکر اور خوشی کی وجہ سے آنسو چمک رہے تھے۔

اس تواضع کی قیمت اس وقت بہُت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب یہ ایسے وقت میں تھی جو مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی کامیابی کا وقت تھا، اور حقیقتاً ایسے وقت میں تواضع کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ جب اس کے ساتھ عظمت اور جبروت بھی شامل ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ :

دنیا کے قائد مختلف حالات اور مختلف اوقات میں کس طرح اپنی عظمت اور جبروت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حالاں کہ ان کی کامیابی فتح مکہ کے مقابلے میں بالکل ہیچ نظر

آتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تواضع اختیار کرنا اصل میں ہر قائد کے لیے، جو غالب آچکا ہو ایک عملی سبق ہے، اور فتح اور نصرت کے اوقات میں اس طرح تواضع کا مظاہرہ کرنا حقیقت میں بہت مشکل کام ہے۔

۹۔ عقیدہ :

آپ نے ملاحظہ کیا کہ کس طرح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم نے اپنے والد کے نیچے سے بستر مبارک ہٹا لیا۔ حالاں کہ ان کا باپ —— ابوسفیان —— سفر سے آیا تھا، اُن کے گھر آیا تھا، بڑی مدت کے بعد آیا تھا۔ یہ واقعہ اس لیے ظہور پذیر ہُوا کہ انہوں نے ایک مُشرک کو ناپاک سمجھا اور اس سے منہ پھیر لیا۔ خواہ وہ مشرک ان کا مسافر باپ ہی کیوں نہ ہو۔

اور جب ابوسفیان حضرت عباس رضؓ کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آرہا تھا تو اس کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے اپنا خیمہ چھوڑ دیا، اور آپؐ کے خیمہ کی طرف دوڑے۔

جب وہاں پہنچے تو عرض کیا :

"اے اللہ کے رسُول آپؐ مجھے اجازت دیجیئے کہ اسکی گردن اڑا دوں۔"

حضرت عباس رضؓ نے کہا :

"اے اللہ کے رسول میں اسے پناہ دے چکا ہوں۔"

جب حضرت عمر رضؓ نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت عباس رضؓ نے کہا :

"عمر رضؓ ذرا ٹھہر جاؤ۔ تم یہ اصرار اس لیے کر رہے ہو کہ ابوسفیان بنو عبد مناف سے ہے اگر یہ بنو عدی سے ہوتا تو تم اس طرح کی باتیں نہ کرتے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :

" عباسؓ ! یہ بات جانے دو - خدا کی قسم جس روز تم مسلمان ہوئے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر میرا باپ خطاب بھی مسلمان ہوتا تو مجھے اتنی خوشی کبھی نہ ہوتی - "

یہ بالکل صحیح ہے !

کیوں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت یہ ہے کہ اوّلین راسخ العقیدہ مسلمانوں کی مثال میں ان کی ذات کو پیش کیا جا سکتا تھا اور ان کے برعکس حضرت عباسؓ بالکل نئے نئے ابھی مسلمان ہوتے تھے۔

اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ مہاجرین نے غزوہ فتح کی فوجوں میں شامل ہو کر کتنی بڑی نیکی کا اقدام کیا ہے۔ کیوں کہ یہ چیز کوئی بعید از عقل نہیں تھی کہ مکہ مکرمہ میں مسلمان فوجوں کو شکست ہو جاتی یا قریش ہی کو شکست ہو جاتی جو مہاجرین کی اپنی —— قوم تھے ان کا اپنا خاندان تھا اور پھر شکست اپنے محبوب شہر میں۔

مسلمان کا عقیدہ کسی شخصی مصلحت کی بناء پر لچک نہیں کھا سکتا بلکہ مسلمان کا عقیدہ صرف مصلحت عامہ کی امانت ہے۔

۱۰ - تحطیم اصنام (بُت شکنی)

فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ کے اندر بت شکنی نے شرک کے عقیدہ کا بالکل خاتمہ کر دیا اور وہ بھی بلاد عربیہ میں سب سے بڑے اور مرکزی شہر میں - اس شکست و ریخت کا اثر معنیٰ ہی کچھ اور رکھتا تھا۔

بتوں کی توڑ پھوڑ مکمل ہو گئی !

یہ وہی بت تھے ، جن کی مشرک پوجا کیا کرتے تھے اور اُن کے سامنے قربانیاں کیا کرتے تھے۔ آج ان کی یہ طاقت بھی نہیں تھی کہ اپنے وجود کو بچا سکتے یا ان لوگوں سے

انتقام لے سکتے، جنہوں نے انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

اس اقدام نے مشرکوں کے دلوں کے اندر سے ان بُتوں کی قدوسیت اور فائدہ بخش ہونے کا عقیدہ کھینچ کر باہر نکال دیا تھا۔

۱۱- جنگی امُور :

مسلمانوں کی مالی حالت اور خورد و نوش کے سامان کے لحاظ سے کیفیت فتح مکہ میں بہت اچھی تھی۔ کسی آدمی کو بھی ان میں سے خورد و نوش کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، نہ تو فتح سے پہلے اور نہ فتح کے بعد۔

یہاں تک کہ وہ مدینۂ منورہ واپس لوٹ آئے۔

اس سفر میں نقل و حرکت کا سامان بھی بڑا اچھا تھا۔ مسلمانوں کے لشکر میں اونٹوں، اور گھوڑوں کی بہت زیادہ تعداد تھی۔ جن سے مسلمانوں نے اپنی نقل و حرکت میں، سواری کے لیے اور سامان اٹھانے کے لیے استعمال کر کے بہت فائدہ حاصل کیا۔

باقی رہا ہتھیاروں کا معاملہ!

تو اس لحاظ سے بھی حالت بہت ہی بہتر تھی۔ اگر آپ اس سبز پوش لشکر کی حالت سن لیں ـــــ جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود تھے ـــــ تو آپ کو انشراح حاصل ہو جائے گا۔

اس لشکر کے افراد کی حالت یہ تھی کہ لوہے کی کثرت کی وجہ سے صرف انکی آنکھیں نظر آتی تھیں۔

ان تمام جنگی امُور نے مسلمانوں کے لیے اتنی اطمینان بخش حالت پیدا کر دی تھی کہ غزوہ فتح مکہ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سابقہ جنگوں میں اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔

استدراک

عہدِ مظلمہ سے لے کر آج تک کہ دنیا کے اوجِ کامل، اور عروجِ بے نہایت کا زمانہ ہے، چشمِ فلک نے بڑے بڑے فاتحوں اور سپہ سالاروں کو کامیابی کے نشہ سے سرمست مغلوب و مفتوح شہروں میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔

لیکن کس طرح ؟

فاتح فوجوں کی آمد، قیامتِ کبریٰ کی صورت میں ظاہر ہوا کرتی رہی ہے۔ پہلے بھی یہی حال تھا، اب بھی یہی کیفیت ہے۔ سکندرِ اعظم کا زمانہ ہو، یا قیصرِ جرمنی کا، یا مسولینی، ہٹلر، اور ٹوجو کا، یا ۱۸۵۷ء کے انقلاب غیر منقسم ہندوستان میں انگریزی فوجوں کے جور و ستم کا، ہر جگہ کیا ہوا؟

کیا شہر محفوظ رہے ؟

عمارتیں محفوظ رہیں ؟

کھیت محفوظ رہے ؟

کارخانے محفوظ رہے ؟

بڑی بڑی مشینیں اکھاڑ اکھاڑ کر، چھین نہیں لی گئیں؟

جنگی مجرموں پر مقدمے نہیں چلے ؟ اور انہیں عبرت انگیز اور ہولناک سزائیں، قتل سے پہلے اور قتل کے بعد نہیں دی گئیں ؟

کیا عورتوں کی آبرو محفوظ رہی ؟

کیا طفلِ شیر خوار اپنی جان بچا سکے ؟

کیا بوڑھے اور معذور، اور ضعیف، شمشیرِ قضا سے بچ سکے ؟
کیا سرسبز درخت کھاٹ کر پھینک نہیں دیئے گئے ؟
کیا عام وسائل و ذرائع پر قبضہ نہیں کر لیا گیا ؟
کیا مفتوح کی جیب کی آخری پائی بھی چھین نہیں لی گئی ؟

یاد رہے، ان مفتوحوں، اور فاتحوں میں کوئی ذاتی عداوت نہیں تھی، صرف توسیع مملکت اور جوع البقر کار فرما تھی !

اس کے برعکس مکہ میں داعئ اسلامؐ کو، محض تبلیغ اسلام کے جرم میں، کیسی کیسی اذیتیں نہیں دی گئیں ؟ جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہیں کیسی کیسی لرزہ خیز صعوبتوں سے سامنا نہیں کرنا پڑا ؟ وہ ہجرت پر مجبور ہو گئے اور ان کے پیچھے ان کے مکانوں پر املاک و جائداد پر، حتیٰ کہ زن و فرزند پر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا۔

پھر صرف اس پر اکتفاء نہیں کیا گیا !

مدینۂ منورہ میں بھی امن اور چین سے مسلمانوں کو نہیں بیٹھنے دیا گیا۔ خود قریش نے حملے کیے، اور متواتر و مسلسل حملے کرتے رہے، اپنے حلیفوں کو اکسایا، انہیں شریکِ کار بنایا۔ غیر قبائل میں آتشِ عناد مشتعل کی، اور ایک متحدہ لشکر، مدینۂ منورہ پر چڑھا لائے۔ یہودِ مدینہ سے سازش کی، اور ان کا تعاون حاصل کر کے مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کی تدبیریں کیں ——— آپؐ نے جنگ کے ارادے سے نہیں، صرف حج و زیارت کے ارادے سے مکۂ معظمہ آنا چاہا، لیکن قریش اڑ گئے کہ کسی قیمت پر بھی، کم از کم اس سال دخولِ مکہ کی اجازت نہیں۔

معاملہ بالآخر صلحِ حدیبیہ پر ختم ہوا۔ لیکن اس صلح پر بھی قائم نہ رہ سکے، بنو خزاعہ پر حد درجہ سفاکانہ اور بے دردانہ حملہ کیا، اور انہیں جان و مال، اور عزت و آبرو ہر اعتبار سے شدید نقصان پہنچایا !

اتنے بڑے اور بدترین دشمن پر، جس کا ماضی یہ رہا ہو ـــــــ کارنامے یہ رہے ہوں ـــــــ عناد و مخاصمت کی کیفیت یہ رہی ہو ـــــــ خبثِ نفس، اور بدباطنی کا عالم یہ رہا ہو ـــــــ غلبہ پانے کے بعد، رحم کیا جا سکتا تھا؟ کیا وہ کسی بھی نقطۂ نظر سے، آئین اخلاقیات و اقدارِ انسانی کے پہلو سے بھی رحم و کرم اور لطف و نوازش کا سزاوار ہو سکتا تھا؟

کیا وہ اس کا سزاوار نہ تھا کہ اس سے نہ صرف وہ املاک اور جائداد چھین لی جاتی، جو اس نے مسلمانوں کی ہتھیالی تھی، بلکہ خود اس کی بھی ہر چیز چھین لی جاتی، اس کی گردن اڑا دی جاتی۔ اور اسے نمونۂ عبرت بنا دیا جاتا؟

مگر آپؐ نے کیا کیا؟

۱ : ابوسفیان کو، جو ہمیشہ قریش کے لشکروں کی سربراہی کرتا رہا تھا، یہ اعزاز بخشا کہ جو اس کے گھر میں پناہ لے، اسے امن ہے۔

۲ : فاتح مکہؐ جب اپنے پرانے وطن میں داخل ہوا، تو یہ سب دشمن بیدِ لرزاں کی طرح کانپ رہے تھے، انہیں اپنا انجام سامنے نظر آ رہا تھا۔ موت ان کے سامنے رقص کر رہی تھی۔

مگر دفعتہً اُسؐ نے فرمایا:

"جاؤ تم آزاد ہو!"

۳ : مکہ میں داخلے کے وقت مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ خوں ریزی سے اجتناب کریں۔ لیکن خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں چند من چلے، جو لڑائی پر تلے ہوئے تھے مارے گئے تو آپؐ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر ارشاد فرمایا:

"اے اللہ! میں خالدؓ کے اس فعل سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔"

۴ : اور صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مقتولین کی دیت بھی دی۔

۵ : اور صرف (دیت و خوں بہا) دینے پر اکتفا نہیں فرمایا۔

یہ اعلان بھی فرمادیا کہ :

آئندہ اگر کسی مسلمان سے اس طرح کی حرکت سرزد ہوگی تو یا تو وہ قتل کیا جائے گا یا ورنہ پھر وہ مقتول کے ورثاء کو دیت قبول کر لینے پر راضی کرنا اسی کی ذمہ داری ہے۔

کیا دنیا نے اس طرح کا فاتحؔ کبھی دیکھا ہے ؟

کیا رحمت و رافت کا یہ مظاہرہ نبی امیؐ کے سوا کوئی اور بھی کر سکتا تھا ؟

کلاّ ثم کلاّ ،

۱۷

ثمرۂ فوز و کامرانی

ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرہ
ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم
تغن عنکم شیئا، وضاقت علیکم
الارض بما رحبت ثم ولیتم
مدبرین -

القرآن الکریم

بلاشبہ بہت سے موقعوں پر خدا نے تمہاری مدد
کی، اور حنین کی جنگ میں تم اپنی کثرتِ تعداد
پر اترا رہے تھے تو یہ کثرت تمہارے کسی کام نہ
آسکی۔ اور زمین اپنی وسعت کے باوجود
تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ دکھا کر بھاگ
کھڑے ہوئے۔

غزوۂ حنین اور حصارِ طائف

مؤقفِ عام

۱۔ مُسلمان :

فتح مکّہ کا سب سے بڑا اثر یہ ظاہر ہوا کہ پُورا جزیرۂ عرب اسلام کے زیرِ سایہ آگیا۔ اس طرح مسلمانوں اور مشرکوں پر اس کا حد درجہ گہرا معنوی اثر پڑا تھا۔ اب جزیرۂ عرب ایک ایسی قوت تھی جس کا عقیدہ ایک تھا۔ جس کا مقصد ایک تھا۔ شرک کے عقیدے پر چند قبائل کو چھوڑ کر اب کوئی بھی قائم نہیں تھا۔ یہ مشرک قبائل ہوازن اور ثقیف تھے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان قبائل کے اسلام کا تصفیہ، وقت کا سب سے اہم مسئلہ بن گیا تھا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ شرک کا سب سے بڑا قلعہ (مکّہ) سرنگوں ہو گیا تھا، اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہتھیار ڈال چکے تھے۔

۲۔ مُشرکین :

ہوازن، ثقیف اور بعض دوسرے مشرک قبائل نے جب فتح مکہ کی خبر سُنی، تو فیصلہ کر لیا کہ قبل ازیں کہ مُسلمان اُن پر حملہ آور ہوں۔ وہ مسلمانوں کے خلاف ایکا کر کے

میدانِ جنگ میں اُتر آئیں گے۔ چنانچہ ان قبائل نے طائف کے منطقے میں سروسامانِ جنگ بہم پہنچانا شروع کر دیا۔

مگر ایک اور بات بھی تھی!

ہوازن قبائل کے اندر بھی اسلام کسی نہ کسی حد تک داخل ہو چکا تھا۔ لہٰذا، ان قبائل کے بہت سے سردار، اور افراد، جنگ کی اس تیاری سے دامن بچانے لگے، مثلاً ہوازن میں سے بنو کعب اور بنو کلاب، جن کی شجاعت اور دلیری ایک تسلیم شُدہ حقیقت تھی۔ اسی طرح بعض دوسرے قبائل بھی جنگ سے کترانے لگے اور بہت سے صاحبِ فہم و ادراک، نتائج کا اندازہ کر کے چُپ سادھے بیٹھے رہے۔

جنگ کے لیے جو قبائل کمر کس کر میدان میں آتے تھے، جوش کے بجائے تردّد کا ان پر زیادہ غلبہ تھا۔ ان میں باہمی اختلاف بھی پیدا ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں ان کے عزم و استقلال اور مورال پر بھی ضعف طاری ہو چکا تھا۔

طرفین کی قوت و طاقت

۱۔ مُسلمان:

مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی!

ان میں سوار اور پیادے دونوں شامل تھے۔ قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں تھی۔

دو ہزار مکّہ کے لوگ تھے، اور دس ہزار وہ لوگ تھے، جو فتح مکّہ کے لیے مدینۂ منورہ سے آئے تھے۔

۲۔ مُشرکین :

قبیلۂ ہوازن، جس میں بنو کعب اور بنو کلاب شامل نہیں تھے اور قبیلۂ ثقیف کا بڑا حصّہ، سالارِ لشکر مالک بن عوف تھا جو ہوازن کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔

طرفین کے مقاصد

۱۔ مُسلمان :

قبل اس کے کہ یہ جنگ آزما، قبائل اپنی قوت میں اضافہ کر لیں، اور ان کا لشکر زیادہ طاقت ور ہو جائے، ان کی سرکوبی۔

علاوہ ازیں ایک مقصد یہ تھا کہ :


اہلِ مکّہ مرعوب ہو جائیں، اور پھر ان کے دل میں بغاوت اور سرکشی کا خیال بھی نہ آنے پائے۔

۲۔ مشرکین :

ان کے پیشِ نظر یہ تھا کہ :

مسلمانوں کی فوجی قوت کا خاتمہ کر دیں اور قبل اس کے کہ مُسلمان حملہ آور ہوں۔ ان پر ایک زوردار حملہ کر کے ان کے عزم و ثبات کو متزلزل کر دیا جائے کہ پھر وُہ جنگ کے ارادے سے باز آجائیں۔

❊ ❊ ❊


غزوۂ حنین
شمال
مدینہ
بدر
ابواء
رابغ
جحفہ
خلیص
عسفان
ذات عرق
قدید
جبل حراء
حدیبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
قرن المنازل
جعرانہ
طائف
بحیرۂ احمر
میل ۱۰ ۵ ۰ ۱۰ ۲۰ ۳۰ ۴۰ پیمانہ ۵۰ ۶۰ ۷۰ میل

معرکہ آرائی سے پہلے

۱۔ مسلمان :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ہوازن اور ثقیف کے قبائل مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے سر و سامان بہم پہنچا رہے ہیں اور انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مسلمانوں پر حملے میں پہل کی جائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ السلمی کو حکم دیا کہ وُہ بذاتِ خود مشرکوں کے علاقۂ جنگ میں جا کر معلوم کر آئیں کہ جو خبریں مل رہی ہیں کیا واقعی درست ہیں ؟

عبد اللہ السلمی اپنا فرضِ منصبی پورا کر کے آئے اور اطلاع دی کہ واقعی ہوازن اور ثقیف مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے وادیِ اوطاس کے علاقے میں اکٹھے ہو رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حملے کی پہل مسلمانوں کے ہاتھ میں رکھنے کے لیے حکم دیا کہ تم خود پہلے چل کر ان پر حملہ کر دو، اور ساتھ ہی کوُچ کرنے کے لیے ضروری سامان کی تیاری کا حکم دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ صفوان بن امیہ کے پاس زرہیں بھی ہیں اور ہتھیار بھی ہیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے عاریتہً مانگ کر لے لیا، تاکہ فوج کے ہتھیار مکمل ہو جائیں۔ زرہوں کی تعداد سو تھی، مع ان کے پوُرے سامان کے۔

جب مسلمان اپنی تیاری مکمل کر چکے تو حُنین کی طرف کوُچ کیا۔ مقدمۃ الجیش میں

بنو سلیم کے آدمی تھے۔ جن کی قیادت خالدؓ بن ولید کر رہے تھے اور ان کے آگے سوار فوج جا رہی تھی۔ اور فوج کا بڑا حصّہ (قسم اکبر) دوسرے قبائل سے تیار کیا گیا تھا۔ ہر قبیلہ کے آگے اس کا جھنڈا تھا اور وہ لشکر جو مہاجرین اور انصار سے تیار کیا گیا تھا۔ یہ سبز پوش لشکر تھا۔ یہ لوگ لشکر کے بڑے حصّے کی پچھلی طرف تھے اور انہی کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے۔

مسلمانوں کا لشکر صبح کے وقت وادئ حنین میں پہنچا۔ یہ وہی لشکر تھا، جسے دیکھ کر مسلمان کہہ اُٹھے تھے کہ آج کے بعد ہم قلّتِ تعداد کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے۔

۲۔ مُشرکین :

ہوازن اور ثقیف کے لشکر وادی حنین میں آکر جمع ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کی عورتیں اور بچے اور ساز و سامان بھی تھا۔ ان کے قائد مالک بن عوف کا خیال تھا، کہ بچّے اور مال و دولت بھی لڑائی کرنے والے لوگوں کے ہمراہ رہنے چاہئیں، تاکہ ان میں سے ہر آدمی جو لڑائی کرے وہ یہ سمجھ لے کہ اس کی بیوی، بچّے اور مال و دولت بھی اس کے پیچھے اس کے ساتھ ہیں۔ اس طرح کوئی آدمی میدانِ جنگ سے بھاگ نہ سکے گا۔

دُرید بن الصمہّ نے اس پر اعتراض کیا۔ وہ ایک نہایت تجربہ کار شہسوار تھا۔ اس نے مالک سے کہا :

'کیا کوئی چیز بھاگنے والے کو واپس لا سکتی ہے؟ اگر تم ان کو اپنے گھیرے میں لینے میں کامیاب ہو گئے تو تم کو صرف مرد کام دیں گے۔ جن کے پاس تلوار اور نیزہ ہو اور اگر تم گھیرے میں آ گئے (شکست کھا گئے) تو تم اپنے مال اور بیوی بچّوں سمیت ذلیل و رُسوا ہو جاؤ گے۔"

مالک نے اس کا جواب یہ تھا :

" خدا کی قسم ! میں تمہاری رائے کو قبول نہیں کروں گا۔ تم بُوڑھے ہو چکے ہو، اور تمہاری عقل جاتی رہی ہے ——— خدا کی قسم، اے ہوازن کی جماعت ! یا تو تم میرا کہا مانو گے یا میں اپنی تلوار کی نوک پر اپنا سینہ رکھ کر اس پر گر پڑوں گا، یہاں تک کہ وہ میری پیٹھ سے باہر نکل جائے۔"

بالآخر، ہوازن مالک کی رائے ماننے پر مجبور ہو گئے۔ یہ ایک نوجوان آدمی تھا۔ قریباً تیس سال عمر تھی، ارادے کا بڑا پکا، اور دلیر تھا۔ لیکن اس کی رائے، صائب الرائے نہیں تھا، اور بے سوچے سمجھے خطرے میں کود جانے والا آدمی تھا۔ اس کا مشورہ بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔

مالک کی یہ دیرینہ عادت تھی کہ وادی حنین کی تنگ جگہوں میں آکر ڈیرا لگا لیتا تھا۔ چنانچہ اب بھی اس نے ایسا ہی کیا۔

جب وادی میں مسلمانوں کی فوجیں داخل ہوئیں، تو مشرکوں نے ان پر ہر طرف سے تیروں کی بارش کر دی کہ ان کی صفیں ٹوٹ جائیں پھر اس کے بعد ان پر حملہ کر دیا جائے تاکہ وہ پسپائی پر مجبور ہو جائیں۔

مشرکین نے وادی کے تمام ٹیلوں پر ——— مسلمانوں کے آنے سے پہلے قبضہ کر رکھا تھا۔

اور کمین گاہوں میں آکر چھپ گئے تھے۔ یہاں آکر مسلمانوں کے لشکر کا انتظار کرنے لگے۔

❊ ❊ ❊

جنگ و قتال

۱۔ مشرکین کا حملہ :

مسلمانوں کی فوجیں وادیٔ حنین میں فجر کے وقت داخل ہوئیں۔ یہ وادی درمیان سے گہری اور ڈھلوان تھی۔ اس میں قافلے جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ نیچے گرتے جا رہے ہیں۔ جب مسلمانوں کی اکثر فوجیں وادی میں داخل ہو گئیں تو مشرکوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمانوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تیر کہاں سے آ رہے ہیں، کیوں کہ اس وقت ابھی اندھیرا فضا پر مسلّط تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرکین کی کمین گاہیں پوری طرح مخفی اور چھپی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کا مقدمۃ الجیش پیچھے کی طرف پلٹا، اس کے آگے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی فوجیں آ گریں۔ مسلمانوں کی واپسی شکست کی صورت اختیار کر گئی۔

ابوسفیان نے جب مسلمانوں کی شکست کو دیکھا تو کہنے لگا :

"اب یہ سمندر کے کنارے تک بھاگتے ہی جائیں گے۔"

دوسرے نومسلموں نے بھی کچھ ایسی ہی باتیں کہیں۔ بلکہ شیبہ بن عثمان بن طلحہ نے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے قتل کر دینے کی کوشش بھی کی۔ کیونکہ اس کا باپ اُحد کی جنگ میں مارا گیا تھا اور اس طرح وہ اپنے باپ کا انتقام لینا چاہتا تھا۔

مشرکین نے مسلمانوں کا تعاقب کرنے کے لیے اپنی کمین گاہوں کو چھوڑ دیا۔ ہوازن کی فوج کے آگے ایک آدمی سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا جھنڈا تھا۔ جسے اس نے ایک لمبے نیزے پر باندھ رکھا تھا۔ وہ جب کسی مسلمان کے پاس آتا، تو اس کو

نیزے کا کچوکا دیا۔ ہوازن اور ثقیف کے لشکر اس کے پیچھے دوڑتے آرہے تھے، وُہ بھی نیزے مارنے لگتے۔

مسلمانوں میں پُوری طرح گھبراہٹ پھیل گئی اور راستہ پر آنے والوں کی کثرت سے راستے تنگ ہو گئے۔ صفیں بکھر گئیں اور قبائل ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ اونٹ ایک دوسرے پر چڑھے آرہے تھے اور وہ اپنے سواروں سمیت افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے۔

اور حالت بہت اُلجھ گئی تھی ۔۔!

۲۔ سامنے سے آنے والے مسلمانوں کا حملہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح جمے کھڑے تھے اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے اہلِ بیت میں سے دس آدمی بھی وہیں کھڑے تھے، کچھ اور مہاجرین بھی تھے۔ انہی لوگوں میں حضرت عباسؓ بھی تھے۔

شکست کھا کر بھاگنے والے جب آپؐ کے پاس سے گذرتے، تو آپؐ آواز دیتے :

" لوگو ! کدھر بھاگے جا رہے ہو ؟ کہاں جاتے ہو ؟ مَیں اللہ کا رسول ہُوں میں محمد بن عبد اللہ ہُوں۔"

پھر بھی کوئی آدمی آپؐ کی آواز پر پلٹ کر نہ آیا۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کو حکم دیا کہ، تم آواز دو ——— کیوں کہ حضرت عباس بڑے بلند آواز تھے ——— اور کہو :

" اے انصار کی جماعت۔ اے حدیبیہ کے بیعت کرنے والو۔۔۔۔"

حضرت عباسؓ بار بار آواز دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی آواز وادی میں گونجنے لگی۔ اس آواز کو مہاجرین اور انصار نے سُنا۔ پھر وہ اس آواز پر لوٹنے لگے۔ اکثر لوگوں نے اپنی زرہیں پھینک دیں اور اونٹ چھوڑ دیئے۔ صرف تلواریں اور ڈھالیں اپنے ساتھ لیں اور چلے آئے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا، کہ جلدی سے آواز پر پہنچ سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اب سو کے قریب آدمی پُہنچ چکے تھے اور وُہ صدا بلند کر رہے تھے :

لبّیک ! لبّیک !

ان لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے مقابل آکر کھڑے ہو گئے۔ یہ لوگ اس ثابت قدمی سے لڑنے لگے کہ مشرکین کا ہجوم چھٹنے لگا۔

اب دن چڑھ آیا تھا اور مشرکین اپنی کمین گاہوں سے باہر نکل چکے تھے۔ اب مسلمانوں کو صرف ثابت قدمی کی ضرورت تھی تاکہ مشرکین کو نقصان پہنچے اور ان کی ہمت گر جائے۔ دل بیٹھ جائیں اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں۔

اگر یہ تھوڑی سی جماعت میدان میں ثابت قدمی نہ دکھاتی اور مشرکین کا مقابلہ نہ کرتی رہتی تو مسلمانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوتا ـ !

مسلمانوں کی تعداد لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہی تھی۔ اب ان لوگوں نے مشرکین پر جوابی حملہ کر دیا تھا۔

جب ہوازن اور ثقیف کے لشکر نے دیکھا کہ مقابلہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، اور اب وہ مسلمانوں کے حملہ کو نہیں روک سکیں گے تو میدانِ جنگ سے کھسکنے لگے اور اپنے پیچھے اپنی عورتوں، بچوّں اور مال مویشی کو مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت بنا کر چھوڑ گئے۔

مشرکین کے لشکر میں "ساقہ" نہیں تھا۔ جو ان کی پسپائی کے وقت حفاظت کرتا۔ اس صورت میں ان کی پسپائی ان کے لیے شکست بن گئی۔

۳۔ تعاقب :

بنو ثقیف میں سے اکثر لوگ طائف کی طرف بھاگے۔ انہی میں مالک بن عوف بھی تھا۔ ہوازن اور دوسرے قبائل نے اوطاس اور نخلہ کی طرف رخ کیا۔

مسلمان ان کا تعاقب کرنے لگے !

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ :

"جو آدمی کسی مشرک کو قتل کرے گا اس کا سامانِ جنگ اسی کو ملے گا۔"

مسلمان ان کا تعاقب اوطاس تک کرتے چلے گئے۔ اس مقام پر جا کر ہوازن کا جانی نقصان بے اندازہ ہُوا۔ کچھ لوگ نخلہ کی طرف بھاگ گئے تھے۔ ان کو مسلمانوں نے وہاں جا لیا اور انہیں حد درجہ نقصان پہنچایا۔ بہت سے مشرکین نے ہتھیار ڈال دیئے اور گرفتار ہو گئے۔

اب نئے نئے اسلام قبول کرنے والے بھی پہنچ گئے تھے اور مشرکین کی تعدادِ کثیر کو قید کی حالت میں زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھ رہے تھے۔

طائف کا محاصرہ

بعض مُسلمان تعاقب کرتے ہوئے طائف تک جا پہنچے تھے۔ جہاں شکست خوردہ مشرکین نے پناہ لے لی تھی۔ طائف بڑا محفوظ شہر تھا۔ اس کے گرد فصیل بھی تھی، اور بڑے بڑے مضبُوط قلعے بھی، جن کے دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔

مسلمانوں کی وُہ فوج بھی جس نے اوطاس و نخلہ کی طرف بھاگنے والوں کا تعاقب کیا تھا، اپنے فرائض منصبی پُورے کرنے کے بعد یہیں آ کر جمع ہو گئی اور اس فوج سے آ کر مل گئی جس نے طائف کی طرف بھاگنے والے بنو ثقیف کا تعاقب کیا تھا۔ تاکہ بنو ثقیف کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کیا جا سکے۔

مگر بنو ثقیف نے اپنے تیروں کو ان مسلمانوں کی طرف سیدھا کر دیا، جو قلعہ کے قریب آ چکے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تیروں کی زد سے پیچھے ہٹ آؤ۔ مسلمانوں نے کچھ پیچھے ہٹ کر مورچے بنائے اور سوچنے لگے کہ طائف والوں کو ہتھیار ڈالنے پر کس طریقہ سے مجبور کیا جائے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا :

"منجنیق سے قلعوں کو گرا دیا جائے اور ان قلعوں پر دبّابہ[1] سے حملہ کیا جائے۔"

مسلمانوں نے طائف پر منجنیق سے پتھر برسانا شروع کیے اور بعض مُسلمان دبّابہ کے سہارے طائف کی فصیل کے نیچے جا پہنچے تاکہ اس کو توڑ پھوڑ دیا جائے، لیکن اہلِ طائف نے یہ حملہ اس طرح روک دیا کہ انہوں نے تیل میں کپڑے تر کر کے لوہے کے ٹکڑوں پر لپیٹ کر اور آگ لگا کر مسلمانوں پر پھینکنا شروع کیا۔ پھر انہوں نے یہی لوہے کے پگھلتے ہوئے ٹکڑے لکڑی کے دبّابہ پر پھینکنے شروع کئے اور ان کو جلا کر رکھ دیا۔

مسلمان اپنی حفاظت کے لیے وہاں سے پیچھے ہٹ آئے کہ جل نہ جائیں۔ جب دبّابہ کا سہارا ختم ہو گیا تو بنو ثقیف نے پھر تیر اندازی شروع کر دی۔

---

[1] : ایک طرح کی روندنے والی خشتی گاڑی، جیسے عہد جدید کے آہنی ٹینک۔ (مترجم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ ہر وہ غلام جو طائف والوں کے پاس سے ہمارے پاس آجائے گا، اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ اس طرح بیس کے قریب آدمی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔

آپؐ کو ان سے معلوم ہوا کہ بنو ثقیف کے پاس خورد و نوش کا سامان بہت زیادہ ہے۔

اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریباً ایک مہینہ محاصرہ رکھنے کے بعد محاصرہ اٹھا لینے کی تجویز کی اور بنو ثقیف کو رام کرنے کا معاملہ پھر کسی دوسرے وقت پر ڈال دیا۔ خصوصاً اس وقت تک کہ اہل طائف میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو جائیں۔

طرفین کا نقصان

۱۔ مسلمان :

ان کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ خصوصاً جب وہ شکست کھا کر بھاگے۔

۲۔ مشرکین :

مشرکین کا جانی نقصان بھی بے انداز ہوا، لیکن ان کا مالی نقصان جانی نقصان سے بہت زیادہ تھا۔

جس کی تفصیل یہ ہے :-

- چوبیس ہزار اونٹ۔

- چالیس ہزار بکریاں۔
- چار ہزار اوقیہ چاندی۔
- چھ ہزار جنگی قیدی۔

اسباب ترکِ حصار

طائف کا محاصرہ چھوڑنے کے مختصر طور پر مندرجہ ذیل اسباب تھے :

۱ : طائف کے قلعے بڑے مضبوط تھے۔ بنو ثقیف بڑے بہادر تھے اور غذائی سامان ان کے پاس بہت زیادہ تھا۔ ان تمام چیزوں نے مل کر مسلمانوں کے لیے اہل طائف کی سرکوبی بڑی مدت تک مشکل بنادی۔

۲ : طائف کے محاصرہ سے پہلے مسلمانوں کو مدینہ سے نکلے تقریباً ایک ماہ گزر چکا تھا اور قریباً دو مہینے بنو ثقیف اور ہوازن کی جنگ سے لے کر محاصرہ کے آخر وقت تک طائف میں ختم ہو چکے تھے۔ اس تین ماہ کی مدت میں نئے نئے مسلمان ہونے والے لوگ بہت اکتا چکے تھے، اور بعض آدمی گھر واپس جانے کی اجازت بھی مانگنے لگے تھے، اور پھر یہ وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اسلامی فتوحات کو مضبوط کرنے اور اسلام کے احکام سکھلانے کے لیے بڑا قیمتی تھا۔

۳ : تیسری وجہ یہ تھی :

ذی قعدہ کا مہینہ سر پر آگیا تھا۔ جو حرمت کا مہینہ تھا اور جس میں لڑائی جاری نہیں رکھی جا سکتی تھی۔

۴ : بنو ثقیف کے افراد میں اسلام پھیل رہا تھا۔ ضروری تھا کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام میں مضبوط کر لیا جائے اور اس کے لیے وقت کی ضرورت تھی۔

کچھ عرصہ کے بعد خود مالک بن عوف مسلمان ہو گیا اور اس کے ذریعے مسلمانوں کا مقابلہ کفار سے منظم طور پہ ہونے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن عوف کو ہوازن کے نو مسلموں کا حاکم مقرر کر دیا۔

یہ مالک خود بنو ثقیف سے لڑتا رہتا تھا۔ ان کی جو جماعت باہر نکلتی، اس کو لوٹ لیتا۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے لیے زندگی کا میدان تنگ کر دیا۔ پھر وہ مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

"مالِ غنیمت"

۱۔ مالِ غنیمت کی عدمِ تقسیم :

حنین کی جنگ ختم ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کا تمام مال جعرانہ میں جمع کرایا، اور حکم دیا کہ اس مال کی اس وقت حفاظت کی جائے جب تک کہ طائف والوں کا تعاقب اور ان کا محاصرہ ختم نہیں ہو جاتا۔ پھر وہاں سے واپس آ کر اسے تقسیم کیا جائے گا۔

۲۔ تقسیمِ مالِ غنیمت :

غنیمت کا مال ایک لمبی مدت تک اسی طرح پڑا رہا، اسے تقسیم نہیں کیا گیا،

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں تھے کہ شائد ہوازن تائب ہو کر آجائیں۔ لیکن جب انتظار کرتے کرتے قریب ایک مہینہ کے گذر گیا تو آپ اس مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ کے پاس کوئی آدمی نہ آیا۔ اور بدو قبائل اور نئے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقسیم کا مطالبہ کرنے لگے۔

آپ نے مال تقسیم کرنا شروع کیا تو پہلے مؤلفۃ القلوب کو یعنی ان لوگوں کو دینا شروع کیا جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود تھا۔ آپ نے ان کو دیا اور بہت دیا۔

ابو سفیان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیے چاندی عنایت فرمائی۔

تو اُس نے کہا :

" اور میرے بیٹے معاویہ کا حصّہ ؟"

آپ نے اتنا ہی معاویہ کے لیے بھی دے دیا۔

پھر اس نے کہا :

" اور میرے بیٹے یزید کا حصّہ ؟"

پھر یزید کے لیے بھی اتنا ہی حصّہ عنایت فرمایا۔

قبائل کے رؤسا اور اصحاب طمع بھی حاضر ہونے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کی کوشش کرنے لگے، اور یہ مشہور ہو گیا کہ محمد رسول اللہ اتنا دیتے ہیں کہ اس کے بعد فقر کا اندیشہ نہیں رہتا۔

فوجیوں کو خطرہ پیدا ہُوا کہ اگر اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رؤسا کو عطیات دیتے رہے تو مالِ غنیمت میں سے ان کا حصّہ کم ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنے پُورے حصّے کا مطالبہ شروع کر دیا۔

بدو قبائل آپؐ پر ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے :

"اے اللہ کے رسول ہمارا حصہ ہمیں عنایت فرمائیے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر ایک اونٹ کے پاس کھڑے ہو گئے، اور اس کی کوہان سے تھوڑی سی اُون اپنی انگلیوں سے اکھاڑی اور اس کو دو انگلیوں میں پکڑ کر بلند کیا۔

اور فرمایا :

"اے لوگو! میں تو تمہارے مال غنیمت میں سے اتنی اُون بھی نہیں لوں گا۔ سوائے پانچویں حصہ کے، اور وہ پانچواں حصہ بھی پھر تم کو واپس کر دوں گا۔"

اس مال غنیمت میں سے مؤلفۃ القلوب کو بہت زیادہ حصہ ملا۔ البتہ مسلمین اوّلین یعنی مہاجر اور انصار کو جو حصہ ملا، اس کی تفصیل مذکور نہیں۔

۳۔ قیدیوں کی واپسی :

غنیمت کا مال جب تقسیم ہو گیا تو ہوازن کا وفد بھی مسلمان ہو کر آ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے قیدی اور ہمارے مال ہمیں واپس کر دیئے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اختیار دیا کہ یا تو اپنے بال بچے واپس لے لو یا مال واپس لے لو۔

انہوں نے۔ بیوی۔ بچوں کو اختیار کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جو میرے پاس ——— خمس کا مال ——— یا بنی عبد المطلب کے پاس ہے۔ بہر حال وہ تو تمہیں واپس مل جائے گا۔ تم اس طرح کرو کہ جب میں

ظہر کی نماز پڑھا کر فارغ ہو جاؤں تو تم اٹھ کر کہنا :

" ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں. اور مسلمانوں کی شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کرتے ہیں کہ ہمارے بیوی بچے ہم کو واپس دے دیئے جائیں۔ اس وقت میں تمہیں واپس کر دونگا اور تمہاری شفاعت بھی کر دوں گا۔"

ہوازن نے ایسا ہی کیا !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا :

" جو کچھ میرے یا بنی عبد المطلب کے پاس ہے وہ تم کو مل جائے گا۔"

مہاجرین نے کہا :

" جو کچھ ہمارے پاس ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہے۔"

انصار نے بھی ایسا ہی کیا — !

لیکن بنو تمیم میں سے، اقرع بن حابس ——— اور بنو فزارہ میں سے علیہ بن حصن ——— اور انصار میں سے عباس بن مرداس ——— کھسک گئے۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" جو آدمی بھی تم میں سے اپنا حصہ واپس کر دے گا تو اسے پہلے مال غنیمت میں سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے ہر آدمی کے بدلے چھ حصے ملیں گے۔"

اس طرح مسلمانوں نے ہوازن کو تمام قیدی واپس کر دیئے۔

❊ ❊ ❊

حنین اور طائف

سے جو سبق ملتے ہیں، کیا ہیں؟

۱۔ ناگہانی حملہ :

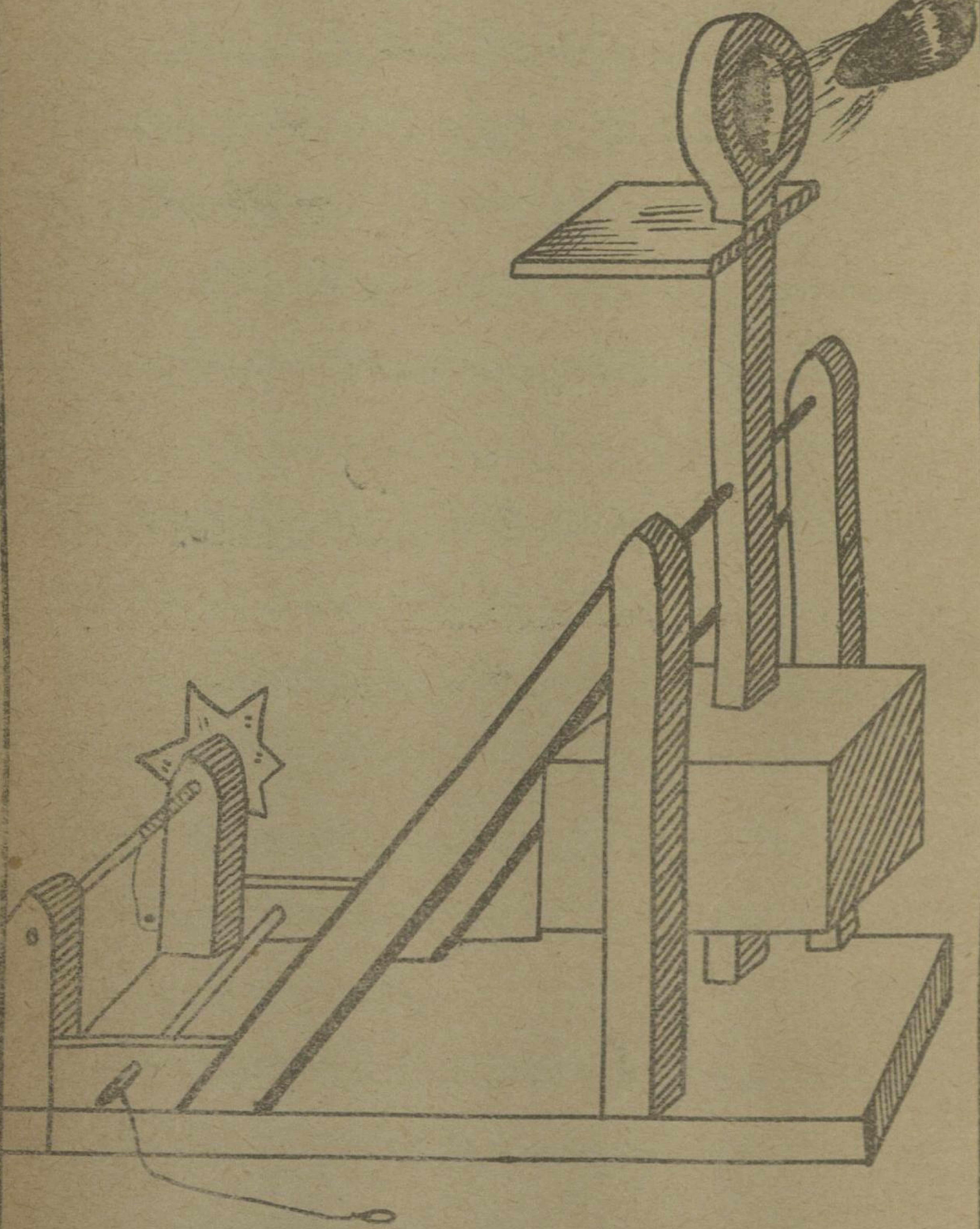
(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے محاصرہ میں منجنیق اور دبّابہ سے کام لیا اور اس طرح جنگ میں ایک نئے ہتھیار سے کام لیا۔

یہ منجنیق کیا ہے؟

اور دبّابہ کیا چیز ہے؟

عام طور پر منجنیق اس طرح بنائی جاتی ہے کہ ایک مضبوط اور لمبی لکڑی عمودی طور پر ایک موٹے تختے پر کھڑی کی جاتی ہے اور اس تختے کے دونوں جانب بازو لگائے جاتے ہیں اور اس عمودی لکڑی کے سرے پر ایک حلقہ بنایا جاتا ہے، اور اس میں سے ایک مضبوط رسّہ گزار دیا جاتا ہے اور اس حلقے کی اوپر کی جانب ایک ثقیلہ سا ہوتا ہے اس حلقہ میں پتھر یا اور کوئی آتش گیر مادہ رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر اس ستون اور رسّے کے ذریعہ اس کو حرکت دی جاتی ہے ——— تصویر ملاحظہ فرمائیے ———

اس طرح جو کچھ حلقہ میں پھینکنے کے لیے رکھا جاتا ہے وہ دُور جا پڑتا ہے، اور دیواروں پر گرتا ہے، اور جس چیز پر بھی گرے اس کو برباد کر دیتا ہے، یا جلا دیتا ہے۔



آتش گیر مادہ پھینکنے والی منجنیق

اور دبّابہ اس طرح ہوتا ہے :

ایک آلہ موٹی لکڑی سے تیار کیا جاتا ہے۔ اس لکڑی پر نمدے یا چمڑے کا غلاف چڑھا دیا جاتا ہے۔ وہ چکر لگانے والے پہیوں پر چلتا ہے۔ گویا کہ وہ ایک متحرک قلعہ ہوتا ہے۔ چلنے والے اس کی پناہ میں چلتے جاتے ہیں، اور دشمن کے تیروں سے محفوظ رہتے ہیں۔

یہ دو نئے ہتھیار تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے دشمنوں کے مقابلے میں کام لیا۔ اہلِ طائف ان ہتھیاروں سے مسلمانوں کو محروم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ اس طرح کہ انہوں نے دبّابات کی لکڑیوں پر جلتا ہوا لوہا پھینک دیا۔ جس سے لکڑیاں جل اٹھیں، اور ان کی پناہ لینے والے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ دبّابہ کی پناہ سے محروم ہو جانے کے بعد وہ ان کے تیروں کا نشانہ بن گئے۔ اور اس طریقہ سے بنو ثقیف نے مسلمانوں کی تدبیر کو ناکام بنا دیا کہ وہ منجنیق اور دبّابہ سے پوری طرح فائدہ نہ اٹھا سکے۔

(ب) ثقیف اور ہوازن نے وادیٔ حنین میں مخفی طریق پر کمین گاہوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو حملہ کرنے کی تدبیر اختیار کی تھی، وہ بھی مسلمانوں کے لیے ایک ناگہانی اور غیر متوقع حملہ کی صورت تھی۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابۂ کرام سمیت ثابت قدمی نہ دکھاتے تو مشرکین اس غیر متوقع حملے سے بہت زیادہ فائدے اٹھاتے —— اور صورت حال بہت زیادہ نازک ہو جاتی۔

۲- قیادت :

وہ کون سی مصیبت تھی جو حنین کے پہلے معرکہ میں مسلمانوں کے شکست کھا

جانے کے بعد اہلِ اسلام پر نازل نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود قیادت نہ فرما رہے ہوتے؟

شکست کے بعد مسلمانوں کی حالت انتہائی نازک ہوگئی تھی۔ دشمن نے ان پر غیر متوقع طور پر پوشیدہ کمین گاہوں سے صبح کے اندھیرے میں حملہ کر دیا تھا۔ ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی تھی۔ جب مسلمان اُلٹے پاؤں واپس پھرنے لگے تو دشمن نے نہایت تنگ میدان میں ان کا تعاقب کیا تھا۔ جہاں واپس لوٹنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی کہ اس صورت میں مسلمانوں کا کچھ نقصان کم ہو جاتا اور وہ اس ناگہانی مصیبت سے کسی حد تک اپنا بچاؤ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

ایسے مشکل وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دس صحابۂ کرام کے ساتھ میدان میں ثابت قدم رہے۔ صرف دس آدمیوں کے ساتھ —— پھر اسی جگہ کھڑے کھڑے سو مسلمانوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے، اور مسلمانوں کی شکست کو مشرکین کے تعاقب سے بچانے میں مصروف رہے۔ پھر مشرکین کے حملہ کی شدّت ختم ہونے کے بعد خود آپؐ نے دشمن پر جوابی حملہ کر دیا۔ شکست کھا کر بھاگنے والے آدمی تو مشرکین کی شکست کے بعد واپس آئے تھے اور انہوں نے مشرکین کی گردنوں میں طوق پڑے ہُوئے دیکھے۔

شکست کے وقت مُسلمانوں کا مؤقف کچھ آسان نہیں تھا —— خصوصاً ایسی صُورت میں کہ سب سے پہلے شکست کھا کر بھاگنے والے نو مُسلم تھے۔ بلکہ یہ لوگ بھاگنے کی تلقین کر رہے تھے۔ اس طرح ایک بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مشکل وقت میں نہ صِرف یہ کہ مشرکین سے نمٹ رہے تھے، بلکہ آپؐ بہت سے اسلام کا اظہار کرنے والے دشمنوں کو بھی پُوری طرح

سنبھال رہے تھے۔

آپ نے دیکھا کہ کس طرح اس مشکل وقت کے آغاز میں ایک آدمی نے جو منافقین میں سے تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے شہید کرنے کی کوشش کی تھی۔

معرکۂ حنین کا نتیجہ شخصی قیادت کے اثر کی ایک بہترین مثال ہے۔ بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ حنین کی جنگ کا نتیجہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس اور تن تنہا پیدا کیا تھا تو بالکل بجا ہوگا۔

اور مشرکین کی کمان کرنے والا ——— باوجود اس بات کے کہ وہ تہوّر کی حد تک دلیر اور بہادر تھا۔ پھر بھی وُہ صحیح معنی میں اچھا سپہ سالار نہیں تھا۔ اس نے سب سے بڑی اور پہلی غلطی یہ کی کہ تمام مال مویشی اور لڑائی کرنے والوں کے بیوی، بچّوں کو میدان جنگ میں لے آیا۔ پھر اُس نے وادئ حنین میں چھُپ کر حملہ کرنے کی تدبیر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں سوچا۔ پھر اس کے بعد تو مشرکین کی صفوں میں ہر چیز آکر داخل ہوگئی۔ اس لیے کہ انہوں نے واپسی یا دفاع کے لیے کوئی تدبیر نہیں سوچ رکھی تھی۔

نا اہلی کی حد یہ ہے کہ:

مشرکین کا قائد اپنی فوجوں کے لیئے ساقہ" تک نہ بنا سکا جو اس کی فوجوں کو واپسی کے وقت بچا لیتا۔ جس کی وجہ سے ان کا بے اندازہ جانی نقصان ہوگیا۔

۳ - تعاقب :

الف : مسلمانوں کی پہلی شکست کے بعد مشرکین تعاقب کے لیے اُٹھے۔ لیکن ثابت قدم رہنے والے مسلمان جن میں سے سرِفہرست خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اس بات میں کامیاب ہوگئے کہ مشرکین کے تعاقب کے حلقہ کو محدُود کر دیں اور اس کی مدافعت کر سکیں اور پھر مسلمانوں نے یہ بھی کر لیا کہ دُوسرے مسلمانوں

کی پسپائی کے وقت وہ مسلمانوں کی پوری طرح حفاظت کر سکے اور مشرکین کو مسلمانوں کی جماعت میں داخل نہ ہونے دیا۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ ثابت قدم رہے، ان کا سب سے پہلا فرض یہی تھا کہ وہ ساقہ کے فرائض سرانجام دیتے، تاکہ واپسی کے وقت مسلمان محفوظ رہیں۔ اس حیثیت سے غور کیجیئے کہ مسلمانوں کا یہ "ساقہ" کس قدر کامیاب رہا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مسلمانوں کا نقصان بہت زیادہ ہو جاتا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ مسلمانوں کی واپسی نہایت تنگ میدان میں ہو رہی تھی۔ جہاں واپس لوٹنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ جس سے مسلمانوں کے نقصان میں کچھ کمی ہو جاتی۔

ب : چونکہ مشرکین نے مسلمانوں کی فوجوں کے جمع ہونے کے بعد بھی اپنی فوجوں کی حمایت اور بچاؤ کے لیے کوئی "ساقہ" مقرر نہیں کیا تھا، اور جب مسلمان ان کے مقابلے پر جوابی حملہ کرنے لگے تو نتیجہ یہ ہُوا کہ مشرکین شکست کھا گئے۔ تب بھی ان کو ساقہ کا خیال نہ آیا۔ جس کی وجہ سے مشرکین کو بے اندازہ نقصان اٹھانا پڑا۔ اسکے علاوہ مسلمانوں نے ان کی واپسی کو شکست کی صُورت میں تبدیل کر دیا۔

ج : اوطاس اور نخلہ کی طرف بھاگنے والے مشرکین کا تعاقب جس طرح مسلمانوں نے کیا وہ تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس تعاقب نے اوطاس اور نخلہ کے مشرکین کا خاتمہ کر دیا اور مشرکین کا تیسرا گروہ جس نے طائف کی طرف رُخ کیا تھا ان کو طائف کے قلعوں اور فصیلوں نے بچا لیا۔ یہی وجہ تھی کہ مُسلمانوں کی فوج جمع ہو جانے کے بعد طائف کا محاصرہ کرنے کا خیال مسلمانوں کے دل میں پیدا ہُوا اور انہوں نے اس پر عمل کر دکھایا۔

۴۔ معلُومات :

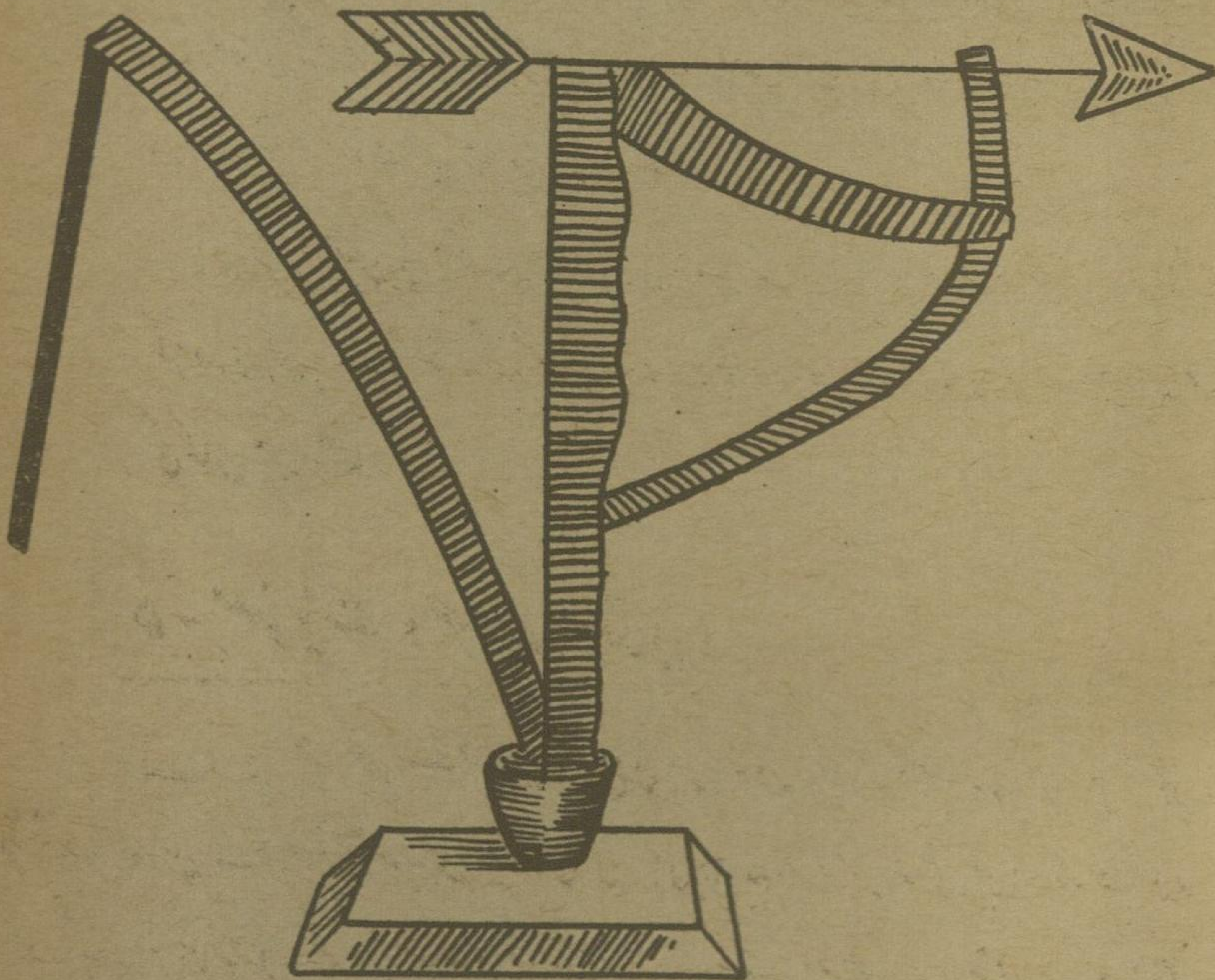
الف : مسلمانوں نے حنین کی طرف مکّہ سے کوچ کرنے سے پہلے اپنے ایک آدمی

کو روانہ کیا تاکہ وہ ہوازن اور ثقیف کا لشکر مجتمع ہونے کی حقیقت معلوم کرے ان کی فوجوں کے اجتماع کا مقام۔ ان کی طاقت، ان کے ارادے سب کچھ معلوم کرے وہ آدمی پوری معلومات لے کر واپس آیا۔

اسی طرح مشرکین نے بھی معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے گشتی دستے مسلمانوں کی نقل وحرکت کا رُخ معلوم کرنے کے لیے بھیجے۔ نیز یہ کہ وہ کس مقام پر پہنچ چکے ہیں، ان کی فوجی قوت کتنی ہے۔ مشرکین کے اس گشتی دستے کی معلومات کا مشرکین کو بہت بڑا فائدہ ہُوا۔ کیوں کہ وہ مسلمانوں کے وادی حنین میں پہنچنے سے پہلے ایک خاص صورت میں حملہ کرنے کی تدبیر سوچ چکے تھے اور جب مسلمان فوجیں وادیٔ حنین میں داخل ہوئیں تو انہوں نے ان پر غیر متوقع طور پر حملہ کر دیا۔ اگر مشرکین کے طلایہ گرد دستے نہ ہوتے تو کبھی معلوم نہ کر سکتے، کہ مسلمانوں کی فوجیں کہاں تک آگئی ہیں، انہی معلومات کی بنار پر انہوں نے بالکل صحیح نقشہ تیار کیا اور غیر متوقع طور پر مسلمانوں کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ مشرکین کا طلایہ گرد دستہ بہت اچھی معلومات لے کر آیا تھا۔

ب: کسی لشکر کے مقدمۃ الجیش کا فرض منصبی یہ ہوتا ہے کہ لشکر کی قسم اکبر یعنی بڑے حصّے کو دشمن سے محفوظ رکھے اور دشمن کے حالات سے پُوری طرح باخبر رہے تاکہ وہ لشکر کے بڑے حصّے پر ناگہانی حملہ نہ کر سکیں۔

مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش نے اس جنگ میں اپنے فرائض منصبی کو ادا نہ کیا۔ وہ وادیٔ حنین میں مشرکین کی گھات کی جگہ اور کمین گاہوں کو معلوم نہ کر سکے، اور مقدمۃ الجیش لشکر کی اگلی صفوں پر لوٹ آیا اور اتنی تیزی سے لوٹا کہ بصیرت اور فکر و تدبّر سے کوئی کام نہ لیا اور پھر مسلمانوں کی فوجیں بھی واپس ہونے لگیں اس خیال سے کہ ان کی واپسی امن کی واپسی ہے اور خطرے کا کوئی امکان



وزنی تیر پھینکنے کے لیے

منجنیق کا نقشہ

نہیں ہے۔ کیونکہ اگر آگے خطرہ ہوتا تو مقدمۃ الجیش واپس آجاتا، یا پھر اس خطرہ کو ختم کر دیتا۔

جنگِ حنین کے ابتدائی حصّہ میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب مقدمۃ الجیش کا اپنے فرضِ منصبی سے کوتاہی کرنا تھا۔ کیونکہ انہوں نے دشمنوں کے مقامات کا صحیح پتہ نہ لگایا اور پھر لشکر کے بڑے حصّے کو دشمن کے ناگہانی اور غیر متوقع حملہ سے بھی محفوظ نہ رکھ سکے۔

اس طرح حنین کی جنگ میں مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش نے کمزوری دکھائی اور کمزوری بھی بہت خطرناک قسم کی، باوجودیکہ وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں تھے۔

۵۔ معنویات (عزم و استقلال)

الف : مشرکین نے جب روزِ اوّل میں لشکر اکٹھا کرنا شروع کیا، تو اسی وقت سے ان کے عزم و ہمّت میں کمزوری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان قبائل میں سے طاقتور اور شجاع ترین قبائل نے اس جنگ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا، اور جو قبائل اس جنگ میں شامل ہوئے ان میں سے بھی اکثر ممتاز اور معقول افراد نے شرکت سے انکار کر دیا۔ اور مالک بن عوف مشرکین کا سپہ سالار مجبور ہو گیا کہ فوجیوں کے ہمراہ عورتوں، بچوں اور تمام مال مویشی کو میدانِ جنگ میں گھسیٹ لائے، تاکہ کوئی آدمی جنگ سے بھاگ نہ سکے، اور اپنی عزّت اور مال کو بچانے کے لیے اپنے دشمن کا مقابلہ کرے۔ اگر وہ کسی سے لڑائی نہ کرے گا تو کم از کم اپنے مال مویشی اور بیوی بچّوں کی حفاظت کے لیے تو جنگ لڑے گا۔

اور جو قبائل لڑائی کے لیے جمع بھی ہوئے تھے وہ بھی اپنی جگہ پر متردّد تھے کہ لڑائی

کریں یا نہ کریں۔ یہاں تک کہ مالک اپنی فوجوں کو یہ دھمکی دینے پر مجبور ہو گیا کہ یا تو وہ اس کے حکم کی تعمیل کریں ورنہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے گا۔

ب : اس کے برخلاف مسلمانوں کی طبیعتیں بلند تھیں اور بلند بھی تکبّر کی حد تک۔ یہاں تک کہ حنین کی طرف کوچ کرتے وقت یہ الفاظ ان کے مُنہ سے نکلے :

"آج ہم قلتِ تعداد کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے۔"

لیکن وہ حنین کے ابتدائی حصۂ جنگ میں غرور پیدا کرنے والی کثرتِ تعداد کی وجہ سے شکست کھا گئے، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی رکاوٹ نہ بن جاتی تو مُسلمان اگر تمام کے تمام نہ مارے جاتے پھر بھی ان کا بڑا حصہ ضرور برباد ہو جاتا۔

۶ - عقیدہ :

الف : مضبوط عقیدے کو غلبہ اور فتح حاصل کرنے میں بہت بڑا دخل ہے عقیدہ لوگوں کی عقل اور شعور کو وحدت کی لڑی میں منسلک کرتا ہے۔ یہ ہم عقیدہ لوگ آپس میں بڑے رحم دل ہوتے ہیں اور ایک خاص معیّن مقصد کے لیے لڑتے ہیں اور مسلمانوں نے ہر جنگ میں جس میں بھی وہ شریک ہوئے، اسی عقیدے کی بناء پر ایک دوسرے کی مدد کی۔

عقیدہ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے لیے مسلمانوں کو اپنے مال اور اپنی جان خدا کی راہ میں قربان کرنا آسان معلوم ہونے لگا۔

بہت سے قریشی فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ جب مسلمانوں کے لشکر نے حنین کی طرف رُخ کیا تو دو ہزار کے قریب ان نئے مسلمانوں میں سے بھی ساتھ ہو لیے، جو اسلام کا صِرف نام ہی جانتے تھے۔ کیوں کہ ان کے اسلام پر زیادہ

مدت نہیں گزری تھی کہ وہ اسلام کی تعلیم کو پوری طرح سے سمجھ لیتے اور اس کی رمز سے آشنا ہو جاتے۔

نئے مسلمانوں نے حنین کے راستے میں مسلمانوں کے ساتھ جاتے ہوئے ایک بہت بڑا سبز درخت دیکھا۔

وہ راستے کے کناروں سے پکار اٹھے:

"اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر کر دیجئے، جیسے کہ کفار کا ذات انواط ہے۔"

ذات انواط ایک بہت بڑا درخت تھا۔ جاہلیّت کے زمانے میں ہر سال لوگ اس کے پاس آتے۔ اس درخت کو بابرکت سمجھ کر اس سے برکت حاصل کرتے۔ اس کے ساتھ اپنے ہتھیار لٹکاتے۔ اس کے پاس قربانیاں کرتے اور ایک روز وہاں میلہ لگاتے اور یہ نئے مسلمان یہ نہ سمجھ سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جنگوں کی ایک غرض ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شرک کا خاتمہ ہو جائے اور توحید کا کلمہ بلند ہو جائے۔

بلکہ بعض لوگ تو ان میں سے اپنے ساتھ فالوں کے تیر بھی لے کر آئے تھے۔ جیسا کہ ابوسفیان تیر لے آیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی شکست پر خوشی ہوئی۔ بلکہ انہوں نے اپنی خوشی کا اظہار کر بھی دیا اور مشرکین کو ان کی دلیری پر داد بھی دی۔

ب: حنین کی جنگ کے پہلے حملے میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب میں سے بڑا سبب انہی مسلمانوں کا وجود تھا جو قریش میں سے ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے جن کے دل ابھی اسلام پر مطمئن نہیں تھے۔ سب سے پہلے یہی لوگ شکست کھا کر بھاگے اور انہی لوگوں نے دوسرے لوگوں میں بزدلی پھیلائی اور مسلمانوں کے مورال پر اثر انداز ہوئے۔

پسپائی کے مرحلہ سے زیادہ کوئی بھی مرحلہ جنگ میں مشکل نہیں ہوتا۔ جب کوئی جماعت پیچھے ہٹتی ہے اور دوسری جماعتیں اس کو دیکھتی ہیں تو پھر تمام جماعتیں اس کے پیچھے دوڑنے لگتی ہیں اور کوئی بھی سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتا۔ یہی چیز حنین کے ابتداء میں پیش آئی۔

ج : مسلمان جس معرکہ میں بھی کامیاب ہوئے، اپنی تعداد کی کثرت پر کامیاب نہیں ہوئے بلکہ ان کا غلبہ ہمیشہ پختہ عقیدہ کی وجہ سے ہوا۔ اور معرکۂ حنین سے جو سب سے بڑا نتیجہ ہم اخذ کر سکتے ہیں وہ یہ سبق ہے کہ ابتدائے معرکہ میں کثرتِ تعداد کے باوجود جو کمزوری مسلمانوں میں پیدا ہوئی وہ انہی کمزور عقیدہ والوں کی طرف سے آئی۔ گو اس میں اور اسباب بھی شامل تھے لیکن سب سے بڑا سبب یہی تھا اور حنین کی پچھلی جنگ میں جو غلبہ ملا وہ پختہ عقائد والوں کے ذریعے ملا کہ وہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ حالانکہ ان کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ بعض تاریخی کتابوں کے بیان کے مطابق ان کی تعداد صرف سو تھی اور بعض کتابوں کے بیان کے مطابق بہرحال ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز نہیں تھی۔

مشرکوں کے ساتھ مسلمانوں کی جتنی بھی جنگیں ہوئیں۔ وہ صرف عقیدہ کی جنگیں تھیں نہ کہ تعداد اور اسلحہ کی جنگیں۔

د : مشرکین کے سامنے کوئی واضح عقیدہ سرے سے موجود ہی نہ تھا کہ جس کے لیے وہ اپنی جانوں کی قربانی کرتے۔ اسی لیے وہ مجبور ہو جاتے تھے کہ اپنے ساتھ اپنے مال مویشی اور بال بچوں کو رکھیں تاکہ ان کی خاطر ہی جنگ لڑ سکیں جب کہ ان کے لیے کسی دوسرے سبب کے لیے جنگ مشکل ہو جائے۔

آپ نے اس تنگ اور مشکل مقام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پامردی، اور ثبات بھی ملاحظہ فرمایا۔

اس کے مقابلے میں مشرکین کے سپہ سالار مالک بن عوف کی حالت بھی ملاحظہ فرمایئے کہ وہ کس طرح پہلے شکست کھا کر بھاگنے والوں کے ساتھ شکست کھا کر بھاگا اور طائف میں جا کر دم لیا اور وہاں جا کر محصور ہو گیا۔

پھر جب ہوازن کا وفد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے مالک بن عوف کے متعلق پوچھا۔

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہُوا کہ وہ ابھی تک ثقیف کے ساتھ طائف میں موجود ہے تو آپؐ نے اُن سے کہا :۔

میری طرف سے اس کو پیغام دینا کہ :

" اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس واپس آجائے تو اس کا تمام مال اور بیوی بچّے اسے واپس دے دیئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ میں اس کو سو اونٹ بھی دُوں گا۔"

یہ سنتے ہی مالک نے گھوڑے پر زین کسی اور تیزی کے ساتھ حاضرِ خدمت ہُوا۔ مال بھی پایا، اہل و عیال بھی اور سَو اونٹ بھی۔

۷۔ جوانمردی کی جنگ :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقتول عورت کی لاش کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے فرمایا :

" اسے کس نے قتل کیا ہے ؟"

لوگوں نے عرض کیا :

" اسے خالدؓ بن ولید نے قتل کیا ہے۔"

آپؐ نے اپنے ساتھیوں سے کہا :

" خالد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ " رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تُم کو

عورتوں، بچّوں اور مزدوروں کے قتل کرنے سے منع کرتے ہیں۔"

اس مشرک عورت کو عمداً قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ جب مشرکین شکست کھا کر بھاگے تو مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اسی تعاقب میں غلطی سے وہ عورت بھی قتل ہو گئی تھی۔ اور ایسے حالات میں بہت سی جنگی لغزشیں ہو جایا کرتی ہیں۔ کیوں کہ شکست کھانے والوں کی حالت نفسیہ اور خود تعاقب کرنے والوں کی طبیعت بھی غیر طبعی ہوتی ہے اور اسی سبب سے یہ غلطی واقع ہوئی تھی کہ ایک عورت قتل ہو گئی۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ اپنے سپہ سالاروں کو اپنے سابقہ تاکیدی حکموں کی طرف متوجہ کریں کہ کمزوروں کو قتل نہ کیا جائے۔

مسلمانوں کی جنگ جوانمردی کی جنگ ہوتی ہے ۔۔۔!

وہ فتح چاہتے تو ہیں لیکن اس کے لیے شریفانہ وسائل تلاش کرتے ہیں اور ظلم، اور زیادتیوں سے ہمیشہ اجتناب کرتے ہیں۔

۸۔ جنگ سے متعلق فیصلے :

(ا) مالِ غنیمت کی تقسیم

ا : سب سے پہلے نفوس پر اثر کرنے والی چیز غنیمت کی تقسیم ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان قریشی لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور ابھی تک اسلام ان کے دل کی گہرائیوں میں داخل نہیں ہوا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے قبائل کے سرداروں کو بھی اسلام کی طرف مائل کرنا چاہا۔ اس لیے کہ بہت سے لوگوں کو حق کی طرف پیٹ کے ذریعے لایا جاتا ہے نہ کہ عقل کے ذریعے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مال دیا اور بہت دیا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ان کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن گئی اور صرف اسلام ان کا مذہب بن گیا۔

باقی رہے قدیمی مسلمان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پوری طرح محروم رکھا، اس لیے کہ ان کے ایمان اس بات سے بہت زیادہ آگے بڑھ چکے تھے کہ ان پر مادی چیزیں اثر کرتیں۔

جب اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو آپؐ نے جواب دیا کہ:

"میں صرف ان لوگوں کو دے رہا ہوں جن کی طرف سے مجھ کو بے صبری، اور لالچ نظر آ رہا ہے، اور میں ایسی قوم کو مال دیتا ہوں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے بھلائی اور بے نیازی نہیں رکھی۔"

انہی لوگوں میں سے عمرو بن ثعلب بھی تھا —— عمرو نے جب یہ بات سُنی، تو کہنے لگا:

"میں پسند نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بات سُن لینے کے بعد مجھ کو سُرخ اُونٹ ملیں۔"

انصار وہ لوگ تھے جن پر اس سیاست کا تاوان سب سے زیادہ پڑا —— یعنی ان کو بالکل مال نہ ملا —— اور پُوری طرح حنین کے مالِ غنیمت سے محروم رہے۔ ان کو اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں دی گئی تھی۔

ان میں سے کسی آدمی نے کہہ دیا:

"خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے مل گئے۔"

سعد بن عبادہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسُول! یہ انصار کا قبیلہ آپؐ سے کچھ رو نما ہوا سا معلوم ہوتا

! ——— ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"کس سبب سے ؟"

سعد نے عرض کیا :

"اس لیے کہ آپ نے مالِ غنیمت اپنی قوم کو بھی خوب دے دیا اور دُوسرے تمام عرب بھی خوب لے گئے، بس انصار کو اس میں سے کوئی چیز نہیں ملی ۔ وہی محرُوم رہ گئے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"سعد تمہارا اپنا کیا خیال ہے ؟"

اس نے کہا :

"میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک فرد ہُوں ۔"

آپ نے فرمایا :

"اپنی قوم کو اس خطیرے[1] میں اکٹھا کرو ۔ جب سب لوگ آجائیں، تو مجُھے اطلاع دینا۔"

سعد باہر نکل گئے اور انصار کو اکٹھا کیا۔ جب تمام لوگ حاضر ہو گئے، تو آکر عرض کیا :

"اے اللہ کے رسُول ! انصار جمع ہو گئے ہیں ۔ جن کے جمع کرنے کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا۔"

---

[1] : خطیرہ اصل میں وہ جگہ ہوتی ہے، جہاں بھیڑ بکری یا اُونٹوں کو جمع کیا جاتا ہے تاکہ وہ چوروں اور درندوں سے محفوظ رہ سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا۔

اور فرمایا :

" اے انصار کی جماعت !

کیا جب میں تمہارے پاس آیا تھا، تم لوگ گمراہ نہیں تھے ؟ ——— سو اللہ نے تم کو میرے ذریعے ہدایت دے دی ؟ ——— کیا تم غریب نہیں تھے ؟ سو اللہ نے تم کو میری وجہ سے دولت مند نہیں بنا دیا ؟ کیا اللہ تعالےٰ نے تمہارے دلوں میں الفت نہیں ڈال دی ؟ "

انہوں نے جواب دیا :

" بالکل درست ہے ۔ "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" اے انصار کی جماعت ! تم جواب کیوں نہیں دیتے ۔ "

کہنے لگے :

" اللہ کے رسول ہم کیا جواب دیں ؟ ہم آپ سے کیا عرض کریں ۔ واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت احسان ہے ۔ "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" خدا کی قسم، اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو، اور میں تمہاری تصدیق کروں گا کہ تجھے (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے ہم وطنوں نے نکال دیا تھا ——— مگر ہم نے تجھے پناہ دی ——— تو (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) مفلوک الحال آیا تھا ——— ہم نے تیرے ساتھ سلوک کیا ——— تو (آں حضرتؐ) خائف تھا ——— ہم نے تجھے امن دیا ——— تو (آں حضرتؐ) بے یار و مددگار آیا تھا، ہم نے تیری مدد کی ۔ "

اے انصار کی جماعت !

کیا تم اپنے دلوں میں دنیا کی زینت کو سجا رہے ہو۔ جس سے میں نے ان لوگوں کی تالیف قلب کی ہے، جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور تم کو میں نے اسلام کے اس حصّے کے سپرد کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھا ہے ؟

اے انصار کی جماعت !

کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ لوگ اپنے گھروں میں بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں اللہ کے رسول کو لے جاؤ۔ اس خدا کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے ۔ اگر لوگ ایک راستہ پر چلنے لگیں اور انصار ساری دنیا سے الگ ایک راستہ اختیار کر لیں تو میں انصار کے راستے کو پسند کروں گا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک آدمی بننا پسند کرتا۔

اے اللہ !

انصار پر رحم کر ۔

انصار کے بیٹوں پر رحم کر۔

اور انصار کے پوتوں پر رحم کر۔

انصار کے لوگ روتے جا رہے تھے، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔

اور کہتے جاتے تھے :

" ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہیں ، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر خوش ہیں ۔"

میری خواہش تھی کہ میں اس ساری حدیث کو نقل کر دوں تاکہ میں اس حکمت کو واضح کر سکوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے تقسیم کرنے میں ملحوظ رکھا تھا

اور کس طرح مؤلفۃ القلوب کو اپنی جانب مائل کیا اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بہترین اسلوب کھل کر سامنے آجائے۔ جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش آنے والی مشکلات کا علاج کیا کرتے تھے، اور کس طرح آپ حکمی معالجہ کی وجہ سے ایسی مشکلات سے عہدہ بر آ ہوتے تھے اور اس کے متعلق کیسا حکیمانہ اور مطمئن کرنے والا طریقہ اختیار فرماتے تھے۔

آپ کی بات دل کی گہرائیوں سے نکلتی تھی، اور بلاشبہ وہ دلوں پر اثر کرتی تھی۔

۲ - لوگوں سے مالِ غنیمت جمع کرنے کا طریقہ اور اس پر پوری طرح اقتدار، اور اس کو ایک جگہ پر محفوظ رکھنا۔ یہ مالِ غنیمت کے اقتدار کی بہترین مثال ہے اور تقسیم کے سوا کسی کی مجال نہ تھی کہ اس میں سے کوئی چیز ادھر ادھر کر سکے۔

آپ نے مالِ غنیمت جعرانہ کے مقام پر مکہ اور طائف کے درمیان خطرات کے مقام سے بہت دور جمع کیا۔ آپ نے اس کی نگرانی کے لیے نہایت امین آدمی انتخاب کیے، اور مسلمانوں نے مالِ غنیمت کی ہر چیز لا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ یہاں تک کہ سوئی اور دھاگہ بھی۔

ایک انصاری بالوں کے دھاگے کی ایک نلکی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اور عرض گزار ہوا :

" اے اللہ کے رسول !

میں نے دھاگے کی یہ نلکی ——— اپنے اونٹ کا نمدہ سینے کے لیے لی ہے —!"

یہ سن کر آپ نے فرمایا :

"اس میں جتنا میرا حصّہ ہے، وہ میں نے تجھے بخش دیا۔"[1]

یہ سُن کر انصاری نے وہ تکلی مالِ غنیمت کے ڈھیر پر ڈال دی۔

عقیل بن ابی طالب کے پاس ایک سوئی رہ گئی تھی، وہ بھی مالِ غنیمت کے ڈھیر پر لا کر رکھ دی۔

جمع غنائم میں، پوری چوکسی اور باقاعدگی اختیار کی گئی تھی۔ اس لیے کہ یہ جنگ کا نہایت لازمی اور اہم حصّہ ہے، عہدِ جدید کی نئی حربی تعلیم نے مالِ غنیمت جمع کرنے کی ضرورت اور اس کی حفاظت و نگہداشت کی اہمیت پورے طور پر تسلیم کی ہے، تاکہ مالِ غنیمت فوجیوں ہی کے درمیان ذرا ذرا اور تھوڑا تھوڑا کر کے ختم نہ ہو جائے۔

لیکن دنیا اس نقطۂ ایمان کے عروج پر شاید کبھی نہیں پہنچ سکے گی۔ جس پر مسلمان پہنچ گئے تھے اور جس کے زیرِ اثر مالِ غنیمت کا ذخیرہ کیا کرتے تھے۔

ب : خسائر (نقصانات)

جنگِ حنین کے پہلے و ہلے میں جب مسلمانوں نے شکست کھائی اور راہ فرار اختیار کی، تو انہیں بہت زیادہ نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آلِ بیت اور چند صحابۂ کرام کے ساتھ بے مثال استقلال اور ثباتِ قدم کا مظاہرہ نہ فرماتے تو مسلمانوں کا جانی نقصان وہم و تصور سے بھی کہیں زیادہ ہوتا۔

---

[1] : لیکن دوسرے مسلمانوں کا بھی اس میں حصّہ ہے وہ میں نہیں بخش سکتا۔ (مترجم)

شکست کے بعد، مشرکین نے بھی جانی اور مالی ہر طرح کا نقصان بہت زیادہ اٹھایا۔ اس نقصانِ عظیم کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنی شکست کے اثرات کم کرنے کے لیے ساقہ کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا۔

ان واقعات و حوادث کے مطالعہ کے بعد سب سے بڑا سبق جو ملتا ہے، یہ ہے کہ پسپا ہونے والی فوج کو شکست سے، یا اس کے اثراتِ بد سے بچانے کے لیے ساقہ کا وجود لبا ضروری اور ناگزیر ہے، ورنہ پسپائی حد درجہ مہلک شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے، اور ایسی پسپائی سے بڑھ کر اور کون سی مصیبت ہو سکتی ہے جو شکست میں تبدیل ہو جائے۔

ج : رسد اور خوراک :

غذائی سامان سے متعلق مسلمانوں نے جو تدبیریں کی تھیں وہ ہر گونہ بہتر تھیں، یہی کیفیت مشرکین کی بھی تھی۔ بالخصوص طائف کے محاصرے میں ہم دیکھتے ہیں، کہ مشرکین نے خورد و نوش کا سامان بہ افراط جمع کر رکھا تھا۔ اتنا زیادہ کہ ایک طویل اور تھکا دینے والے محاصرے کے لیے بالکل کافی تھا۔

یہی وجہ تھی کہ :

مسلمان طائف کو تسخیر کیے بغیر واپس آ گئے۔ کیونکہ وہ جان گئے تھے، خوراک اور غذا کی قلت سے مجبور ہو کر ثقیف ہتھیار ڈالنے والے نہیں۔

د : انتظامِ نقل و حمل :

نقل و حمل کا بندوبست مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کے پاس جُدا جُدا اور علیحدہ علیحدہ تھا۔ اسے معلوم کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ ایک نگاہ مالِ غنیمت پر

ڈال لیں اور ان اونٹوں اور بکریوں کا شمار کریں، جنہیں مشرکین اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ اس سے مشرکین کے نقل و حمل کے بندوبست کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

۷ : سلاح جنگ :

مسلمانوں کے پاس سلاح جنگ کافی تھے، زرہیں اور ہتھیار بھی بہت تھے۔ اس جنگ میں ہمیں دو نئے اسلحہ نظر آتے ہیں۔ جن سے مسلمانوں نے پہلے پہل کام لیا۔

ایک منجنیق ،

دوسرا دبابہ ،

اور یہ بات بھی ہمارے علم میں ہے کہ مشرک منجنیق کا توڑ تو نہ پیدا کر سکے لیکن دبابے کا توڑ انہوں نے پیدا کر لیا، یعنی جلتا ہوا، اور پگھلتا ہوا لوہا پھینک کر اسے خاکستر کر دیا۔

تخلیقِ سُلطانیٔ جدید

◎

ان العزۃ للہ و لرسولہ
والمؤمنین ۔ !

القرآن الکریم

◎

بلاشبہ عزت ، خدا ، اس کے رسول ،
اور ایمان والوں کے لیے ہے۔

◎

غزوۂ تبوک

مؤقفِ عام

۱۔ مسلمان :

فتح مکہ اور ہوازن کی شکست کے بعد پورے جزیرہ عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا تھا، یہاں تک کہ وہ شام اور عراق کے حدود تک پہنچ گیا، اور مسلمانوں کی حیثیت یہ ہوگئی کہ ان شہروں کی تنظیم اور فوجی و اجتماعی زندگی کے بارے میں وہ مسئول اور ذمہ دار قرار پاتے۔ جملہ بلادِ عربیہ میں کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو مسلمانوں سے ٹکر لینے کی جرأت کر سکتی، اور ان کے ساتھ عداوت و مخاصمت کا اظہار کر سکتی۔

لیکن اسلام چونکہ عربوں ہی کا دین نہیں تھا بلکہ تمام انسانوں کے لیے تھا، لہٰذا لازم تھا کہ اس کی دعوت و تبلیغ کی حریّت و آزادی نہ صرف بلادِ عرب میں، بلکہ ہر جگہ، حاصل کی — اور قائم رکھی جاتی۔

چونکہ اسلام اب پورے جزیرۂ عرب میں اپنے قدم جما چکا تھا، لہٰذا، ضروری تھا کہ عرب اور عجم میں اس کا پیغام اور اس کی تعلیم پھیلائی جائے، اور اس کے قدم سرزمین عرب سے باہر نکلیں۔ اب حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی قوت اور اسلام کی تنظیم کا چرچا ہر جگہ ہونے لگے۔

۲- منافقین :

قلّتِ تعداد، ظاہری قبولِ اسلام، وسوسہ اندازی، شکست خوردہ ذہنیت پیدا کرنے کی سر توڑ کوشش، فتنہ انگیزی، اور مسلمانوں کے لیے مشاکل و مصائب کی تخلیق ——— یہ تھی منافقوں کی خصوصیّت اور یہ تھا ان کا کردار اور سیرت، لیکن وہ اتنی اہمیّت اور قوت نہیں رکھتے تھے کہ مسلمان کسی درجے میں ان کا احتساب کر سکتے، لیکن بااین ہمہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک خطرۂ مستمر کی صُورت اختیار کر چکے تھے۔

جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا، مدینہ کے مسلمان باشندے ان کے کرتوتوں اور ذہنیّت سے واقف ہوتے جاتے۔ ان کے اعمالِ بد اور افعالِ شنیعہ اب چشمِ مردم سے نہاں نہیں تھے، کُھل کر سامنے آ گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بالکل ممکن تھا کہ مدینہ کی ان سے تطہیر کر لیتے، لیکن آپؐ اس آس کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے کہ گو کچھ عرصہ بعد سہی، لیکن یہ رشد و ہدایت کا راستہ اختیار کر لیں گے۔

۳- مُشرکین :

جزیرہ نمائے عرب میں مشرکین اب کِسی قسم کی عسکری اور فوجی قوت نہیں رکھتے تھے۔ کیوں کہ سردارانِ قریش، اور زعمائے قبائلِ عربیہ، اور عمیدِ مشرکین کا بڑا حصّہ اسلام قبول کر چکا تھا۔

قبائلِ عربیہ میں اسلام نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔ اور جو مشرک قبولِ اسلام کی سعادت سے اب تک محروم چلے آ رہے تھے۔ ان کے بارے

میں بھی آثار و علائم واضح طور پر بتا رہے تھے کہ اسلام سے زیادہ مُدت تک برگشتہ نہیں رہ سکیں گے۔

عملی طور پر صورتِ احوال یہ تھی کہ قبائل عرب کے وفود مدینۂ منورہ آ آکر قبولِ اسلام میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے، اور عرب اللہ کے دین میں فوج در فوج اور موج در موج داخل ہونے لگے تھے۔

خالص عسکری اور حربی نقطۂ نظر سے مشرکین کی اب کوئی قدر و قیمت نہیں رہ گئی تھی، اور ان سے کسی طرح کا خطرہ لاحق نہیں تھا۔

۴۔ اہلِ رُوم :

رومی شہنشاہیت کے حالات عام طور پر، اور شام میں بطورِ خاص حد درجہ ابتر اور ناگفتہ بہ ہو چکے تھے، عوام میں ہر آن رومی حاکموں اور عاملوں کے جبر و جور اور ظلم و ستم کی داستانوں کا چرچا رہتا۔ رومی اربابِ اقتدار کوڑے کے زور اور تلوار کی نوک سے کام لے کر کاروبارِ مملکت چلا رہے تھے۔

اسلام کا اوج و عروج دیکھ کر بہت سے عرب قبائل جو رومیوں کے باجگذار، اور مطیع تھے۔ ان سے دامن چھڑا کر اسلام کے حلقے میں برضا و رغبت داخل ہو گئے۔

فروہ بن عمرو خزاعی نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ وہ شخص تھا، جس نے غزوۂ مؤتہ میں رومیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر ان کے پہلو بہ پہلو مسلمانوں سے مقاتلہ اور محاربہ کیا تھا۔

ہرقل نے کہ شہنشاہ روم تھا، غدّاری کا الزام عائد کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ وہ اسی پر آمادہ تھا کہ اگر فروہ اسلام ترک کر کے پھر سے مسیحی بن جائے، تو اسے

رہا کر دے گا، اور مور و لطف و کرم قرار دے گا۔

لیکن اسلام کی لذّت ایسی نہ تھی کہ فروہ اس سے دستبردار ہو جاتا۔ اس نے یہ پیش کش ٹھکرا دی، اور اپنے اسلام پر قائم اور بضد رہا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ رُومیوں نے اسے شہید کر دیا۔

عرب کے مسیحیوں میں اسلام کی نشر و اشاعت نے رومیوں کا بستر عیش و نعم کانٹوں سے بھر دیا تھا۔ وہ ذہن و دماغ کی ساری توانائی یہ سوچنے میں صرف کر رہے تھے کہ جڑ پکڑنے سے پہلے اس نئے دین کو ملیا میٹ کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے شام کے جنوبی سرحدات پر، مسلمانوں پر فیصلہ کن حملہ کرنے کی غرض سے فوجوں کو مجتمع کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے انباط کو اس خدمت پر مامور کیا کہ وہ مسلمانوں کے بارے میں ضروری اور اہم معلومات انہیں فراہم کرتے رہیں۔

یہ انباط اپنی تجارت اور کاروبار کے سلسلے میں مدینہ سے آمد و رفت کا مستقل سلسلہ قائم رکھے ہوئے تھے۔ ان معلومات سے ان کا اندیشہ اور بڑھا، کیونکہ ان کی رو سے مسلمانوں کی مادّی اور معنوی قوت کے ازدیاد و اضافے کی تصدیق ہو گئی تھی، اور وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ مسلمان اب ایک ایسی اور اتنی بڑی قوّت بن گئے ہیں جو رومی شہنشاہیّت کی عظمت و جبروت، اور شان و جلال کے لیے ایک خطرۂ عظیم بن گئی تھی۔

❁ ❁ ❁

اسباب غزوۂ تبوک

۱۔ عام اسباب :

رومی فوجیں عرب کے شمالی حدود پر جنگ کے لیے مجتمع ہو رہی تھیں۔ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ اس منطقہ سے مسلمانوں کے غلبہ اور تسلط کو ہر قیمت پر ختم کر کے دم لیں گی۔

۲۔ خاص اسباب :

الف : جزیرہ نمائے عرب میں اسلام تیزی اور سرعت، کامیابی اور نجاح کے ساتھ پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن اسلام، ایک ایسا دین نہیں تھا، جو کسی خاص قوم، یا ملک، یا سرزمین، یا نسل کے لیے مخصوص ہو۔ وہ تو کافۂ ناس کے لیے تھا۔ دنیا کے ہر انسان کے لیے اسلام کا پیغام عام تھا، اور اس کے کانوں تک یہ دعوت پہنچانی ضروری تھی۔

اب اندرونِ عرب میں نشر و اشاعت اسلام کی طرف سے یکسو اور مطمئن ہو کر، لازم تھا کہ بیرونِ عرب میں، اس دین کو متعارف کرایا جائے۔ عرب سے باہر کے علاقوں اور لوگوں تک یہ دعوت پہنچائی جائے، تاکہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو، اور باطل سرنگوں ہو جائے۔

ب : اُن عربی قبائل کے معنویات (عزم و استقلال اور مورال) کو مضبوط و محکم

کرنا، جو رومی شہنشاہیت کے سامنے اپنی کمزوری کے باعث سرنگوں تھے، اور اس کی بالادستی قبول کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔

یہ وہ قبائل تھے، جن میں اسلام پھیلنے لگا تھا، حالانکہ رومی شہنشاہیت، دعوت و تبلیغ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی تھی، اور تمام وسائل و ذرائع بروئے کار لا کر اسلام کو اس منطقے میں پھیلنے سے روکنا چاہتی تھی۔

۴ : جنگِ مؤتہ میں مسلمانوں کو جو پسپائی اختیار کرنا پڑی تھی۔ اس کے آثار اور نقوش کو ختم اور محو کرنا۔

طرفین کے مقاصد

۱۔ مسلمان :

بلادِ شام میں دعوت و تبلیغ اسلام کی حریت کا حصول، کیوں کہ نشرِ اسلام کا یہی وہ سب سے اہم ٹھکانہ تھا، جہاں سے بیرونِ عرب نشرِ اسلام کا زیادہ سے زیادہ امکان تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے یہ علاقہ عربی تجارت کے لیے شاہ رگ کا حکم رکھتا تھا۔

۲۔ رومی :

رومیوں کا مقصد یہ تھا :

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی عظمت و اہمیّت کو ختم کیا جائے، جو رومی حکومت

کو چیلنج کر رہی تھی کہ وہ عرب پر غالب آ کر رہے گی۔ حالاں کہ پہلے یہی عرب، روم کے باجگذار اور ماتحت تھے۔ اس کے علاوہ شام کے علاقہ میں دعوتِ اسلام کی روک تھام بھی ان کا مقصد تھا

طرفین کی قوت و طاقت

۱۔ مُسلمان :

مسلمانوں کی تعداد بتیس ہزار تھی۔ ان میں دس ہزار سوار تھے۔ خُود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس قیادت فرما رہے تھے۔

۲۔ رومی :

بہت بڑی تربیّت یافتہ اور مسلح فوج کے علاوہ، قبائلِ عرب میں سے بنو لخم ـــــ جذام ـــــ عاملہ ـــــ اور غسّان، ان فوجوں کی مدد کر رہے تھے اور ان کی حمایت میں مسلمانوں سے برسرِ جنگ تھے۔

استحضارات

۱۔ مُسلمان :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رُومیوں سے جنگ کے لیے کُوچ کرنے کی

تیاری اور سروسامان بہم پہنچانے کا حکم دیا۔ اس جنگ میں آپؐ نے بالکل اپنے ارادے کا اخفا نہیں کیا، حالانکہ دوسری جنگوں میں آپؐ ایسا کیا کرتے تھے تاکہ پردہ داری کی وجہ سے دشمن پر ناگہانی حملہ کیا جائے اور قبل ازیں کہ وہ لڑائی کے لیے تیار ہو، شدید حملہ کر کے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔

جنگِ تبوک میں آپؐ نے بالکل اپنے ارادے کو چھپانے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ سفر بہت دور کا تھا جسے گرمیوں کے موسم میں قطع کرنا تھا۔ اس لیے مکمل تیاری ضروری تھی، مجاہدین کی نقل و حرکت کے لیے سواریوں کا انتظام از بس لازمی تھا، ورنہ اندیشہ تھا کہ اس میں کسی کمزور فیصلہ کی وجہ سے مسلمان شکست کھا جائیں اور جس مقصد کے لیے وہ سرگرم کار تھے، اس میں ناکام رہ جائیں۔

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فوج کے لیے سامان جنگ تیار کرنا، خورد و نوش، نقل و حرکت اور اسلحہ وغیرہ کی فراہمی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جب تک اس کام میں دولت مند مسلمان شریک نہ ہوتے، اور شرکت بھی بڑی پُر زور۔ ان غنی لوگوں نے اپنی دولت راہ اسلام میں پوری سخاوت اور بڑی خندہ پیشانی سے خرچ کی، اور عوام نے دعوتِ جہاد کی آواز پر ہر طرف سے لبیک کہا، اور ہر قربانی کے لیے تیار ہو گئے۔

منافقین نے گرمی کی شدت۔ پھلوں کے پکنے۔ لمبی مسافت اور دشمن کی طاقت کا پروپیگنڈا کرنا شروع کیا۔ وہ مسلمانوں کے ارادوں کو کمزور کرتے۔ شکست خوردہ ذہنیت مسلمانوں میں ابھارتے۔ مگر وہ اپنی اس حیلہ سازی میں بالکل ناکام رہے۔ کیونکہ تین آدمیوں کے علاوہ کوئی بھی مسلمان اس جنگ سے پیچھے نہ رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فوجوں کی امداد و استعانت قبول نہیں فرمائی۔ جنہیں عبد اللہ بن ابی (منافق) نے تیار کیا تھا۔ اس لیے کہ آپؐ کو ان لوگوں کی صداقت اور اخلاص کا یقین نہیں تھا۔ اس صورت میں عبد اللہ بن ابی اور اس کے منافق

ساتھی مدینہ ہی میں رہ گئے۔

مدینۂ منورہ میں کچھ ایسے مسلمان بھی رہ گئے تھے، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی سواری نہ دے سکے، اور وہ اس غم میں روتے ہوئے واپس چلے گئے کہ انکے پاس خرچ کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔ جہاد کا جذبہ اور راہِ اسلام میں سر کٹانے کا شوق دل کا دل ہی میں رہ گیا۔

اس جیش العسرۃ ——— لشکر غربت ——— کی تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ فوجیں مدینۂ منورہ کے باہر اکٹھی ہوئیں اور کوچ کرنے کے لیے ہر طرح سے تیار ہوگئیں۔

ہر شخص منتظر تھا کہ حکم ملے اور وہ میدانِ جنگ کا رُخ کرے اور اپنے خدا سے اور اس کے رسُولؐ سے سُرخرو ہو۔

۲ - روم :

ہرقل نے اپنی باقاعدہ فوجوں کو پُورے ایک سال کی تنخواہیں پیشگی تقسیم کر دیں۔

اس طرح اس نے بہت سی دولت عربی قبائل پر تقسیم کر دی، جو اس کی سلطنت کے ماتحت تھے۔ غرض یہ تھی، ان کو اپنی فوجوں کی امداد کے لیے آمادہ کیا جاتے اور طمع زر میں وہ اسلام کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔

فوجوں کی پُوری تیاری کے بعد اس نے اپنے جاسوس بلقاء کے علاقے میں بھیج دیئے، تاکہ ان فوجوں کے اجتماع کی خبریں پوشیدہ رہ سکیں۔ جو بعد میں توک کے علاقہ میں اُترنے والی تھیں۔

⁂ ⁂ ⁂

"کوچ"

۱۔ مسلمان :

مسلمانوں نے مدینۂ منورہ کو رجب ۹ھ میں چھوڑا اور خشک ریگستانی میدانوں کو قطع کرنے لگے۔ موسم بھی نہایت گرم تھا۔ جب آپ ثمود کے شہروں (حجر) میں پہنچے، تو یہ ایسا علاقہ تھا جس میں ہر وقت تند ہوا ریت اڑاتی پھرتی تھی۔ کبھی کسی طرف اور کبھی کسی طرف، اور یہ آندھیاں پورے قافلوں کو ریت میں دفن کر دیتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ کوئی آدمی اکیلا باہر نہ نکلے۔ اگر ضرورت پڑے تو کسی آدمی کو ساتھ لے کر جائے۔ یہاں پانی کی قلت کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت پیاس لگی۔ اگر اس دن بارش نہ ہو جاتی، تو بہت سے مسلمان پیاس سے ہلاک ہو جاتے۔

اسلامی جیش نے اپنا سفر مسلسل جاری رکھا، یہاں تک کہ تبوک پہنچ گیا۔ یہ لشکر رات کو سفر کرتا تھا تاکہ گرمی کی شدت سے محفوظ رہے۔ یہاں تک کہ سب لوگ بخیر و عافیت تبوک میں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے رومیوں کے لشکر کو نہ پایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ رومی فوجیں یہاں سے شمال کی طرف کھسک گئی ہیں، تو آپؐ نے تجویز کیا کہ تبوک کے مقام پر مسلمانوں کا لشکر جرار کچھ روز قیام کرے۔

۲- رومی :

رومی فوجیں جو باقاعدہ فوجی سپاہیوں اور قبائل عرب پر مشتمل تھیں، مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے تبوک میں آکر اکٹھی ہوگئی تھیں۔ لیکن ان کو معلوم ہُوا کہ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کی معنوی طاقت بے انداز ہے تو وہ تبوک سے شمال کی طرف چلی گئیں۔ یہ ان کی ایک طرح کی جنگی چال تھی۔

رقبۂ جنگ پر مُسلمانوں کا غلبہ اور تسلّط

۱- ایلہ کے حاکم سے صُلح :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوحنا بن رؤبہ حاکم ایلہ کو ایک خط لکھا۔ جس میں لکھا تھا کہ "یا تو مسلمانوں کی زیر دستی قبول کر لو، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

یوحنا بذاتِ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفے تحائف بھی پیش کیے اور فرمانبرداری کا اقرار بھی کیا۔

یوحنا بن رؤبہ حاکم ایلہ اور مُسلمانوں کے درمیان جو صلح کا معاہدہ ہُوا تھا۔ اس کی عبارت حسبِ ذیل تھی :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

"یہ امان نامہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محمد رسول اللہ کی طرف سے یوحنا بن رؤبہ اور اہلِ ایلہ کے نام ہے۔ ان کی کشتیاں اور جہاز، اور قافلے خشکی اور تری (سمندر) میں آزادی سے پھریں گے۔ ان کو اللہ تعالیٰ اور محمد نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے ساتھ اہلِ شام، اہلِ یمن، اور اہلِ بحرین کے مسلمانوں کی طرف سے حفاظت اور پناہ کا عہد دیا گیا ہے۔ جو آدمی اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا، اس کا مال اس کی جان، بچا نہ سکے گا اور محمد رسول اللہ کو اس کے پکڑنے کا پورا اختیار ہوگا۔ یہ جو کچھ بھی چاہیں ان کو اس سے روکنا جائز نہیں ہوگا۔ سمندر اور جنگل میں سے کوئی راستہ بھی ان پر بند نہیں کیا جاتے گا۔ دونوں فریق اس معاہدہ پر متفق ہیں کہ ایلہ والے جزیہ کی رقم ادا کیا کریں گے۔ جس کا اندازہ تین سو دینار سالانہ ہے۔"

۲۔ اہلِ جرباء اور اذرح کے ساتھ صلح :

مسلمانوں اور اہلِ جرباء کے درمیان بھی صلح مکمل ہوگئی۔ جرباء عمان کے علاقہ میں بلقاء کے قریب شام کی سرزمین میں ایک بستی تھی۔

اور اہلِ اذرح کے ساتھ بھی صلح ہوگئی۔ یہ جرباء کے قریب ایک شہر تھا۔ ان سے بھی جزیہ پر صلح ہوئی۔

۳۔ اہلِ دومۃ الجندل سے صلح :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو پانچ سو سوار دے کر

دومتہ الجندل کی طرف بھیجا۔

خالدؓ بن ولید نے اکیدر دومتہ الجندل کے بادشاہ اور اس کے بھائی حسّان کو بالکل ناگہانی طور پر جا پکڑا۔ یہ دونوں بھائی جنگلی گائیوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ حسّان تو مارا گیا اور اکیدر کو گرفتار کر لیا گیا۔

خالدؓ بن ولید نے دھمکی دی کہ اگر دومتہ الجندل کے دروازے مسلمانوں کے لیے نہ کھولے گئے تو اکیدر کو قتل کر دیا جائے گا۔

اپنے بادشاہ کو بچانے کے لیے شہر کے دروازے کھول دیئے گئے۔ مُسلمان شہر میں داخل ہو گئے اور وہاں ان کو جو مالِ غنیمت ملا۔ اس میں دو ہزار اونٹ، آٹھ سو بکریاں اور چار سو وسقؔ[1] گندم اور چار سو زرہیں تھیں۔

خالدؓ بن ولید یہ مالِ غنیمت لے کر چل پڑے۔ وہ اپنے ساتھ اکیدر کو بھی گرفتار کر کے لے آئے تھے۔ یہاں تک کہ خالدؓ بن ولید مدینۂ منورہ میں آ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر کی جان بخشی فرمائی، اور اس سے جزیہ پر صلح کر لی، اور رہا کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کے پاس دومتہ الجندل واپس آ گیا۔

"مُسلمانوں کی واپسی"

مُسلمان تبوک کے علاقہ میں بیس دن کے قریب ٹھہرے۔ رومیوں کے لشکر کا انتظار کرتے رہے۔ اسی دوران میں شمالی حدُود میں معاہدے کر کے ان علاقوں پر

---

[1] : ایک وسق، قریباً ۸ سیر کا تھا۔ یعنی ۱۲۰ رطل (پونڈ) کا!

اپنا اقتدار قائم کرلیا، اور اس علاقہ کے رہنے والوں کے دلوں میں اسلام کی ہیبت بٹھادی اور ان علاقوں میں دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کے لیے زمین ہموار کی۔ جب مسلمانوں نے یہ کام پُورے کرلیے تو مدینہ کی طرف واپسی کے لیے کُوچ کیا۔

مسلمان مدینۂ منورہ پہنچے تو جہاد سے پیچھے رہنے والے معذرت کرنے کے لیے حاضر ہونے لگے۔

یہ پیچھے رہنے والے دو طرح کے آدمی تھے!

پہلی قسم تو منافقوں کی تھی:

جو بظاہر اسلام کا دعوئے کرتے تھے۔ ان لوگوں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض اور چشم پوشی سے کام لیا، اور ان کا حساب اللہ تعالےٰ کے ذمّے چھوڑ دیا۔

دوسری قسم ان مسلمانوں کی تھی:

جن کے اسلام میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا، یہ خالص مومن تھے اور یہ صرف تین آدمی تھے،

(۱) کعب بن مالک

(۲) مرارہ بن ربیع، اور

(۳) ہلال بن امیہ۔

ان لوگوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے بات چیت کرنے سے روک دیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے کہ سزا دی جائے یا عفو سے کام لیا جائے۔

⁂ ⁂ ⁂

تبوکؓ کی جنگ سے جو سبق ملتے ہیں، کیا ہیں؟

۱- اجماعی جنگ[1] :

اجماعی جنگ ــــــــ یا اعصابی جنگ ــــــــ یا مطلق جنگ ــــــــ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امت کی تمام قوتوں کو مجتمع کیا جائے۔ صرف عسکری جنگ ہی نہ ہو۔ مادی اور معنوی بھی، اور عقلی بھی، جنگی اغراض کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔

لودندروف نے اجماعی جنگ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار اپنی کتاب، "الامۃ الحرب" ــــــــ پوری قوم میدانِ جنگ میں ــــــــ میں کیا ہے، (جو شائع ہو چکی ہے)

اس سپہ سالار کی رائے کا خلاصہ یہ ہے :

"اس زمانہ کی نئی جنگیں صرف لشکر اور فوج کی جنگیں نہیں رہ گئی ہیں۔ یہ جنگیں اب اجماعی رنگ اختیار کر گئی ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم

---

[1] : اجماعی جنگ وہ جنگ ہوتی ہے : جس میں ایک قوم دوسری قوم سے ہر طرح کی جنگ لڑے، عقلی طور پر بھی۔ ادبی لحاظ سے بھی اور میدانِ جنگ میں مادی وسائل سے بھی ۱۲ ۔

کے خلاف اپنی ساری قوتوں سے جنگ لڑتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ پوری جماعت اپنی تمام قوتیں عقلی، ادبی اور مادی جنگ کی خدمت میں صرف کردے اور یہ طاقتیں آئندہ جنگ کے لیے تمہید بن جائیں۔"

لودندروف کی اس باب میں یہ بھی رائے ہے :

"جنگ وسیلہ ہے، مقصود نہیں۔ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ پوری قوم کو جنگ کے لیے تیار کیا جائے اور پوری قوم ہر وقت تیاری میں مصروف رہے۔

عورتوں کا فرض منصبی یہ ہے کہ :

وہ قوم کے لیے طاقت ور، دلیر اور بہادر بچّے پیدا کریں جو اجماعی جنگ کا بوجھ برداشت کرسکیں، اور مردوں کا فرض یہ ہے کہ اپنی تمام طاقتیں اس مقصد کے لیے مجتمع کردیں۔"

اجماعی جنگ کے لیے لودندروف کی آراء کا یہ مجمل خلاصہ ہے، جس کو نئی تعبیر کرنے والے جنگی سپہ سالاروں نے معتبر سمجھا ہے۔ پھر انہوں نے اس کی تفسیر بڑی تفصیل سے کی ہے، اور اس کے مبادی کو پھیلاتے چلے گئے ہیں اور اسے قبول کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

آج کل کی اجماعی جنگیں، جو جرمنی، اٹلی اور روس نے دوسری عالمگیر جنگ میں لڑ کر دکھائی ہیں، یہ کوئی نئی جنگیں نہیں ہیں۔ مسلمانوں نے اس نظریہ کو آج سے چودہ سو سال پہلے دریافت کرلیا تھا۔

لیکن آج کل کی نئی جنگوں اور مسلمانوں کی اس پرانی جنگ میں ایک بہت بڑا فرق ہے، اور وہ فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کی جنگ دفاعی جنگ تھی۔ جس کا مقصد اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کے ارکان کی تکمیل اور پختگی تھا۔ بلا شبہ یہ جنگ ہر لحاظ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام کہاں تک پھیل چکا تھا؟



سے جوانمردی کی جنگ تھی، اور اس میں اقدارِ انسانی، اور انسانی مجد اشرف کو پورے طور پر ملحوظ رکھا گیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"بوجھل یا ہلکے جس حال میں بھی ہو جنگ کے لیے نکلو، اور اپنے مال اور جان سے خدا کی راہ میں جہاد کرو۔"

(انفرُوا خفافا و ثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ)

یہی وجہ تھی کہ مسلمان سب کے سب فوجی ہوتے تھے اور سارے کے سارے ان لشکروں کی تیاری کے لیے وقف تھے۔

مسلمانوں کی تعداد تبوک کی جنگ میں تیس ہزار تھی۔ ان میں دس ہزار سوار تھے۔ یہ لوگ گرمی کے موسم میں چلے جا رہے تھے۔ انتہائی قحط کا موسم تھا۔ سفر بڑا دور دراز کا تھا۔ ریت کے میدان راستے میں حائل تھے۔ ایسے حالات میں اتنے بڑے لشکر کے سامان کی تیاری کوئی آسان کام نہیں تھا اور خصوصاً ایسے حالات میں کہ اتنے دور دراز مقام تک غذائی سامان اور پانی کو اٹھا کر لے جانا۔ نقل وحمل کے سامان کا مہیّا کرنا۔ ہتھیاروں کی فراہمی کا مسئلہ۔

یہی وجہ تھی کہ اس لشکر کا نام "تنگی کا لشکر" پڑ گیا۔ اس میں تمام مسلمانوں نے سوائے تین افراد کے، شرکت کی اور سارے مسلمانوں نے اس لشکر کی تیاری میں حصّہ لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال خرچ کر دیا، جو اُن کے پاس تھا جس دن یہ اسلام لائے، ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ جو سب کے سب خدا کی راہ میں خرچ ہو گئے، یہاں تک کہ مفلس قلاش بن گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں تین سو اونٹ اور ایک ہزار دینار خرچ کیے۔

اور عمر بن خطاب نے اپنا آدھا مال اس جنگ کی تیاری میں دے دیا۔

حضرت عباس، طلحہ، عاصم بن عدی، اور دوسرے افراد نے بھی دل کھول کر مال پیش کیا اور اسی فیاضانہ ایثار و قربانی کی بدولت اتنے بڑے لشکر کی تیاری ہو سکی۔ حالانکہ حالات حد درجہ تنگدستی کے تھے۔

مسلمانوں نے اجتماعی جنگ کی روح کو آج کی دنیا سے چودہ سو سال پہلے معلوم کر لیا تھا۔ لیکن اس جوانمردی کی جنگ میں جس کو مسلمانوں نے معلوم کیا تھا اور دشمنی کی جنگ میں جس کو آج کے نئے زمانے نے معلوم کیا ہے۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔

۲۔ جنگ سے پیچھے رہنے والوں کے لیے سزا اور عقاب و عتاب:

ہر لڑائی سے خواہ وہ نئی ہو یا پرانی۔ کچھ سپاہی مختلف اسباب کی بنا پر شامل ہونے سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور ہر قوم میں کچھ قانون مقرر ہیں، جن کے مطابق پیچھے رہنے والوں کو سزائیں دی جاتی ہیں۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ اس بیسویں صدی کی عالمگیر جنگ میں مہذب قوموں نے پیچھے رہنے والوں کو کیا کیا سزائیں دی ہیں اور کیا اصول اس سلسلے میں وضع کیے ہیں؟

ایسے لوگوں کے ساتھ حد درجہ سفاکانہ برتاؤ کیا گیا تھا اور ان سے اتنی سنگدلی

کا برتاؤ کیا گیا کہ مجرم کے بدلے بے گناہوں کو پکڑ لیا گیا اور وہ بھی اس نئی دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی حکومتوں میں۔ وہ قومیں اس زور و طاقت کے ساتھ فوجیوں کی غیر حاضری کی تعداد میں کمی کرنے میں ضرور کامیاب ہوئی ہیں، لیکن کب؟ جب کہ اپنے فوجیوں کو انہوں نے لوہے کے ہتھوڑوں سے کچل دیا۔ لیکن اس کے باوجود کہ ان کے قوانین نہایت سخت ہیں پھر بھی اسلام کی اس جنگ کے مقابلہ میں پیچھے رہنے والوں کی تعداد آج بھی بہت کثرت کے ساتھ نظر آتی ہے۔

میں یہ بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ قارئین کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اسلام نے پیچھے رہنے کے معاملہ کا کس طرح نفسی سزا سے معالجہ کیا ہے کہ جس میں صرف گنہگار ہی اپنے گناہ میں پکڑا جائے اور اس کے علاوہ کسی اور بے گناہ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

کعب بن مالک کے پیچھے رہنے کا واقعہ خود انہی کی زبان سے سُنیے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ پیچھے رہنے والوں کو اسلام نے کیا سزا دی ہے اور کس طرح؟ اور کیوں کر؟ اور کس انداز سے؟

حضرت کعب بیان کرتے ہیں:

جب میں آیا تو میں نے آپؐ کو سلام کہا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) آپؐ نے تبسّم فرمایا، لیکن اس میں خشم و عتاب جھلک رہا تھا۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

"آگے آ جاؤ۔"

میں چلتا ہُوا آگے آ گیا اور آپؐ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

آپؐ نے مجھ سے فرمایا:

"کیوں پیچھے رہ گئے تھے، کیا تم نے سواری نہیں خرید رکھی تھی؟"

میں نے عرض کیا :

"بالکل بجا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں آپ کے سوا کسی اور دنیادار آدمی کے سامنے بیٹھا ہوتا تو آپ دیکھتے میں کس طرح معذرت کر کے ناراضگی سے بچ جاتا۔ کیونکہ مجھ کو بحث کرنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اگر میں آپ سے جھوٹ بیان کروں گا کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے اور اگر میں آپ سے سچی بات بیان کروں گا۔ جس کے باعث آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں تو میں امید رکھتا ہوں کہ شائد اللہ تعالیٰ مجھ کو معاف کر دے۔ خدا کی قسم مجھے کوئی عُذر نہیں تھا۔ خدا کی قسم میں بہت طاقتور بھی تھا، اور جب میں آپ سے پیچھے رہ گیا تو صحیح بات یہ ہے کہ میرا ہاتھ بھی بڑا کشادہ تھا کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"بات تو سچ معلوم ہوتی ہے۔ اچھا اب جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرما دے!"

یہ سن کر میں اٹھا اور چلا آیا۔

بنو سلمہ کے کچھ آدمی مجھ سے لپٹ گئے۔ انہوں نے میرا پیچھا لے لیا، اور مجھ سے کہنے لگے :

"خدا کی قسم ہم تو نہیں جانتے کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہو، بندۂ خدا، تم اتنا بھی نہ کر سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی عُذر پیش کر دیتے۔ آخر دوسرے لوگوں نے بھی تو جو پیچھے رہ گئے تھے، عذر پیش کیے۔ تم عذر پیش کر دیتے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا استغفار تمہاری بگڑی بنا دیتا۔"

کعب کا بیان ہے :

یہ لوگ برابر مجھے ترغیب دیتے رہے، یہاں تک کہ ایک دفعہ تو جی میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں اور اپنے سابقہ بیان کی تردید کر دُوں۔ میں نے بنو سلمہ والوں سے پوچھا :

"کیا کسی اور کو بھی اس طرح کی سزا ملی ہے ؟

انہوں نے بتایا :

مرارہ بن ربیع عامری، اور ہلال بن امیہ واقفی کے بارے میں بھی آپ نے اسی طرح کا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔

یہ دونوں بہت ہی نیک اور متقی لوگ تھے، بدری تھے، یعنی جنگِ بدر میں شرکت کا اعزاز و افتخار اور سعادت حاصل کر چکے تھے۔ میرے لیے یہ مثال کافی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کا حال سُن کر میں نے احبابِ بنو سلمہ سے کہہ دیا :

" میں اپنے بیان پر قائم رہوں گا، اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کر سکتا !"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ ہم تینوں پچھڑ جانے والوں سے کوئی بھی بات چیت نہیں کر سکتا تھا، لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور ان کا طور طریق بالکل ہی بدل گیا۔ وہ زمین جس پر ہم رہتے آئے تھے۔ وہ زمین ہی نہ رہی،

اسی حالت میں پچاس شب و روز گزر گئے۔

میرے دونوں ساتھی تو گھروں میں جا کر روپوش ہو گئے، رونے کے سوا کوئی اور کام نہ تھا، ان دونوں کا۔ لیکن میں تندرست اور نوجوان آدمی تھا، گھر میں بیٹھا رہنا گراں گزرتا، بازار میں نکل جاتا، مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز باجماعت ادا

کرتا، گلیاروں میں گشت کرتا رہتا۔ سب مجھے دیکھتے مگر کوئی بات کرنے کا روادار نہ تھا۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضری دیتا، سلام عرض کرتا، آپؐ مجلس میں جلوہ فرما ہوتے اور میں آپؐ کے ہونٹوں کی طرف تکا کرتا کہ آیا میرے سلام کے جواب میں، وہ ہلے یا نہیں؟ نماز بالکل آپؐ کے قریب تر ہو کر پڑھتا، اور چوری چوری آپؐ کی طرف دیکھتا رہتا، جب میں نماز میں مشغول ہوتا۔ تو آپؐ دزدیدہ نظروں سے مجھے دیکھتے، جب سلام پھیر کر آپؐ کی طرف دیکھتا، تو آپؐ منہ پھیر لیتے۔

جب مسلمانوں کا بائیکاٹ بہت شدید ہو گیا، تو ایک دن ضبط نہ کر سکا۔ ابو قتادہ کی دیوار اُچک کر اندر پھاند گیا۔ ابو قتادہ میرا ابن عم تھا، ہم دونوں میں بڑی محبّت تھی۔ میں نے اسے سلام کیا۔

بخدا، اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔

میں نے کہا:

میں قسم دے کر ابو قتادہ تجھ سے ایک بات پوچھتا ہوں، کیا تو نہیں جانتا، میں خدا، اور اس کے رسُولؐ سے (بے پناہ) محبّت کرتا ہُوں؟

مگر وہ خاموش رہا۔

میں نے اپنی بات پھر دوہرائی، پھر قسم دے کر اپنا سوال پوچھا۔

پھر جب میں نے تیسری مرتبہ قسم دے کر اپنی بات کا اعادہ کیا، تو اُس نے صرف اتنا کہا:

"اللہ کو اور اس کے رسولؐ کو بہتر علم ہے!"

میری آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، واپس مُڑا، دیوار پھاندی، اور باہر آ گیا۔

ایک روز میں مدینہ کے بازار میں چلا جارہا تھا تو شام کا رہنے والا ایک قبطی جو شام سے گندم لاکر مدینہ میں فروخت کیا کرتا تھا۔ میرا نام لے کر، میرا پتہ پوچھنے لگا لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ وہ سیدھا میرے پاس آیا۔ وہ شاہ غسان کا نامہ لایا تھا، جو اس نے مجھے دے دیا۔

اس خط میں لکھا تھا :

" اما بعد ،

مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہارے سردار نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے حالاں کہ تم ایسے شخص ہو جسے خدا نے ذلّت اور رسوائی کے لیے نہیں پیدا کیا ہے ، تم ہمارے پاس آجاؤ - تمہاری پوری قدر افزائی کی جائے گی ۔"

میں نے یہ رقعہ پڑھا ، میرے دل میں خیال آیا ، یہ بھی خدا کی طرف سے ایک آزمائش ہے ، اب میں اتنا گر گیا ہوں کہ ایک مشرک بھی مجھے اپنا لینے کی فکر میں ہے ، میں نے وہ نامہ جلا ڈالا ، اور واپس چلا آیا۔

ہمارے دورِ ابتلاء کے پچاس دنوں میں سے چالیس دن گزر چکے تھے — چالیسویں دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرستادہ شخص میرے پاس آیا ، اس نے مجھ سے کہا :

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے الگ رہو۔"

میں نے سوال کیا :

" اپنی بیوی کو کیا طلاق دے دوں ؟"

وہ بولا :

" نہیں ، بس اس سے الگ رہو ، اور اس کے قریب نہ جاؤ !"

آپؐ نے اسی طرح کا حکم میرے دونوں ساتھیوں کو بھی بھیجا تھا، میں نے اپنی بیوی سے کہا:

"بہتر یہ ہے کہ تم اپنے میکہ چلی جاؤ، اور جب تک خدا میرے اس جرم کا کوئی فیصلہ نہیں صادر فرما دیتا، وہیں رہو!"

ہلال بن امیّہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کرنے لگیں:

"اے خدا کے رسولؐ، ہلال بن امیہ بہت بوڑھا اور ضعیف شخص ہے۔ اس کے پاس کوئی نوکر چاکر بھی نہیں، کیا آپؐ اسے پسند نہیں فرماتے کہ میں اس کی خدمت کرتی رہوں؟"

آپؐ نے جواب دیا:

"لیکن وہ تیرے قریب نہ پھٹکنے پائے۔"

ہلال کی بیوی نے کہا:

"خدا گواہ ہے، اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے، اس کا تو بس ایک ہی کام ہے۔ ہر وقت روتا رہتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہو چلا ہے، کہیں اس کی آنکھیں نہ جاتی رہیں!"

کعب کا بیان ہے۔ اس واقعہ کے بعد، میرے گھر والوں میں سے بعض نے مجھ سے کہا:

"اگر تم بھی اپنی بیوی سے خدمت لینے کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ لیتے تو ضرور مل جاتی، آخر ہلال کی بیوی کو بھی تو مل گئی۔"

میں نے جواب دیا:

"خدا کی قسم اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں اجازت

ہرگز نہیں طلب کروں گا، میں ہٹا کٹا جوان آدمی ہُوں۔ اگر میں نے اجازت مانگی، تو خُدا جانے آپؐ کیا جواب مرحمت فرمائیں؟"

اس کے بعد دس دن اور میں نے اس طرح گزارے، یہاں تک کہ پچاس دن اس واقعہ کو بیت گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہم سے بات چیت بند کر دینے کا حکم دیا تھا۔

پچاس دن گزر گئے۔

صبح کی نماز پڑھ کر میں اپنے مکان کی چھت پر اس حالت میں بیٹھا تھا، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں فرمایا ہے کہ اپنی وسعت کے باوجود زمین ہم پر تنگ ہو گئی تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ جینا دوبھر ہو گیا تھا!

میں نے کوہ سلع پر ایک خیمہ نصب کر لیا تھا، اکثر وہاں چلا جاتا، اور وقت گزاری کے لیے بیٹھا رہتا۔ میں وہاں حسب معمول وقت گزاری کے لیے جا چکا تھا کہ میں نے سُنا کوئی بلند آواز میں کچھ کہہ رہا ہے۔

میں کوہ سلع پر اپنے خیمہ میں موجود تھا کہ میں نے سنا کہ کوئی پکارنے والا بہ آواز بلند مجھ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے:

"اے کعب بن مالک، تیرے لیے ایک نوید اور بشارت ہے....."

میں نے یہ آواز سُنی اور بے ساختہ خدائے بزرگ و برتر کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔ میرا سر سجدے میں تھا، اور دل سے صدا اٹھ رہی تھی کہ آخر مصیبت اور ابتلاء کا دور ختم ہُوا اور فراخی و کشادگی کا زمانہ آ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو اعلان فرمایا:

"اللہ تعالٰی نے ان تینوں کی توبہ قبول کر لی ہے۔ ان تینوں آدمیوں پر (خدا

نے رحم کیا) جو اس جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے ۔ یہاں تک کہ جب ان کے لیے زمین اپنی فراخی کے باوجود تنگ ہوگئی اور ان پر ان کے اپنے دل بھی تنگ ہوگئے اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا ان کے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا تاکہ وہ توبہ کریں ۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ۔"

(حتیٰ اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجا من اللّٰہ الا الیہ ثم تاب علیھم لیتوبوا ، ان اللّٰہ ھو التواب الرحیم)

جب میں آپؐ کے پاس آکر بیٹھا تو میں نے عرض کیا :

"اے اللہ کے رسولؐ اللہ کی جناب میں میری توبہ کا تکملہ یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال سے دستبردار ہوتا ہوں، اور اسے اللہ اور اس کے رسول کی خدمت میں صدقہ کرتا ہوں ۔"

آپؐ نے فرمایا :

"اپنا کچھ مال اپنے پاس بھی رکھو، تمہارے لیے بہتر یہی ہے ۔"

میں نے عرض کیا :

"اچھا میں اپنے مال میں سے خیبر کا حصہؔ اپنے پاس رکھ لیتا ہوں ۔"

اور میں نے یہ بھی عرض کیا کہ :

"اے اللہ کے رسولؐ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سچ کہنے کی وجہ سے نجات عطا فرمائی ہے، میری اللہ کی جناب میں توبہ کا ایک حصہؔ یہ بھی ہے کہ میں جب تک زندہ رہوں گا ہمیشہ سچ بولا کروں گا ۔"

ذرا غور کیجئے، یہ کس طرح کی نفسی سزا تھی کہ جس کے بعد پیچھے رہنے والا اپنی

توبہ کے ساتھ اپنے اوپر بہ رضا و رغبت دو شرطیں بھی عائد کر رہا ہے، اور وہ بھی کتنی مشکل اور کتنی شاق ـــــــــ سارے مال سے دستبردار ہو جانا ـــــــــ اور بات کہنے میں سچ بولنا۔ اپنے مال سے دستبردار ہو جانا کوئی آسان کام نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ مشکل یہ ہے کہ ہر طرح کے احوال و ظروف میں سچ بولا جائے۔

یہ کس طرح کا اثر ہے جو یہ نفسی سزا اس آدمی پر چھوڑ گئی ہے اور پھر دیکھیے، کہ اس سزا کو جو مسلمانوں نے جنگ سے پیچھے رہنے والوں کو ساتویں صدی میں دی تھی اس سزا سے کیا نسبت ہے جس کو بیسویں صدی کی مہذب اور متمدن قومیں جنگ سے پیچھے رہنے والوں کو دیتی ہیں؟

۳۔ مشکلات کا عادی بنانا:

نئی دنیا میں فوجوں کو مشکلات کا عادی بنانے کے لیے مشکل مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ تنگ راستوں سے گزارنا۔ بلند ٹیلوں پر چڑھانا، لمبے فاصلے پیدل طے کرانا۔ مختلف حالات میں مارچ کا حکم دینا۔ کھانے اور پانی سے بعض اوقات فوجیوں کو محروم رکھنا اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ فوجیوں کو ان تکالیف اور مصائب کے برداشت کرنے کا عادی بنایا جائے۔ جن کا میدانِ جنگ میں اکثر احتمال ہوتا ہے۔

جیش العسرۃ نے وہ وہ مشقتیں برداشت کی ہیں جو ان مشقوں سے اگر زیادہ نہیں تو کسی صورت میں کم بھی نہیں۔ انہوں نے مدینہ کو اس وقت چھوڑا، جب پھل پکے ہوئے تھے۔ جزیرۃ العرب کے صحرا کو لمبی مسافت طے کر کے گرمی کے موسم میں عبور کرنا، ایک لمبی مدت تک بھوک اور پیاس کو برداشت کرنا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" ہم تبوک کی طرف شدید گرمی کے موسم میں نکلے۔ ہم نے ایک مقام پر جا کر ڈیرا لگایا۔ ہمیں وہاں پیاس نے بڑا تنگ کیا، یہاں تک کہ ہم سمجھنے لگے کہ پیاس ہماری گردنوں کو توڑ کر رکھ دے گی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آدمی اپنے اونٹ کو ذبح کرتا۔ اس کی اوجھڑی کو نکال کر اس میں سے پانی نچوڑ کر پیتا اور جو پانی باقی بچ جاتا۔ اسے اپنی پیٹھ پر اٹھا لیتا۔"

غزوۂ تبوک حقیقت میں مسلمانوں کے لیے ایک نہایت سنگین مشق تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان آئندہ اسلام کی نشر و اشاعت اور رسالت کے اغراض و مقاصد کی تبلیغ جزیرۂ عرب سے باہر بھی کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور اسلامی حکومت دنیا کے بعید ترین گوشوں تک پھیل جائے۔

یہ غزوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری غزوہ تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاءِ اعلیٰ کے الحاق سے پہلے اپنے لشکر کے پاس کچھ مدت اطمینان اور آرام سے گزار سکیں۔

۴- رات کا سفر :

مسلمانوں نے مدینۂ منورہ اور تبوک کے درمیان اکثر سفر رات کو طے کیا، تاکہ :

وہ شدید گرمی سے محفوظ رہ سکیں۔

گرمی کے موسم میں رات کو سفر کرنا نہایت ضروری ہے۔

خصوصاً صحرائی علاقہ میں، اور اس موجودہ دور کی فوجوں کی رائے اور عمل بھی اسی کے موافق ہے۔

۵ - معنویات :

غزوۂ تبوک کو ایک معنوی جنگ قرار دیا جا سکتا ہے نہ کہ میدانی جنگ۔ مسلمانوں کے لشکر کا رومی فوجوں اور ان کے حلیفوں سے تو مقابلہ نہ ہو سکا۔ کیوں کہ ان کی فوجیں تبوک کے اس مقام سے کوچ کر چکی تھیں۔ جہاں وہ پہلے مجتمع ہوئی تھیں، اس لیے کہ ان کو معتبر ذرائع سے مسلمانوں کی مادی اور معنوی طاقت سے متعلق معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ اس کے باوجود مسلمان غزوۂ تبوک میں رومیوں پر معنوی لحاظ سے غالب آ گئے۔ جس کی اہمیّت میدانِ جنگ میں مادی غلبہ سے کسی صورت میں بھی کم نہیں ہے۔

غزوۂ تبوک میں رومیوں کی معنوی شکست نے ان عربی قبائل کو جو رومیوں کے ماتحت تھے، یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ رومیوں پر مسلمانوں کے خلاف امداد کا بھروسہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟ اور پھر اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں سے صلح کے معاہدے کر لینا ضروری ہیں تاکہ وہ ان کی حمایت اور استقرار کے ضامن بن سکیں۔

یہی وجہ تھی، کہ یہ قبائل مسلمانوں سے صلح اور دوستی کرنے کے لیے آنے شروع ہوئے اور غزوۂ مؤتہ کے بعد کی نسبت سے اس علاقہ میں اسلام بہت زیادہ پھیل گیا۔

۶ - معلومات و اطلاعات :

رومیوں کا محکمہ اطلاعات مسلمانوں کی نقل و حرکت کی معلومات فراہم کرنے میں بڑا کامیاب رہا۔ رومی لوگ اس معاملہ میں قبطی قوم کے آدمیوں سے خدمت لیتے تھے جو مدینۂ منورہ سے تجارت کیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ ان عربی قبائل سے بھی

معلومات حاصل کرتے تھے جو ان کے حلیف تھے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ غسّان کے بادشاہ نے کعب بن مالک کے جنگ سے پیچھے رہ جانے اور مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے ناراض ہونے کی کیفیت کس طرح معلوم کر لی؟ اور کس طرح انہیں خط لکھا۔ جس میں انہیں غسّانیوں کے ساتھ مل جانے کی ترغیب دی تھی۔ یہ غسّانی بادشاہ رومیوں کا حلیف تھا۔ جب ایسے معمولی معاملے کی رومیوں اور ان کے حلیفوں کو خبر ہو گئی تو لازمی امر ہے، کہ اہم ترین خصوصی معاملات کی خبر انہیں ضرور ہو جاتی ہو گی۔ جن کا تعلق اس وقت کے جنگی حالات سے تھا۔

رومیوں کے جاسوس خود مدینہ منورہ میں بھی پھیلے ہوتے تھے، جو مسلمانوں کی حرکات و سکنات کا پوری طرح جائزہ لے رہے تھے۔ رومیوں سے جنگ کے متعلق تمام خبریں ان کو پہنچ چکی تھیں۔

اور مسلمان بھی رومیوں کی حرکات و سکنات سے غافل نہیں تھے، کیوں کہ مسلمان بھی رومیوں کی فوجوں کے اجتماع، اس اجتماع کے مقام اور ان کے ارادوں کے متعلق ابتداء ہی سے پوری طرح واقف تھے۔

یہی وجہ تھی کہ :

انہوں نے تبوک کی طرف کُوچ کیا، تاکہ رومی فوجوں کو اس سے پہلے پہلے ختم کر دیا جائے کہ وہ حدودِ اسلامیہ میں دخل اندازی شروع کریں، اور معاملہ سنگین ہو جائے، اور حالات ایسی صُورت اختیار کر لیں کہ اُن سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہو جائے۔

صحیح یہ ہے، کہ معلومات حاصل کرنے کے لیے مُسلمانوں اور رُومیوں دونوں کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا۔

۷۔ ضبط و نظم :

مسلمانوں کا جیش العسرۃ کو تبوک تک کھینچ کر لے جانے کے لیے سرگرم کار ہو جانا خوشی خوشی مشقتوں کو برداشت کرنا اس چیز کی واضح دلیل ہے کہ مسلمان ضبط و نظم کے بہت بلند مقام پر فائز تھے، جس کی مثال ناپید تھی۔

لشکر اور فوجی سپرٹ کی بنیاد ہی ضبط و نظم پر ہے اور جس فوج میں ضبط و نظم نہ ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ کوئی معرکہ ہو اور اس کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، اسلحہ جنگ اس کے پاس کتنے ہی مؤثر کیوں نہ ہوں اور یہی ایک واضح فرق ہے، فوجی اور شہری آدمیوں میں کہ فوجیوں کو سب سے پہلے ضبط و نظم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مسلمانوں نے جس طرح اپنے سپہ سالار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو پیچھے رہ جانے والوں کے متعلق قطع کلام اور قطع تعلقات کے لحاظ سے تسلیم کیا، اور اس کی اطاعت کی۔ یہ چیز ثابت کرتی ہے کہ صحابہ میں حد درجہ زبردست نظم و ضبط موجود تھا۔

اور یہ کس طرح کا نظم و ضبط تھا۔ اس نظم و ضبط نے اپنے سپہ سالار کے حکم کو اس طرح نافذ کیا کہ پیچھے رہ جانے والوں کے خود اپنے بیوی بچے بھی اسی طرح اس کو نافذ کر رہے تھے، جس طرح دوسرے لوگ اس پر عمل کر رہے تھے۔ حالاں کہ وہ پیچھے رہ جانے والے اتنی زبردست پریشانی میں مبتلا تھے کہ تمام لوگ ان پر رحم اور عنایت کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ لیکن پھر بھی کوئی آدمی اُن سے کلام نہیں کرتا تھا، قریب تک نہیں پھٹکتا تھا۔

یہ تمام امور مصلحت عامہ سے متعلق ہیں اور مسلمان سب کے سب ان مصلحتوں کو

بروئے کار لانے کے لیے منظم اور متحد سپاہی ہیں۔

"نتائج"

غزوہ تبوک کے مختصر نتائج مندرجہ ذیل قرار دیئے جا سکتے ہیں :

۱ : رومیوں اور ان کے حلیفوں کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کے عزم اور مورال میں حد درجہ بلندی پیدا ہو گئی اور پورے عرب نے اس چیز کو بھانپ لیا۔ غزوہ تبوک کے سفر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں یہ شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ رومیوں کے ساتھ جنگ لڑ سکتے ہیں اور ان پر غالب آ سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ روم کی جفا کاریوں کو کبھی روک سکیں گے، اور وہ بھی اپنے شہروں میں لیکن غزوۂ تبوک کے بعد عرب یہ سمجھنے لگے کہ ان میں رومیوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت موجود ہے۔ وہ عرب چھوڑ خود روم میں جا کر بھی ان سے لڑ سکتے ہیں اور ان کی فوجوں کا وہاں جا کر خاتمہ کر سکتے ہیں۔

۲ : رومیوں پر مسلمانوں کے معنوی غلبہ نے ان عربوں پر بڑا قوی اثر کیا، جو ابھی تک اسلام لانے میں متردّد تھے، کہ جب مسلمانوں میں اتنی طاقت موجود ہے کہ وہ رومیوں کو ان کے گھر آ کر ڈرا دھمکا سکتے ہیں تو یہ عربی قبائل ان فوجوں کا مقابلہ کرنے کی کب طاقت رکھ سکتے ہیں؟

یہی وجہ تھی، کہ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے

تو مختلف قبائل کے وفود آنے لگے، جو اپنے اسلام کا اظہار کرتے جاتے تھے۔ لوگ دینِ الٰہی میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ اسی سبب سے اس سال کا نام "عام الوفود" مشہور ہو گیا۔

۳ : آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم حدودِ شمالی پر مرکزی نقاط کی تنظیم میں پوری طرح کامیاب رہے اور ان مرکزی نقاط کی تنظیم سے جزیرۃ العرب کے تعلقات شام کے علاقے سے پیدا ہو گئے، جو پہلے رومیوں کے زیرِ اثر چلا آرہا تھا۔

اور یہ اس طرح ہوا کہ اس علاقہ کے رہنے والوں میں سے بعض کے ساتھ معاہداتِ صلح قرار پا گئے اور بعض قبائل مسلمان ہو گئے۔

انہی مرکزی نقاط نے اسلامی فتوحات کی مہم کو خلفاءِ راشدین کے لیے نہایت آسان بنا دیا۔ پھر مسلمانوں کی بعض فوجیں شمال کی طرف چلی گئیں، اور آگے چل کر ایک بہت بڑے مقصد کی تحصیل کے لیے یہی علاقے مرکزی نقطہ قرار پائے۔

استدراک

خلفاءِ راشدین کے عہد میں ــــــــــــ،

پھر بنو امیہ کے دور میں ــــــــــــ،

بعد ازاں عصرِ عباسی میں ــــــــــــ،

اور پھر دوسرے ادوار میں اسلام عرب سے باہر پھیلا، اور خوب پھیلا،

اسلام کی قوت وطاقت کے سامنے دنیا کا کوئی ملک نہیں ٹھہر سکا اور کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکی۔ اسلام دنیا کی سب سے بڑی قوت بن گیا۔

لیکن اس قوت کو محکم، وسعت پذیر اور ناقابلِ تسخیر بنانے میں صرف آپؐ کے تدبّر و فراست کو دخل تھا۔

امر واقعہ یہ ہے :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مبارک پر تمام مصیبتیں سہیں، اور دشواریاں برداشت کیں، اور کاروانِ اسلام کو آگے بڑھاتے رہے۔ پھر آپؐ کے بنائے ہوئے راستے پر، دوسرے لوگ چلے اور انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھا کر اسلام کا کلمہ بلند کر دیا۔

(رئیس احمد جعفری)

٭ ٭ ٭

وہ جنگیں جن میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قیادت فرمائی

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	دشمن کی طاقت	مقام جنگ	تاریخ	مختصر نتیجہ جنگ
۱	غزوۂ ودّان (الابواء)	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	-	ودّان	ماہ صفر ۲ھ ہجری	قریش سے مقابلہ نہ ہو سکا۔ آپؐ نے بنی ضمرہ سے صلح کا معاہدہ کیا اور واپس آ گئے۔
۲	غزوۂ بواط	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	ایک سو آدمی سوار اور پیدل قریشی	جبلِ رضوی کے نواح میں بواط نامی جگہ	ربیع الاوّل ۲ھ ہجری	قریش کے قافلہ سے مڈ بھیڑ نہ ہو سکی۔
۳	غزوۂ عشیرہ	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	قریش بنو مدلج اور بنو ضمرہ کی فوج	عشیرہ	جمادی الاوّل ۲ھ ہجری	بنو مدلج اور ان کے حلفاء بنو ضمرہ سے صلح کا معاہدہ ہُوا۔

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	دشمن کی طاقت	مقام جنگ	تاریخ	مختصر نتیجہ جنگ
۴	جنگ بدر اولیٰ	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	کرز بن جابر فہری کچھ تھوڑی سی طاقت لے کر آیا تھا	بدر کے قریب وادی سفوان	جمادی الثانی سنہ ۲ ہجری	مشرکین بھاگ گئے مُسلمانوں سے چھینا ہوا مال چھوڑ گئے لیکن مسلمان ان کو پکڑ نہ سکے۔
۵	غزوہ بدر کبریٰ	۳۱۵ آدمی ان کے پاس دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے	۹۵۰ آدمی ان میں سے ۲۰۰ آدمی قریشی سوار تھے	بدر	رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری	مسلمان قریش پر غالب آ گئے
۶	غزوہ بنی قینقاع	مدینہ کے مسلمان	یہود میں سے قبیلہ بنو قینقاع	مدینہ	ابتدائے شوال سنہ ۲ھ	مدینہ منورہ کو یہودیوں سے پاک کر دیا گیا۔
۷	غزوہ بنی سلیم	۲۰۰ آدمی سوار اور پیدل	بنو سلیم اور غطفان	مکہ اور مدینہ کے درمیان قرقرة الکدر نامی جگہ	انتہائے شوال سنہ ۲ ہجری	بنو سلیم اور غطفانی بھاگ گئے، اور اپنا مال مُسلمانوں کے لیے چھوڑ گئے۔

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	دشمن کی طاقت	مقامِ جنگ	تاریخ	مختصر نتیجہ جنگ
۸	غزوۂ سویق	مسلمانوں کی ایک تھوڑی سی تعاقب کرنے والی طاقت	دو سو قریشی سوار	قرقرۃ الکدر	ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری	مسلمانوں کے تعاقب سے قریشی بھاگ گئے۔
۹	غزوۂ ذی امر	۴۵۰ آدمی سوار اور پیدل	بنو ثعلبہ اور محارب	نجد کے علاقہ میں ایک جگہ "ذی امر" نام	محرم سنہ ۳ ہجری	بنو ثعلبہ اور محارب بھاگ گئے، اور مسلمان ان کے علاقے میں ایک مہینہ کے قریب ٹھہرے رہے۔
۱۰	غزوۂ بحران	۳۰۰ آدمی سوار اور پیدل	بنو سلیم	مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ پر بحران نامی مقام	ربیع الاوّل سنہ ۳ ہجری	بنو سلیم بھاگ گئے اور مسلمان اُن کے علاقے میں ایک ماہ تک ٹھہرے رہے۔

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	دشمن کی طاقت	مقام جنگ	تاریخ	مختصر نتیجہ جنگ
۱۱	غزوۂ احد	سات سو آدمی ان میں سے پچاس آدمی سوار تھے۔	۲۹۰۰ قریشی اور مختلف لوگ اور سو آدمی بنو ثقیف سے، ان میں سے ۲۰۰ سوار تھے۔	مدینۂ منورہ کے قریب اُحد پہاڑ	شوال ۳ھ ہجری	مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے لیکن مشرکین باوجود اتنی بڑی تعداد کے مسلمانوں کو پوری طرح شکست نہ دے سکے، حالانکہ ان کی فوجوں نے مسلمان فوج کا محاصرہ بھی کر لیا تھا۔
۱۲	غزوۂ حمراء الاسد	۶۳۰ آدمی سوار اور پیدل	۲۹۷۸ قریشی ثقیفی اور احابیش میں سے	مکہ اور مدینۂ منورہ کے درمیان حمراء الاسد	شوال ۳ھ ہجری	مسلمانوں نے قریش اور ان کے حلفاء کا احد کی جنگ کے فوراً بعد تعاقب کیا۔ حمراء الاسد تک گئے، لیکن مشرکین نے مقابلہ کرنا چھوڑ دیا، اور مکہ کو بھاگ گئے۔

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	دشمن کی طاقت	مقامِ جنگ	تاریخ	مختصر نتیجۂ جنگ
۱۳	غزوۂ بنو نضیر	مدینۂ منورہ کے تمام مسلمان	بنو نضیر یہودی	مدینہ کے قریب	ربیع الاوّل ۴ھ	بنو نضیر کو مدینہ کے قریب سے جلا وطن کر دیا گیا۔
۱۴	غزوۂ ذات الرقاع	۴۰۰ آدمی سوار اور پیدل	بنو غطفان کی شاخیں بنو محارب اور بنو ثعلبہ	نجد کے علاقے میں "ذات الرقاع" نامی جگہ	شعبان ۴ھ ھجری	بنو ثعلبہ، اور بنو محارب بھاگ گئے۔
۱۵	بدر اُخریٰ	ایک ہزار کے قریب سوار اور پیدل	۳۰۰ سو قریشی آدمی	بدر	شعبان ۴ھ ھجری	قریش مکہ واپس چلے آتے اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے حسبِ وعدہ بدر کے مقام تک نہ پہنچے۔
۱۶	غزوۂ دومۃ الجندل	ایک ہزار سوار اور پیدل	دومۃ الجندل کے قبائل	دومۃ الجندل	ربیع الاوّل ۵ھ	قبائل بھاگ گئے۔

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	دشمن کی طاقت	مقام جنگ	تاریخ	مختصر نتیجۂ جنگ
۱۷	غزوۂ بنی مصطلق	ایک ہزار سوار اور پیدل	بنو مصطلق	مریسیع	شعبان ۵ھ ہجری	تھوڑی سی لڑائی کے بعد بنو مصطلق میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔
۱۸	غزوۂ خندق	تین ہزار	بنو قریظہ کے علاوہ دس ہزار قریش، بنی سلیم فزارہ اشجع اور غطفان	مدینۂ منورہ	شوال ۵ھ ہجری	یہ تمام لشکر مدینہ منورہ کے محاصرہ سے ناکام ہو کر واپس لوٹ آئے۔
۱۹	غزوۂ بنی قریظہ	تین ہزار آدمی، ان میں سے ۳۶ سوار تھے	چھ اور سات سو کے درمیان بنو قریظہ	مدینۂ منورہ کے قریب	ذی قعد ۵ھ ہجری	بنو قریظہ کا خاتمہ کر دیا گیا۔
۲۰	غزوۂ بنی لحیان	تین ہزار کے قریب	بنو لحیان	غران	جمادی الاوّل ۶ھ	بنو لحیان بھاگ گئے۔

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	دشمن کی طاقت	مقام جنگ	تاریخ	مختصر نتیجۂ جنگ
۲۱	غزوۂ ذی قرد	-	غطفان	ذو قرد	جمادی الاوّل ۶ھ ہجری	بنو غطفان بھاگ گئے اور وہ مال غنیمت جو انہوں نے مسلمانوں سے لیا تھا وہ چھوڑ گئے
۲۲	غزوۂ حدیبیہ	۱۴۰۰ سو آدمی سوار اور پیدل	قریش	حدیبیہ	ذیقعدہ ۶ھ ہجری	قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح کا معاہدہ ہُوا۔
۲۳	غزوۂ خیبر	چودہ سو سوار اور پیدل	یہود خیبر	خیبر	محرم ۷ھ ہجری	خیبر فتح ہو گیا، فدک، وادی القریٰ اور تیماء کے یہودی ماتحت ہو گئے۔ جنگی لحاظ سے اس کے بعد جزیرۃ العرب سے یہودیوں کا خاتمہ ہو گیا
۲۴	غزوۂ عمرۃ القضاء	چودہ سو آدمی سوار اور پیدل	قریش	مکہ مکرمہ	ذوالحجہ ۷ھ ہجری	مسلمان مکہ مکرمہ میں تین دن تک ٹھہرے رہے اور مشرکین

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	دشمن کی طاقت	مقامِ جنگ	تاریخ	مختصر نتیجۂ جنگ
						تین دن کے لیے مکہ مکرمہ خالی کر گئے یہ معنوی جنگ ہے میدان کی جنگ نہیں
۲۵	غزوۂ فتح مکہ	دس ہزار	قریش اور بنو بکر	مکہ	رمضان شہ ھجری	مکہ فتح ہو گیا۔
۲۶	غزوۂ حنین	۱۲۰۰۰ آدمی سوار اور پیدل	ہوازن اور ثقیف	طائف کے قریب وادی اوطاس	شوال شہ	ہوازن و ثقیف شکست کھا گئے
۲۷	غزوۂ محاصرہ طائف	۱۲۰۰۰ آدمی سوار اور پیدل	ثقیف اور بعض ہوازن	طائف	شوال شہ ھجری	طائف فتح نہ ہوا تو مسلمان مدینہ واپس آ گئے۔
۲۸	غزوۂ تبوک	۳۰۰۰۰ ہزار آدمی،	رومی اور ان کے حلفاء	تبوک	رجب شہ ھجری	رومی مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے گھبراتے، اور

نمبر شمار	نام جنگ	مسلمانوں کی طاقت	دشمن کی طاقت	مقامِ جنگ	تاریخ	مختصر نتیجۂ جنگ
		دس ہزار ان میں سوار تھے	کا ایک بہت بڑا لشکر			دُور نکل گئے، مسلمان تبوک میں قریب بیس دن رہے، اور اس علاقہ کے قبائل سے صلح کے معاہدے کئے۔ اور واپس آگئے۔

استدراکِ مزید

مذکورہ بالا نقشہ ایک مرتبہ پھر نظر کے سامنے رکھیئے اور غور فرمایئے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے :

۱ : اپنے آپ کو کسی جنگ سے الگ نہیں رکھا۔

۲ : ہر قسم کے شدائد اور مصائب میں برابر کے شریک رہے۔ نبیؐ اور سالارِ فوج ہونے کی حیثیت سے اپنے لیے خصوصی حقوق و مراعات کے نہ طالب ہوئے نہ اسے گوارا فرمایا۔

۳ : ہر معرکے کی قیادت خود فرمائی۔

۴ : ایمانِ محکم کے باوجود، حالات کی نامساعدت کے باعث اگر کبھی ایسے حالات پیش آئے کہ مسلمانوں کو بھاگنا پڑا، اور وہ ہر چیز کو ———— حتیٰ کہ آپ کو بھی ———— فراموش کر کے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوتے، جس کا نتیجہ ہلاکتِ عام کے سوا کچھ نہ نکلتا، ایسے مواقع پر صرف ایک ہستی ایسی تھی جو تیروں کی بارش، پتھروں، نیزوں، تلواروں، اور خنجروں کے پے بہ پے اور شدید حملوں کے باوجود، اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہی، جس نے جنگی مصلحت سے بھی پسپائی گوارا نہیں کی، جس نے بھاگتے ہوؤں کو، واپس بلایا پہلے دس آئے، پھر سو آئے، پھر ہزاروں آئے،

اور نتیجہ یہ ہوا کہ :

بھاگنے والے جیت گئے، اور بھگانے والے ہار گئے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسا میرِ سپاہ، جس نے کبھی اور کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹنے کا تصوّر بھی نہ کیا ہو، صرف ایک ہی ہے، اور وہ ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

(رئیس احمد جعفری)

۱۹

تطبیقِ عملی

وما ارسلناک الّا
رحمۃ للعالمین
القرآن الکریم

" ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے
رحمت بنا کر بھیجا ہے !"

خاتمۂ کلام

چند اہم اور ضروری اور متعلقہ مباحث

ہم اس مسئلہ کا امعان نظر سے مطالعہ کر چکے ہیں کہ اسلام کن مثالی اسباب کیلئے جنگ کو جائز قرار دیتا ہے، ان اسباب کا ذکر قرآن کریم میں بہ صراحت موجود ہے، اسلام جنگ کو اسی وقت جائز قرار دے سکتا ہے، جب اغراض و مقاصد متعین ہوں، اس نے جس جنگ کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، وہ حرب عادل ہے، حرب عادل کی تنظیم کے بعد ہی جنگ چھیڑی جا سکتی ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم حربی اور قانونی اصطلاحات کا حال بیان کر چکے ہیں۔ اسی سلسلے میں ہم نے عہد جدید کے جنگی آئین و قانون اور اصول جنگ و صلح کا ذکر کرتے ہوئے مستند ترین ماخذوں اور مصادر پر، اور بین الاقوامی قوانین جنگ و صلح کے حوالوں پر اعتماد کیا ہے۔

اس تفصیل ــــــ گو وہ بجائے خود مجمل سہی ــــــ کا مقصد یہ تھا کہ ایک فکر واضح لوگوں کے سامنے پیش کر دی جائے کہ وہ بطور خود دیکھ لیں کہ عہد حاضر کی نئی اور مستند کتابوں میں، جو جنگ و حرب سے متعلق ہیں اور بین الاقوامی

قوانین جنگ و صلح کے نئے مصادر اور مراجع ہیں، جنگ کے جو نظری اسباب بیان کئے گئے ہیں، ان کا تقابلی مطالعہ اُن مثالی اسباب کے ساتھ کیا جائے، جو اسلام نے جنگ سے متعلق جائز رکھے ہیں۔

آئندہ صفحات میں، ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عسکری اور حربی کارناموں کا تذکرہ کریں گے، اور ان اصولوں کا بھی، جنہیں برت کر آپؐ نے دنیا کے سامنے مثال پیش کر دی، عملی معلومات کا نظری معلومات سے تقابل کرنا ہو تو یہ میدان بہت وسیع نظر آئیگا۔ اور ہم اسلام میں جنگ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے، انہیں بیان بھی کر چکے ہیں۔ اب ضرورت اس کی ہے، کہ ان کا تقابل پیش کردہ جنگی اصطلاحات، اور قوانین سے کر لیا جائے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ:

جنگ سے متعلق اکثر عسکری معلومات سراسر نظری ہیں، اور قوانین جنگ و صلح بھی یکسر نظری ہیں۔ یہ معلومات اور یہ قوانین، بس صرف اتنی حیثیت رکھتے ہیں کہ کاغذ پر، روشنائی سے انہیں لکھ دیا گیا ہے۔

اس کے برعکس اسلام کے قوانین اور ان قوانین کی حرف بہ حرف عملی مطابقت کا اگر نظر غائر سے مطالعہ کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ چودہ سو سال پہلے مسلمانوں نے جو اصول اور قوانینِ جنگ وضع کیے اور جس طرح انہیں عملی طور پر برت کر دکھا دیا اس کی مثال تاریخ میں قطعاً نہیں مل سکتی۔ یہ چیز ہر اعتبار سے نادر اور یکتا ہے۔

وہ لوگ جو یہ حوصلہ رکھتے ہیں کہ ان نظری معلومات کا بالاستیعاب مطالعہ کریں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی و حربی اعمال سے ان کا مقابلہ و موازنہ کریں تو کوئی شبہ نہیں، اپنے مخصوص خیالات و نظریات کے باوجود وہ متوقع نتیجہ تک پہنچ جائیں گے، جو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مثالی نظریات کو، صرف نطق و کلام، اور

لکھے ہوئے لفظ و حرف تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اپنے حربی اعمال میں مکمل طور پر ان سے سر مُو تجاوز نہ کرکے، اور حرف بہ حرف ان پر عمل درآمد کرکے دکھا دیا۔ کسی جنگ میں بھی، آپؐ نے اسے گوارا نہیں کیا کہ اپنے بتائے ہوئے، اور بنائے ہوئے اصُول اور نظریہ کے دائرے سے باہر قدم نکالیں۔

اور اب خاتمۂ بحث کے اس باب میں، ہم مختصر طور پر تطبیقِ عملی کا جنگ کے مثالی نظریات سے مقابلہ کرکے دیکھیں گے تاکہ شک کی کوئی گنجائش نہ رہے۔

یہ وہ تطبیق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر نافذ فرمائی اور بالکل کامیاب رہے، حالانکہ آج بیسویں صدی میں اس کی تطبیق سے اکابر عسکر عاجز نظر آتے ہیں۔

یہ بات کچھ مشکل نہیں کہ انسان اپنی تفکیر کے سہارے، بلند تر مثالی درجے تک پہنچ جاتے، لیکن یہ بات بہت مشکل ہے کہ ان مثالیات کو عسکری اعمال میں تطبیق کرکے دکھا دے۔ یہ تطبیق جنگی اعمال میں خاص طور پر بہت زیادہ دشوار ہو جاتی ہے، کیوں کہ انہی پر قوموں، اُمتوں اور خاندانوں کا انجام موقوف ہوتا ہے، اس لیے کہ جنگی حالت عام نارمل حالت نہیں ہُوا کرتی، جس میں انسان اپنے اعمال پر اچھی طرح قابُو رکھ سکتا ہے، اور رکھ لیتا ہے۔ بجز اس صُورت کے کوئی انسان فوق البشر اور زیرِ سایۂ الٰہی ہو۔

میری دلی خواہش ہے کہ:

اس مبحث کا مطالعہ غیر مسلم حضرات بھی کریں، خواہ اسلام سے متعلق ان کے افکار اور خیالات کتنے ہی معاندانہ اور مخاصمانہ کیوں نہ ہوں، میں چاہتا ہوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی قوانین کو دیکھیں کہ وہ کس طرح اُن مثالی جنگی نظریات سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں جو عہدِ حاضر کے ترقی یافتہ اور قوانینِ جنگ و صلح سے متعلق

ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان سے بھی ارفع و اعلیٰ ہیں، اس مطالعہ کے بعد ان حضرات کو یقین ہو جائے گا کہ وہ کتنی بڑی غلطی اور غلط فہمی میں مبتلا ہیں ——— وہ بھی جو اسلام کے دشمن ہیں، اور اس کے خلاف تعصّب رکھتے ہیں، اور یہ بھی جو اسلام کے لیے، تعصّب رکھتے ہیں، اس غلطی اور غلط فہمی میں، سچ پُوچھئے تو دونوں بالکل برابر، اور مساوی ہیں۔

تعصّب سے چُور، اور عداوت سے مخمور لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عسکری اعمال پر زبان طعن و اعتراض دراز کی ہے۔

مثلاً ایک طعن و اعتراض یہ ہے :

" اسلام دین قتال ہے، یہ اپنی دعوت کی نشر و تبلیغ میں جنگ پر بھروسہ کرتا ہے اور اسلام کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عسکری زندگی عدوان و جور سے خالی نہیں ہے

لیکن یہ اعتراض ایک فاحش غلطی ہے۔ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے، تو صرف جہلِ مطبق اور تعصّبِ ذمیم۔

جو لوگ اسلام کی محبّت میں تعصّب کی حد تک سرشار ہیں۔ وہ اس کے مدعی ہیں، کہ رسول ؐ کے انتصار و فتح کا راز خورق اور معجزات میں مضمر تھا، اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس اسلام کی صحیح روح سے ناواقفیّت اصل چیز واقعی اور عملی روح ہے۔ جس کا مرکز ثقل، حق واضح، عقلِ سلیم اور دانش دور بیں ہے۔ یہ مرکز ثقل قطعاً اوہام اور خیالات پر نہ قائم ہے نہ ان کا تابع ہے۔

ہر دو فریق، یعنی مذکورہ بالا نظریات رکھنے والے دونوں قسم کے لوگوں کے لیے میں اس امر پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتصار اور فتح کے حقیقی اسباب کیا تھے؟

میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ جنگ کے بارے میں جو اصول و نظریات اسلام

پیش کرتا ہے۔ وہ ان اعمال سے کس درجہ مطابقت رکھتے ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برت کر دکھا دیا۔

میں یہ بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ :

آپ کے عسکری اعمال عہد حاضر کے قوانین جنگ و صلح سے کس حد تک موافقت رکھتے ہیں اور عصر جدید کے قوانین اسلام کے بیان کردہ اسباب جنگ اور بعض تعلیمات سے کتنے ہم آہنگ اور موافق ہیں، اور کہاں تک اسلام کے ارفع و اعلیٰ مبادی قتال و پیکار سے ان کے مبادی جنگ وجدال توافق میں کتنے عاجز ہیں۔

مجمل اسباب انتصار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اٹھائیس جنگوں کی سالاری، اور قیادت فرمائی ہے، اور یہ غزوات ہجرتِ مدینہ کے بعد سات سال کی مدت میں پھیلے ہوئے ہیں۔

(نقشے ملاحظہ ہوں)

پہلا غزوہ :

غزوۂ ودّان تھا۔ جس کی قیادت خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، یہ صفر ۲ھ میں ہوا تھا۔

آخری غزوہ :

غزوۂ تبوک تھا، جو رجب ۹ھ میں ہوا۔

ان ۲۸ غزوات میں سے نو ۹، ایسے ہیں۔ جن میں مسلمانوں اور مشرکین و یہود

کے مابین باقاعدہ جنگ ہوئی۔

تفصیل یہ ہے :

۱ : غزوۂ بدر

۲ : غزوۂ اُحد

۳ : غزوۂ خندق

۴ : بنو قریظہ سے جنگ

۵ : بنو مصطلق سے جنگ

۶ : غزوۂ خیبر

۷ : فتح مکہ مکرمہ

۸ : غزوۂ حنین

۹ : غزوۂ طائف

باقی ۱۹ (انیس[۱۹]) غزوات میں مشرکین کو جنگ کا حوصلہ نہ پڑا، مکمل تیاریوں کے باوجود، مرعُوب ہوتے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

خاص طور پر غور طلب بات یہ ہے کہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالاری اور قیادت کے ماتحت مسلمانوں نے مشرکوں اور یہودیوں سے جو جنگ بھی لڑی - ان میں مسلمانوں کے برعکس اسلحہ اور وسائل و ذرائع، اور تعداد کا تناسب مسلمانوں کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ رہا ہو، مگر شکست نہیں ہُوئی — یہاں تک کہ خالص جنگی نقطۂ نظر سے غزوۂ اُحد کے پہلے ہلّے کی شکست کو بھی شکست نہیں قرار دیا جا سکتا، یہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی فتح ہی تھی - اس موضوع پر ہم اس سے پہلے بھی گفتگو کر چکے ہیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ اُحد میں میرِ سپاہ نہ ہوتے تو کیا اس جنگ

سے، جو مسلمانوں ہی کی غلطی کی باعث ان کے لیے قضائے مبرم بن کر سامنے آ چکی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ مسلمان، اس قضائے مبرم کو دھکیلتے، مہلک ترین خطرات سے کھیلتے، اور نرغے میں آجانے کے باوجود، بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکتے تھے؟

اسی طرح اگر خندق اور حنین کے غزوات میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس مسلمان لشکر کی قیادت نہ فرما رہے ہوتے، تو کیا مسلمان غالب آ سکتے تھے؟ غالب آنے کا ذکر چھوڑیے، کیا اپنی جان سلامت لے جا سکتے تھے؟

بلاشبہ وہ شخص جو بدر، احد، خندق اور حنین کے غزوات کا، اور ان — معرکہ آرائیوں کا تفصیلی مطالعہ کرے گا، اور طرفین، یعنی مسلمانوں اور مشرکوں کے احوال و واقعات سے واقف ہو گا، اور ان جنگوں کے حالات اور کیفیات کی تحصیل کرے گا، تو وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہے گا کہ ساری کامیابی صرف ایک شخص کی فعال کارفرمائی، اور اثر کا نتیجہ تھی، یہ شخصی اثر اس درجہ فیصلہ کن ہے کہ اگر جنگوں کے ابتدائی دور میں یہ کارفرما نہ ہوتا، تو آج اسلامی تاریخ کے نقش و نگار وہ نہ ہوتے جو نظر آ رہے ہیں، اور بقائے دوام کا خلعت پھٹ چکا ہوتا، جس سے آج ہر فرد واقف ہے۔

ہر جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت فتح و انتصار پر کن اسباب کے ماتحت منتج ہوئی؟

یہ چار سبب ہیں:

۱ : قیادت عبقری۔

۲ : مسلمین اوّلین کی سرفروشی اور جاں نثاری۔

۳ : حربِ عادلہ،

یعنی بدترین حالات میں بھی دشمن کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے

عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

۴ : وہ روح :

جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں میں پیدا کر دی تھی۔ جس کے زیر اثر مشرکوں، رومیوں اور اہلِ فارس سے مسلمانوں نے نہایت کامیاب جنگیں لڑیں۔

پہلا سبب

قیادتِ عبقریہ

۱- مجمل صفاتِ قائد و سالار

ایک قائدِ عسکر، اور سپہ سالارِ لشکر کی شخصی اور مثالی خوبیاں اور فضائل و ملکات، ——— جیسا کہ نظاماتِ خدمتِ سفریہ میں جو عہدِ جدید کے جنگی مصادر اور مراجع کے سلسلے میں بہترین کتاب مانی جاتی ہے ——— منحصر ہیں اس بات پر کہ "قائد کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئے!"

اور یہ بات سچ بھی ہے، جب تک قائد میں ثابت قدمی اور اعتماد علی النفس نہ ہو، نہ اس کی ذاتی شجاعت کام آسکتی ہے، نہ عزمِ محکم، اور نہ وہ بغیر کسی تردّد کے مسؤلیت کی ذمّے داری کا متحمل ہو سکتا ہے۔

قائد کے لیے یہ بھی لابد ضروری ہے کہ وہ اسبابِ جنگ پر بہت اچھی طرح حاوی ہو اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو، اور نازک ترین مواقع پر فوری فیصلہ کر سکتا ہو، طبیعت

میں اس درجہ وقار، اور ضبطِ نفس ہو کہ کامیابی کا نشہ اُسے بے خُود نہ کر دے اور ناکامی کی مصیبت سراسیمہ اور ہراساں نہ کر دے، انسانی طبیعت اور فطرت کی گہرائیوں تک اس کی دُور بیں نگاہ پہنچ سکتی ہو، اور وہ حالات کا صحیح اندازہ لگانے کی قدرت رکھتا ہو،

سپہ سالار اور قائد کے لیے یہ بھی حد درجہ ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت کا صحیح استعمال جانتا ہو، اور اپنی فوج کے معنویات ——— عزم و استقلال اور مورال ——— کو برقرار رکھ سکتا ہو، اور اپنے احکام نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اور اپنے لوگوں میں اعتماد اور محبّت اور خلوص کی لہر پیدا کر دے، ساتھ ہی ساتھ انہیں ضبط و نظم کا پیرو، اور اصول و ضابطے کا عادی بھی بنا دے۔

پس قوی شخصیت، طبع بشری کی معرفت، موزوں اور مناسب فکر و رائے تک رسائی، اور اصحاب فہم و دانش سے صلاح و مشورہ، یہ ہیں وہ جوہری اسباب عسکری جو کمال کو پیدا کرنے میں معاون اور مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

سپہ سالار، اور قائد فوج کے لیے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اپنی فوج کے، افسروں اور سپاہیوں سے میل جول کا موقع پیدا کرے، اور ان سے ربط، ضبط قائم رکھے، تاکہ وہ ان کی اہلیت و استعداد، قابلیت اور اوصاف سے براہ راست واقفیت بہم پہنچا سکے۔

سپہ سالار اور قائد عسکر کے یہ مثالی صفات وہ ہیں جنہیں "نظاماتِ خدمت سفریہ" نے بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں بعض ماہرین جنگ نے چند اور صفات کا اضافہ بھی کیا ہے،

مثلاً یہ کہ اسے :

۱ : عزم کا پختہ اور ارادے کا پکّا ہونا چاہیئے۔

۲ : دل کا صاف ہونا اور بغض و کینہ سے دُور رہنا چاہیئے۔

۳ : طبعاً شریف اور نیک نہاد ہونا چاہیئے۔

۴ : جسمانی اعتبار سے قوی اور مضبوط ہونا چاہیئے تاکہ ہر طرح کے مشکلات اور حوادث کو برداشت کرنے اور جھیل لے جانے کا حوصلہ اس میں قائم رہے اور ایسے مواقع پر اپنے فوجیوں کے ساتھ برابر کا شریک رہے۔

مذکورہ صفات کو کافی نہ سمجھتے ہوئے، کچھ اور صفات بھی ایک مثالی اور بہتر قائد کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

مثلاً :

۱ : ثبات قدم اور پختہ عزم۔

۲ : ذاتی شجاعت اور دلیری زیادہ سے زیادہ،

۳ : فوری طور پر صحیح اور واضح احکام کے اجراء اور نفاذ کی استعداد اور قابلیّت،

۴ : نہایت آسانی کے ساتھ، مسئولیّت کا تحمّل کر سکتا ہو۔

۵ : اسبابِ جنگ اور ان کے متعلقات سے پورے طور پر آشنا ہو۔

۶ : فتح اور شکست ہر حالت میں، اپنے آپ پر قابو رکھے، اور حد سے باہر نہ نکلے۔

۷ : حد درجہ دُور اندیش اور صاحبِ فکر ہو۔

۸ : فوجی افسروں اور سپاہیوں کی نفسیات اور استعداد و اہلیّت سے بدرجۂ اتم واقفیّت رکھتا ہو۔

۹ : اسے فوج پر کامل اعتماد ہو، اور فوج کو اس پر مکمّل بھروسہ ہو۔

۱۰ : فوج اور سالار کے مابین، محبت اور خلوص کا رشتہ ہو۔

۱۱ : اقدارِ انسانی کو ملحوظ رکھتا ہو۔

یہ وہ مثالی صفات ہیں جو ایک ممتاز سپہ سالار میں ہونی چاہئیں اور یہ نتیجہ ہیں بہت سی شخصیّات کے فہم و فراست کا جو تاریخ میں بہترین سپہ سالا شمار کئے گئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ بہت سی شخصیّات کی خوبیاں ہیں نہ کہ ایک ہی آدمی کی۔ اس لیے ممکن ہے کہ کوئی ایک شخصیّت ان خصائص میں سے اکثر اپنے اندر رکھتی ہو، اور کچھ نہ رکھتی ہو، جیساکہ سب جانتے ہیں۔

لیکن یہ تمام مثالی صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے مقابلہ میں بہت قلیل ہیں۔

اس مقام پر کچھ اور بھی صفات ہیں، جن سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متصّف ہیں، ان صفات کی طرف جنگ سے متعلق کتابیں اشارہ تک نہیں کرتیں۔ کیوں کہ یہ وہ صفات ہیں۔ جن سے سپہ سالار کا آراستہ ہونا بہت ہی مشکل ہے۔ بلکہ یہ صفات طاقتِ بشری سے بُہت بلند ہیں، عام انسانوں میں بھی، اور ان میں سے خاص غالب اور قاہر شخصیّتوں میں بھی۔

اب ہم ان صفات کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی شخصیّت سے مطابق کرکے دکھاتے ہیں۔ ان جنگی تاریخوں کی روشنی میں جو ہمیں سابقہ فصلوں سے معلوم ہُوئی ہیں۔

تاکہ ہم یقینی طور پر معلوم کرلیں کہ :

یہ تمام صفات ——————

بلکہ ان تمام صفات سے بہت زیادہ بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کی خوبیاں ہیں۔

⁂

۲ - صفات کی تفصیل

الف : صحیح، صاف اور واضح احکام

سپہ سالار کے لیے ضروری ہے کہ احکام صحیح، جلد اور تیزی سے صادر کرے، تاکہ انہی احکام کی بنیاد پر اپنی پالیسی کو استوار کر سکے اور جب جنگ کی چکی چلنے لگے، تو اسی پالیسی کے مطابق عمل کر سکے۔

صحیح اور جلدی احکام کیسے صادر کیے جا سکتے ہیں؟

صحیح احکام کا نفاذ دو چیزوں پر منحصر ہے :

۱ : سپہ سالار کی عقلی قابلیت۔

۲ : اور ، معلومات کا حصول۔

دنیا میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلی قابلیت سے انکار کر سکے۔ یہ وہ قابلیت ہے، جس میں مسلمان اور غیر مسلم کا اختلاف نہیں۔

وہی تو تھے :

جنہوں نے لوگوں کو بشارات سنا کر مائل کیا۔

بد انجام سے آگاہ کر کے روکا۔

ناپسندیدہ کاموں کی ممانعت کی۔

بڑے بڑے عقلمندوں سے بحثیں کیں۔

ایک اُمت کو تیار کیا۔

کیا یہ تمام باتیں ایک زبردست اور قاہر عقل کے بغیر ممکن ہیں؟

اور معلومات کے حصول:

تو یہ جنگی طلایہ گرد دستوں کے ذریعہ بھی ہوتا ہے۔

اطلاعات منگوانے سے بھی۔

جاسوسوں کے واسطہ سے بھی۔

قیدیوں سے بھی۔

شخصی اطلاعوں سے بھی، اور

عقلمند لوگوں سے مشورہ حاصل کرنے سے بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان تمام غزوات اور سرایا سے جو بدر کبریٰ سے پہلے وقوع پذیر ہوئے، مقصد صرف معلومات حاصل کرنا تھا۔ اس علاقے کے، معلومات جو مدینہ کے اردگرد تھا۔ ان راستوں کے معلومات جو مکہ تک جاتے تھے اور یہاں کے رہنے والوں کے متعلق معلومات اور ان کے ساتھ صلح کے معاہدے طے کرنا۔

بدر کبریٰ کے معرکہ میں آپؐ نے ابوسفیان کے قافلے کی واپسی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دستہ بھیجا اور ایک دستہ اپنی فوج بدر میں لے جانے سے قبل اس علاقہ کے معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا، اور پھر دو دستے اپنی فوجوں کے بدر پہنچنے سے قبل اور روانہ فرمائے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شخصی اطلاعات فراہم کرنے کے لیے باہر نکل گئے اور قریش کی طاقت اور ان کی فوجوں کے پڑاؤ کی جگہ کی اطلاعات لے کر واپس لوٹے۔

اس طرح آپؐ نے ان دو قیدیوں سے بھی معلومات حاصل کیں، جنہیں ایک طلایہ گرد دستہ گرفتار کر کے بدر کی جنگ سے پہلے لے آیا تھا۔

آپؐ نے نہایت عمدہ طریق سے ان قیدیوں سے معلومات حاصل کر لیں کہ قریش

کہاں تک پہنچ چکے ہیں اور ان کی فوجی طاقت کتنی ہے۔

پھر آپؐ نے اپنے ایک صحابی کی معرفت بدر کے کنوؤں کے پانی کے خواص معلوم کئے اور ان پر قبضہ کرنے کا اسلوب اور طریقہ معلوم کیا۔ پھر آپؐ نے میدانِ جنگ کو بدل دیا۔ پہلی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ کو مناسب سمجھا، وہاں جاکر ڈیرہ لگالیا۔ جہاں سے کنوؤں کے پانی پر آپؐ آسانی سے قبضہ کر سکتے تھے۔

یہ تمام مثالیں صرف ایک جنگِ بدر کے متعلق ہیں اور آپؐ کی تمام لڑائیاں معلومات حاصل کرنے کے متعلق ایک شاندار مثال ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمن کے تمام ارادوں کو وقت آنے سے پہلے معلوم کر لیا اور دشمن کے تمام ارادوں کو عملی جامہ اختیار کرنے سے پہلے پہلے برباد کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ یہودیوں یا دوسرے قبائل نے جو بھی ارادہ کیا۔ آپؐ کو اس ارادے کی فوراً خبر ہو گئی۔ آپؐ نے ان تمام عزائم شنیعہ کو ختم کرنے کے لیے تدابیر اختیار کر لیں۔ آپؐ نے ان کے گھروں میں جاکر ان کا فیصلہ کر دیا، اور ہر دفعہ دشمن کو مسلمانوں کے خلاف لشکر اکٹھا کرنے سے پہلے پہلے منتشر کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر داخلی اور خارجی نقل و حرکت سے پوری طرح آگاہ تھے، اور آپؐ نے معلومات حاصل کرنے کے متعلق کبھی ایک لحظہ کی غفلت بھی اختیار نہیں کی، اگر ایسی حالت میں آپؐ کے احکام صحیح ہوں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اور یہ بھی تعجب کے قابل نہیں کہ جب آپؐ کی پالیسی ایسے احکام کی بنیاد پر استوار ہو تو کامیاب ہو جائے، حد درجہ کامیاب۔

ب : شخصی شجاعت :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی شجاعت ہر اس میدان جنگ سے واضح

ہے، جس میں آپ شامل ہوئے اور آپ کے تمام جنگی اور غیر جنگی احکام سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔

آپ کا معرکۂ بدر کو قبول کر لینا ———— اور یہ پہلا فیصلہ کن معرکہ تھا، جس میں مسلمانوں نے اقدام کیا ———— ایک عجیب طرح کی شجاعت ہے۔ کیونکہ آپ کی فوج کی تعداد دشمن کی فوج کا صرف تیسرا حصہ تھی۔ اور پھر یہ بات بھی تھی کہ اگر خدانخواستہ مسلمان اس لڑائی میں شکست کھا جاتے تو اس کا اثر اسلام کے مستقبل پر فیصلہ کن ہوتا ———— حد درجہ خطرناک،

اور جنگِ احزاب میں آپ کا قریش کے دس ہزار لشکر کے سامنے ثابت قدم رہنا بھی ایک عجیب قسم کی شجاعت ہے اور خصوصاً اس وقت جب کہ یہودیوں نے اپنے معاہدے کو توڑ ڈالا۔ اب بیرونی و اندرونی خطرات مسلمانوں کے لشکر کو ہر طرف سے دھمکیاں دے رہے تھے، ———— اور انتہائی خطرناک نتائج کے آئینہ دار تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کبریٰ میں بذاتِ خود میدان میں آ گئے، تاکہ آپ خود لڑائی کریں۔

اسی جنگ کے متعلق حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں:

"جب میدان گرم ہو جاتا اور گھمسان کی جنگ شروع ہو جاتی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے اپنا بچاؤ کرتے۔ آپ سے زیادہ دشمن سے قریب اور کوئی آدمی نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اپنی حالت پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ میں پناہ لے رہے تھے، اور آپ ہم سب میں زیادہ دشمن سے قریب تھے۔"

ایک رات مدینہ والے دشمن کے حملہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ لوگ اس آواز کی

حقیقت معلوم کرنے کے لیے دوڑے تو ان کو راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آتے نظر آتے۔ آپؐ ابوطلحہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے اور تلوار آپؐ کی گردن میں حمائل تھی۔

اور آپؐ فرما رہے تھے :

" گھبراؤ نہیں گھبراؤ نہیں "

احد کی جنگ میں آپؐ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس گھیرے سے باہر نکلنے کے لیے سامنے آئے جو مشرکین نے مسلمانوں کے گرد ڈال رکھا تھا۔ آپؐ مسلمانوں کو اس مضبوط نرغے سے بچانے میں کامیاب ہو گئے اور پھر آپؐ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ قریش کے تعاقب میں حمراء الاسد کے مقام تک چلے گئے۔

اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دس صحابہ کے ساتھ حنین کے دن ثابت قدمی نہ دکھاتے تو ہوازن و ثقیف یقیناً مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو جاتے، اُمتِ مسلمہ فنا ہو جاتی !

یہ ایسے حالات و حوادث تھے۔ جن سے بہادر ترین آدمی کا جگر بھی پھٹ جاتا، مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ثابت قدم رہے، کہ آپؐ نے اپنے دل میں کسی آنے والے خطرہ کی پرواہ تک نہ کی۔ اس طرح ثابت قدم رہے جیسے یہ کوئی بہت معمولی سی بات ہے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی شجاعت نہ ہوتی جس کا ان حالات میں اظہار ہُوا تو مسلمان کبھی بھی غالب[1] نہ آسکتے تھے۔

---

[1] : میدانِ جنگ کے علاوہ آپؐ کی عجیب و غریب شجاعت سے متعلق وہ واقعہ بھی ایک مثال ہے۔ جب کہ مشرکین کے کچھ آدمی آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور ان کو (باقی اگلے صفحہ پر)

ج : عزمِ راسخ اور ارادۂ محکم :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تن تنہا مشرکین کے اُبلتے ہوئے سمندر کی ہولناک موجوں کے سامنے نزولِ وحی سے لے کر اپنے آخری دم تک ڈٹے رہنا آپؐ کے قوی اور مضبوط ارادے کی دلیل ہے۔ یہ ارادہ کبھی متزلزل نہ ہو سکا۔

آپؐ نے اعراض، تکذیب، مصیبتوں اور خطرات کو صبر سے برداشت کیا اور اپنے شہر سے دوسرے شہر میں ہجرت کر گئے اور ہمیشہ مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی قوت سہارا بننے کے قابل ہو گئی اور اسلام مضبوط ہو گیا۔

بقیہ حاشیہ، صفحہ ۵۴۳ :

دھمکیاں دینے لگے۔

تو آپؐ کے چچا نے آپؐ سے کہا :

" اے میرے بھتیجے ! تیری قوم میرے پاس آئی ہے اور اس اس طرح کہہ رہے ہیں۔ تُو اپنے آپ پر بھی اور مجھ پر بھی رحم کر، اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال جسے میں برداشت نہ کر سکوں "۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا :

" عمِ محترم ! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج لا کر رکھ دیں اور بائیں ہاتھ میں چاند اور کہیں کہ اس کام کو چھوڑ دو، پھر بھی میں اسے کبھی نہ چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ اسے دنیا پر غالب کر دے یا میں خود ہلاک ہو جاؤں "۔

یہ عجیب و غریب شجاعت کس قدر تعجب انگیز ہے جو بڑے بڑے دلیروں میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔

پھر آپؐ نے اس طاقت سے اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ مدینہ کے اندر یہودیوں اور منافقوں سے مقابلہ اور مدینہ سے باہر مشرکین سے مقابلہ خصوصاً بدترین دشمن قریش سے! جو ہمیشہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے تھے۔

آپؐ تمام نامساعد حالات میں ثابت قدم رہے۔ اپنے اردگرد کے تمام لوگوں سے برابر مقابلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کے دین کو غالب کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دشمنوں کی بے اندازہ فوجی طاقت کی ذرا پروا نہ کی، نہ اپنا ارادہ بدلا۔

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوُری زندگی قوی اور مضبوط ارادے کی بہترین مثال ہے۔

د : مسئولیّت کا تحمّل :

مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگی اور غیر جنگی اعمال میں عظیم ذمہ داری کو برداشت کر سکتا۔ اور پھر آں حضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احکام کتنے عظیم تھے کہ جنہوں نے تاریخ کا رُخ بدل کر رکھ دیا۔

اور اس ذمہ داری سے بڑھ کر اور کون سی عظیم اور نازک ذمہ داری ہے جسے آں حضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ابتدائے وحی سے لے کر رفیق اعلیٰ سے ملنے تک اٹھائے رکھا۔

یہ صحیح ہے :

آپؐ کے صحابہ آپؐ سے ہر معاملہ میں تعاون کرتے تھے، لیکن ہر چیز کی ذمہ داری صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر تھی۔

۵ : غیر متزلزل اور غیر تغیّر پذیر مزاج :

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں فتح اور شکست دونوں حالتوں میں کبھی تغیّر اور تبدل نہیں ہوا۔ آپؐ اپنے اعصاب پر اس طرح قابو رکھتے تھے۔ جو خیال سے زیادہ حقیقت پر مبنی ہوتا تھا۔ انتہائی خطرناک حالات ——— اور سنگین مقامات میں بھی !

جنگِ اُحد میں جب مشرکین نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کو گھیرے میں لے لیا۔ تو اس وقت اپنے حواس پر غالب آنا اور ان پر قابُو پانا آسان کام نہیں تھا۔ اس کے باوجود آپؐ نے اپنے حواس پر قابو رکھا، اور مسلمانوں کی کشتی کو سلامتی کے ساحل پر عافیت سے جا لگایا۔

جنگِ احزاب کے دن بھی اپنے حواس کو برقرار رکھنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ خصوصاً یہودیوں کی غدّاری کے بعد۔ اس کے باوجود آپؐ اپنے حواس پر غالب رہے۔ لشکروں کا مقابلہ کیا اور یہود کا خاتمہ کر دیا۔

پھر حنین کے روز اپنے حواس پر قابو رکھنا بھی کچھ آسان اور سہل کام نہ تھا جب آپؐ صرف دس صحابہ کے ساتھ مشرکین کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی ہولناک موجوں کے سامنے ڈٹ گئے۔ اس کے باوجود آپؐ نے اپنے حواس کو برقرار رکھا اور اپنے دشمن کو شکست دی، اور آپؐ کے بھاگے ہوئے ساتھی جب واپس آتے تو آکر مشرکین کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا۔ وہی مشرکین جن سے ہراساں ہو کر بھاگے تھے۔

یہ ایسی مثالیں ہیں :

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنے حواس کو شدت اور سختی کے وقت قابو میں رکھا۔ رہی کامیابی کے وقت کی حالت تو اس میں آپؐ کا حواس کو برقرار رکھنا،

شدت کے وقت سے حواس برقرار رکھنے کے مقابلے میں بہت زیادہ نادر تھا۔

اس کی سب سے بڑی مثال فتح مکہ کا واقعہ ہے!

مسلمانوں نے آپؐ کو اس دن اس حال میں دیکھا کہ آپؐ کا سر مبارک پالان پر جھکا ہوا تھا، آپؐ کے روئیں روئیں سے بے انتہا تواضع اور انکسار کا اظہار ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی ڈاڑھی مبارک سواری کے پالان کے وسط کو چھو رہی تھی اور جتنا جتنا آپؐ کو اپنی اس فتح کی اہمیت کا احساس ہوتا جاتا، اسی قدر اپنی سواری پر خدا کے حضور جھکتے جاتے سجدۂ شکر بجائے لاتے۔

ایسے مقام اور ایسے حالات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی طبیعت اور حواس پر قابو رکھنے کی قیمت اور بھی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ جب آپؐ کا مقابلہ دوسرے سپہ سالاروں سے کیا جائے کہ انہوں نے اپنی فتح اور غلبہ کے وقت کس طرح اپنی عظمت اور جبروت کا مظاہرہ کیا اور خشم وغضب انہیں ہلاکت اور تباہی کے راستوں پر کس طرح کھینچ لایا کہ جس سے کئی لوگ برباد ہو گئے اور کتنی دولت خاک سیاہ ہو گئی۔ حالانکہ مکہ مکرمہ کی فتح مسلمانوں کی سب سے بڑی اور عدیم المثال فتح ہے، جس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

جب آپؐ غلبہ اور حکومت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے۔ اس وقت بھی اپنے کھانے پینے اور لباس میں بالکل سادہ زندگی کا مظاہرہ کرتے رہے۔

آپؐ نے اپنی ساری زندگی اسی طرح گزار دی، جیسے ابتدا میں ایک یتیم اور مفلس کی حیثیت سے زندگی بسر کی تھی۔

آپؐ ہمیشہ ایک ہی سادہ سے کھانے پر اکتفا کرتے رہے، اور نہایت سادہ لباس میں گزارا کرتے رہے اور زندگی کے ہر معاملہ میں سادگی اختیار فرماتے رہے۔ جس کے آپؐ ابتدائی زندگی سے عادی تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ :

آپؐ ایک ایسی طبیعت کے مالک تھے، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ آپؐ کا مزاج یکسر غیر تغیّر پذیر رہا۔

و : دُور اندیشی :

وہ قوتِ متخیّلہ جو ہر چیز کا اندازہ لگاتی ہے۔ پس غور و فکر کے بعد یا اس سے قبل یعنی ہر مقام میں سپہ سالار کے لیے تمام احتمالاتِ قریبہ یا بعیدہ پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسے بدترین احتمالات کو بھی اپنے اندازے میں رکھنا چاہیئے، اور ہر حالت کے لیے جس کا احتمال پیدا ہو سکتا ہو کوئی پالیسی مرتب کرنا چاہیئے تاکہ ضرورت کے وقت اس مرتب شدہ پالیسی کو ان حالات کے مطابق عمل میں لا سکے اور ضرورت کے وقت اس پر بغیر تردّد اور تذبذب کے عمل کر سکے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں میں خواہ وہ جنگی ہوں یا غیر جنگی دُور اندیشی کی خوُبی سے آراستہ تھے، اور اس کی مثالیں تو اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیّہ کی صلح کے شرائط قبول کر لینے پر اصرار کیا۔ کیوں کہ آپؐ نے اس صلح کے شرائط کو بغور دیکھا اور اپنی روشن رائے سے معلوم کر لیا کہ ان شرائط کو قبول کر لینا مسلمانوں کی فتح ہے۔ یہ شرائط مسلمانوں کے لیے مفید رہیں گے۔

پھر ہم نے دیکھا کہ !

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اصرار کا کیا نتیجہ نکلا کہ فتح مکہ میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی، حالاں کہ اس سے صرف دو سال پہلے

صلح حدیبیّہ کے وقت ان کی تعداد صرف چودہ سو تھی ! اتنی مختصر سی مدت میں اتنا عظیم انقلاب !

فتح مکہ کے روز پورے دلائل بشارت دے رہے تھے کہ قریش ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن اس کے باوجود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تدابیر سوچ رکھی تھیں۔ آپؐ نے اپنی فوج کو چار حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا اور مکہ میں چاروں طرف سے داخل ہوتے تھے۔ جیسا کہ لڑائی کا معمول ہوتا ہے یہاں تک کہ آپؐ کی فوجیں ہر مقابلے کو آسانی سے ختم کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ بالفرض مسلمان اگر کسی ایک ہی طرف سے حملہ کرتے تو ان کا انجام بہت بُرا ہوتا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر چھوٹے بڑے معاملے پر غور و فکر کرتے اور ہر کام کے لیے اس کی پوری تیاری کرتے، اور احتیاط اور امکان کے تمام داعیات کو ملحوظ رکھتے۔

یہی وجہ ہے کہ !

آپؐ کے دشمن کسی موقع پر بھی غیر متوقع اور ناگہانی حملہ نہ کر سکے، اور آپؐ نے اکثر لڑائیوں میں دشمن پر غیر متوقع حملے کئے، اور ان اچانک حملوں کا نتیجہ بہت ہی عمدہ نکلا۔

۱۲ : نفسیات اور قابلیّت کی معرفت :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرامؓ کی نفسیات اور ان کی قابلیّت کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ کیوں کہ آپؐ ان میں انھی میں سے ایک فرد کی طرح زندگی گزارتے تھے، اور رنج و راحت میں ان کے ساتھ شریک رہتے، اور ہر معاملے میں مساوات کا سلوک کرتے۔

آپؐ سے تمام صحابہ کی خوبیاں اور کمالات الگ الگ پہچان لیتے تھے۔ آپؐ ہر آدمی کو اسی کام پر متعین فرماتے، جس کام کو اس کی جسمانی اور عقلی طاقت برداشت کر سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر صحابہ ان مہمات کو بآسانی سے انجام دے دیتے۔ جو ان کے سپرد کی جاتیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حنین کے بعد مؤلفۃ القلوب کے دلوں کو دولت دے کر مائل کر لیا۔ اس لیے کہ دشمنی کا مادہ ان کے دماغوں کو ماؤف کر چکا تھا ان لوگوں نے ابھی ایمان کی حلاوت نہیں چکھی تھی۔

صفوان بن امیّہ کا بیان ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو حنین کے مال میں سے دیتے گئے کیفیّت یہ تھی کہ آپؐ مجھ کو تمام مخلوق میں پہلے زیادہ بُرے معلوم ہوتے تھے اور اب یہ حالت ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی ہستی اللہ تعالیٰ نے میرے لیے محبوب نہیں رکھی تھی۔

اس موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو غنیمت کے مال سے محروم کر دیا، اس لیے کہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال تھے۔ یہ لوگ اتنا روئے تھے کہ انہوں نے اپنی داڑھیاں تر کر لی تھیں۔

جب آپؐ نے ان سے یہ فرمایا:

" اے انصار کی جماعت، کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ لوگ اپنے گھروں میں بکریاں اور اونٹ لے جائیں ——— اور تم اپنے گھروں میں اللہ کے رسولؐ کو لے جاؤ؟"

جواب میں انصار نے کہا:

"ہم اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اس تقسیم پر خوش ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے دن ایک تلوار ہاتھ میں پکڑی ، اور فرمایا :

" اس تلوار کا حق ادا کرنے کے لیے کون آدمی یہ تلوار مجھ سے لیتا ہے ؟"

کئی آدمی آپؐ کی طرف بڑھے ۔ آپؐ نے انہیں تلوار نہیں دی ۔ یہاں تک کہ ابو دجانہؓ اٹھے ۔

اور عرض کیا :

" اے اللہ کے رسول ! اس تلوار کا کیا حق ہے ؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" تُو دشمن پر اتنی ضربیں لگا کہ یہ تلوار ٹوٹ جائے ۔"

ابو دجانہؓ نے اس تلوار سے نہایت شدید لڑائی لڑی ۔ جب مسلمان محاصرے میں آ گئے تو ابو دجانہ نے اپنے جسم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنا دیا ۔ اپنی پیٹھ آپؐ پر جھکا دی اور تیر پیٹھ پر برستے رہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح جانتے تھے کہ صحابہ کی جماعت میں سے کچھ لوگ بڑے بہادر ہیں ۔ آپؐ ان کو وہی کام سپرد کرتے ، جس میں بہادری کی ضرورت ہوتی ، جیسے ابو دجانہؓ اور علیؓ — !

اور آپؐ یہ بھی جانتے تھے کہ بعض آدمیوں کے دل جنگ کے لیے طاقت ور نہیں ہیں ۔ جیسے حضرت حسّانؓ بن ثابت ——————— آپؐ نے ان کو اُحد اور خندق کے دن عورتوں کی حفاظت کے لیے مدینۂ منورہ میں چھوڑ دیا ، اور ان کے بلیغ اشعار سے جواب دینے کو کافی سمجھا ۔

آپؐ کو یہ بھی معلوم تھا کہ :

صحابہ میں سے کچھ آدمی صاحب رائے اور مشورہ بھی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں

جو دوسروں کی قیادت کر سکتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جن میں صرف ایک سپاہی بننے کی قابلیت ہے۔ آپؐ ان میں سے ہر آدمی کو وہی کام سُپرد کرتے، جسے وہ پُورا کرنے کی طاقت رکھتا۔

آپؐ نے کبھی کسی آدمی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے تمام صحابہ کی نفسیات اور استعداد اور قابلیتوں کو جانتے تھے۔

غالباً سب سے بڑا امتیاز جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سپہ سالاروں اور نبیوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، یہ ہے کہ آپؐ آدمیوں کو مناسب اعمال کے لیے منتخب فرمانے پر پوری قدرت رکھتے تھے۔

آپؐ انسانی طبیعت کا اندازہ کرتے، اس کو پہچانتے اور بہت اچھی طرح جانتے کہ اس سے کون سا کام لیا جا سکتا ہے، جسے موزوں اور مناسب طور پر یہ انجام دے سکے!

ح : دو طرفہ اعتماد :

صحابہ کرام کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر پورا بھروسہ تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے آپؐ کو اپنے صحابہ پر بھروسہ تھا۔

اس مقام پر اگر ہم صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کا مُوقف بیان کر دیں تو کافی ہوگا کہ اگر صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا اعتماد نہ ہوتا تو مسلمان اس صلح کو فوراً توڑ دیتے، اور کسی قیمت پر اسے قبول نہ کرتے۔

آپؐ کو کس درجہ اعتماد تھا، اس پر یہ چیز بہت واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ آپؐ نے اپنی فوج کو معرکۂ بدر میں مشرکوں کی تین گنا طاقت کے مقابلہ پر لا کر کھڑا

کر دیا۔ اسی طرح آپؐ نے جنگِ احد میں مشرکین کی پانچ گنا طاقت سے ان کو لڑا دیا۔
یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی سپہ سالار ایسے معرکہ میں الجھ جائے، جس کے انجام کا کوئی علم نہ ہو۔ خصوصاً جب کہ دشمن کی طاقت بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہو۔ مگر اس صورت میں کہ اس سپہ سالار کو اپنی فوجوں پر بے انتہا اعتماد ہو۔

ط : دو طرفہ محبّت :

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے محبّت اور صحابۂ کرامؓ کی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت ہر جنگ میں نمایاں نظر آتی ہے۔ بلکہ ہر مقام پر خواہ وہ صلح کی حالت ہو یا جنگ کی۔
اس موقع پر یہ کافی ہے کہ ہم صحابہ کی محبّت کے لیے احد کی جنگ کا ذکر کریں۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے ہر طرف سے گھیر کر میں لے لیا اور آپؐ پر تیر مینہ کی طرح برسنے لگے تو مسلمان وہ تیر اپنے جسموں کی آڑ بنا کر آپؐ سے دُور کرتے رہے اور اس پر صرف مردوں نے ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس معاملہ میں عورتیں بھی برابر کی شریک ہیں۔
نسیبہ (ام عمارہ) نے اپنے کندھے سے مشک اتار کر پھینک دی، اور تلوار کھینچ لی اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے لڑنے لگیں۔ یہاں تک کہ خود بھی زخمی ہو گئیں۔ اس دن انہیں تیرہ زخم پہنچے تھے۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئیں۔ جب افاقہ ہُوا تو نہ تو اپنے خاوند کے متعلق پوچھا، نہ اپنے بیٹے کے متعلق جو دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی کر رہے تھے جب ہوش آیا تو سب سے پہلا سوال یہ کیا :
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں ؟"

جب آپؐ اس بیماری میں مبتلا ہوئے، جس سے جانبر نہ ہو سکے، تو آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں قیام فرمایا۔

ایک روز، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر پڑے ہوئے پردے کو اُوپر اٹھایا اور دروازہ کھولا، اور اپنی جھلک دکھائی، مسلمان آپؐ کا نظارہ کر لینے کی خوشی میں نماز کے اندر ہی دلوانے ہوئے جارہے تھے۔ اس خوشی کا ان پر عجیب عالم طاری تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا انتقال ہوا، اور یہ المناک خبر لوگوں میں مشہور ہوئی، تو مسلمان یہ سمجھنے لگے کہ مدینہ کی فضا ان پر تاریک ہوگئی ہے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی مصیبت نے صحابہ کو ایسا پریشان کیا کہ حواس باختہ ہوگئے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔

صحابہ کرام کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی جان سے بڑھ کر محبّت تھی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبّت دین تھی، اور اگر بالفرض یہ دین نہ بھی ہوتی تو پھر بھی صحابۂ کرام آپؐ سے محبّت کرتے، اس لیے کہ آپؐ واقعی محبت کیے جانے کے قابل تھے بھی!

اب رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ سے محبّت تو اس کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ واقعہ بیان کر دیا جائے کہ کس طرح آپؐ نے شہداء غزوۂ مؤتہ کی شہادت کی خبر سنائی اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

اور دیکھو کہ کس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کی حمایت کی، حالاں کہ عمر بن خطاب قتل کرنے کے لیے تیار کھڑے تھے، تو انھوں نے حاطب بن ابی بلتعہ پر منافقت کا الزام لگایا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید فرمائی۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کی طرف ایک رقعہ بھیجا تھا، جس میں

مکہ کو فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کے کُوچ کی خبر دی گئی تھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ :

"مسلمان حاطب کا اچھے الفاظ میں تذکرہ کیا کریں۔"

آپ کو اپنے صحابہ سے اتنی محبّت تھی کہ اس سے زیادہ کا تصوّر بھی نہیں ہو سکتا۔ جب آپ ان سے ملتے تو مصافحہ سے آپ اپنا ہاتھ کبھی بھی پہلے نہ کھینچتے، اور آپ لوگوں سے ہنستے ہوئے روشن چہرہ سے ملتے۔ آپ غیبت کو ناپسند فرماتے تھے اور ہمیشہ اپنے صحابہ کو پہلے سلام کیا کرتے تھے۔

یہ دو طرفہ محبت کتنی دل کو لبھا لینے والی تھی، جو سپہ سالار اور اُس کے فوجیوں کے درمیان تھی۔

ی : شخصیّت :

قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے گفت گو کرنے کے لیے بھیجا۔

پھر جب وہ قریش کے پاس واپس آیا تو کہنے لگا :

"اے قریش کی جماعت! میں نے کسریٰ کو اس کے مُلک میں دیکھا ہے، اور قیصر سے بھی اس کے مُلک میں ملاقات کی ہے اور نجاشی کے پاس بھی اس کے مُلک میں گیا ہوں۔ خدا کی قسم، میں نے کبھی کوئی بادشاہ اپنی قوم میں ایسا نہیں دیکھا، جیسے محمد اپنی قوم میں ہیں۔ وہ وضو کرتے ہیں تو لوگ ان کے وضو کی طرف دوڑتے ہیں۔ آپ کا کوئی بال گرتا ہے، تو اسے اٹھا لیتے ہیں۔ وہ آپ کو کبھی بھی دشمنوں کے سپرد نہیں کریں گے۔"

اس عمدہ صفت کا ذکر ایک مشرک کر رہا ہے۔ یہ دشمنِ رسولؐ ہے جو رسولؐ کی شخصیّت

دکھا رہا ہے اور اس سے بے حد متاثر نظر آ رہا ہے۔

اس طاقت ور اور سریع النفوذ شخصیت کے اسباب کیا ہیں، جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آراستہ تھے؟

یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواضع، بردبار، شفیق اور مہربان تھے۔ اسکے باوجود کسی آدمی میں یہ جرأت نہ تھی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز بلند کر سکے۔ کسی آدمی کو یہ یارا نہ تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو نگاہ بھر کر دیکھ سکے۔ کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ آپؐ کے حکم کی تعمیل میں پس و پیش کر سکے یا انکار کر دے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصی قوت کے اسباب، آپؐ کا تمام لوگوں سے محبت کرنا تھا، اور ان کے متعلق آپؐ کی شدید رغبت کہ ان کا بھلا ہو، اور وہ ہدایت پا جائیں، نیز آپؐ کا خلقِ عظیم!

علم النفس کی کتابوں میں ایک بات بیان کی جاتی ہے کہ:

"جو لوگ انسانی جماعت کی اکثریت کے فائدہ کے لیے کام کرتے ہیں۔ یہ لوگ تمام انسانوں میں بلند ترین شخصیت شمار کئے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر درجۂ کمال سے قریب تر ہوتے ہیں۔

کسی شخصیت کے کمال کا درجہ تناسب اضافی کی حیثیت رکھتا ہے، باوجود اس دائرہ اجتماع کے وسیع ہونے کے جو کسی آدمی کو کامیابی کی طرف منسوب کرتا ہے تو سب سے کم کامل وہ آدمی ہے جو اپنی ذات کے فائدہ کے لیے کام کرے۔

کیونکہ ضروری ہے کہ:

اس کے ذاتی مفادات جماعتی مفادات سے ٹکرائیں گے۔

اس کے بعد اس سے بڑا وہ آدمی کامل ہے، جو اپنے خاندان اور اولاد

کے لیے کام کرے، پھر اس کے بعد وہ آدمی ہے جو اپنے قرابت داروں کے لیے کام کرے، پھر اس آدمی کا درجہ ہے جو ان کے علاوہ اپنے دوستوں کے لیے بھی کام کرے، اس کے بعد وہ آدمی ہے جو سارے شہر کے لیے کام کرے۔

اسی طرح آپ اس آدمی تک پہنچ جائیں گے، جس کا اوّل و آخر مقصود انسانی زندگی کی خدمت اپنے وسیع معانی کے لحاظ سے ہو، اس جگہ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جو بالکل یکتا اور مجرّد نظر آتا ہے۔

مثلاً :

حقیقت کی تلاش ،

انصاف کی مدد ، اور

جماعت کی خدمت ،

یہ خلاصہ ہے، علم نفس کی کتابوں کے اقوال کا۔ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا، کہ کس طرح ان کتابوں نے کسی ایسے انسان کی ہستی کے وجود کو مستبعد سمجھا ہے، جس کی ہمّت اوّل سے لے کر آخر تک انسانیّت کی خیر خواہی ہو؟

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی کچھ کیا ہے، بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ۔ ان علماء کا حق ہے کہ وہ کسی مثالی انسان کے وجُود کے امکان کو مستبعد سمجھیں، جس کی نیّت تمام لوگوں کی خیر خواہی ہو بلکہ تمام جہانوں کی خیر خواہی اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ناواقف ہیں۔

جس نے اعلان فرمایا :

"کوئی بھی تم میں سے اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

جس آدمی میں اتنا نور اور جلال ہو، اس کی شخصیّت اگر مثالی ہو تو کوئی تعجب

کی بات نہیں ہے۔

ک - جسمانی قابلیّت اور بدنی قوت :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی قابلیّت بھی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ صحابۂ کرام کس طرح آپؐ سے خندق کھودنے کے دوران مدد لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ جب کبھی کوئی پتھر کھودنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا تو اسے توڑنے کے لیے آپؐ کی طرف دوڑ پڑتے اور پھر آپؐ کے ہتھوڑے کی ضرب سے وہ ٹوٹ جاتا، کیونکہ اسے ایک طاقت ور بازو چلاتا تھا۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ چوکیداری کرنے میں۔ اطلاعات فراہم کرنے میں، اور سال کے تمام موسموں میں طویل اور پرُصعوبت سفر کے طے کرنے میں برابر کے شریک رہتے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں ایسی شجاعت، اور بہادری کا مظاہرہ کرتے کہ آپؐ کے طاقت ور صحابہ بھی اس سے عاجز نظر آنے لگتے، بلکہ بعض دفعہ ہار مان لیتے۔

ل - پاک صاف ماضی :

عرب لوگ حسب ونسب پر بڑا یقین رکھتے تھے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی خاندان سے تھے، جو عرب بھر میں سب سے شریف خاندان تھا، اور بنو ہاشم میں سے تھے۔ جو قریش میں سے افضل تھے۔ اس لیے آپؐ حسب کے لحاظ سے شریف ترین عرب تھے اور نسب کے لحاظ سے افضل تر تھے اپنی ماں کی طرف سے آمنہ بنت وہب بن عبد المناف بن زہرہ جیسی شخصیّت ــــ اور

باپ کی طرف سے عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف جلیسا مردِ شریف۔

آپؐ کی بعثت سے قبل شخصی سیرت کے متعلق سر ولیم میور کا بیان سُن لیجئے کہ وہ کیا بیان کرتا ہے۔ میں نے اس کے بیان کو عمداً بیان کیا ہے۔ صرف اس لیے کہ اس کا لکھنے والا ایک غیر مسلم آدمی ہے۔ اس لکھنے والے پر تعصب اور غلو کا الزام عائد نہیں ہو سکتا، نہ جانبداری کا۔

ولیم میور کہتا ہے :

"تمام مراجع اور تمام مآخذ ان بیانات کے بارے میں متفق ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد شباب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی تواضع، حشمت، اور طہارت اخلاق کے صفات تمام ملّی لوگوں کے مقابلے میں آپؐ کے اندر، نادر صورت میں جمع تھے۔"

پھر آگے چل کر لکھتا ہے :

"محمدؐ کو عقلِ راجح اور ذوقِ بلند اور مخلوق کی بھلائی کی حرص دقیق، اور گہری فکر کا جوہر عطا کیا گیا تھا۔ یہ نوجوان بڑی مدت تک اپنے نفس کو سنبھال کر زندگی گزارتا رہا۔ جس کو اس نے عقل و تفکّر کے زور سے اختیار کیا تھا۔ فرصت کے اوقات میں اسی طرح کی باتوں پر غور کرتا، اور یہی وقت دوسرے ملّی، دناءت نفس، کھیل کود اور فسق و فجور میں گزار دیتے۔ اس نوجوانی میں سیدھے راستے پر چلنے، اخلاق میں پرہیزگاری۔ عفت۔ پاکبازی اس حد تک تھی کہ تمام لوگ بطیبِ خاطر، دل کی گہرائی سے اس کی تعریف اور توصیف کرتے ـــــ چنانچہ قوم کی طرف سے اُسے صادق اور امین کا لقب عطا ہوا تھا۔"

پھر آگے چل کر لکھتا ہے :

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دولت کی حرص کبھی نہ پیدا ہوئی اور اُن کے دل

میں زندگی کے اوقات میں سے کسی وقت بھی دولت جمع کرنے کے لیے سفر اور تجارت کرنے کی فکر دامنگیر نہ ہوئی۔ سفر کے خیالات نے انہیں کبھی نہیں ستایا، اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اپنی ذاتی فکر نے کبھی بھی ایسے سفروں پر آمادہ نہ کیا۔ ہاں اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آیا تو وہ اپنے چچا (ابو طالب) کی فوری مالی ضروریات کی وجہ سے پیش آیا، تاکہ آپؐ ان کی امداد کر سکیں۔"

آپؐ کی زندگی خصوصاً آغازِ جوانی میں یتیموں۔ فقیروں۔ بیوہ عورتوں۔ بھوکوں۔ کمزوروں اور غلاموں پر شفقت اور مہربانی کرنے میں گزری۔ آپؐ نے کبھی شراب نہیں چکھی، کبھی جوا نہیں کھیلا۔

سر ولیم میور لکھتا ہے:

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی سچائی اور اخلاص کی سب سے معتبر دلیل یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہونے والے ذی استقامت افراد آپؐ کے رشتہ دار اور اہلِ بیت تھے۔ وہ لوگ ایسا کبھی نہ کرتے۔ کیوں کہ یہ لوگ ان کی زندگی کے خاص حالات و وقائق سے تفصیلی طور پر واقف تھے ——— ان سے کوئی حالت مخفی اور پوشیدہ نہیں تھی، برخلاف تہمت لگانے والے منافقوں کے ——— کہ وہ اپنے متناقض اعمال پر پردہ ڈالتے، اور حقیقت کو چھپائے رکھتے، اور ظاہر کچھ اور کرتے۔"

آپؐ کی بیوی خدیجہ کی آپؐ کے متعلق ذرا رائے ملاحظہ کرو۔ جب وحی آنی شروع ہوئی تو وہ آپؐ کی ہمت بڑھانے کے لیے کہتی ہیں:

"اے میرے ابن عم! خوش ہو جاؤ، اور ثابت قدم رہو۔ اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے ——— مجھے امید ہے کہ آپؐ اس امّت کے نبی ہوں گے۔ خدا کی قسم آپؐ کو اللہ کبھی ذلیل اور رسوا نہیں کرے گا۔

آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ——— سچی بات کہتے ہیں ——— تھکے ماندوں کو سواریاں دیتے ہیں ——— عاجز لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں ——— مہمان نوازی کرتے ہیں ——— اور حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔"

اور آپؐ کے متعلق اللہ تعالیٰ کیا کہتا ہے، یہ بھی سُن لیجئے :

وانک لعلی خلق عظیم۔	یعنی : آپ بہُت بڑے خلق کے مالک ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی باجماع صحابہ حد درجہ شرافت، اور بزرگی کی زندگی تھی۔ اس کا اقرار آپؐ کے دشمنوں کو بھی اسی طرح تھا۔ جیسے دوستوں کو۔

م - مبادیِ جنگ کی تطبیق اور معرفت[1] :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سلیم فطرت کی وجہ سے اسباب جنگ اور اس کے ابتدائی مراحل کو پوری طرح جانتے تھے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ فطری طور پر بہُت بڑے سپہ سالار تھے۔

---

[1] : جنگ کے ابتدائی مراحل

یہ وہ جوہر ہے، جو سپہ سالار میں ایک صحیح خصلت پیدا کرتا ہے۔ جس سے وہ جنگی امور میں تصرفات کرتا ہے اور یہ وہی عنصر ہے، جس سے سپہ سالار کے اندر اس کے اعمال میں مجوزہ مسلک طبعی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام جنگوں میں انہی ابتدائی مراحل کے مطابق عمل کیا۔ جن کے باعث آپؐ کی فتوحات پہ ایک خاص اثر پڑا۔

ھم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جنگی اعمال کی بحث کے وقت بہت سی مثالوں پہ غور کیا ہے۔ جن سے جنگ کے ابتدائی دس مراحل کے مطابق آپؐ کا ہر کام معلوم ہوتا ہے۔

وہ ابتدائی مراحل یہ ہیں :

۱ : مقصد کو متعین کرنا اور اسی کے مطابق عمل کرنا۔

۲ : دشمن پر حملہ کرنا۔

۳ : غیر متوقع حملہ کرنا۔

۴ : طاقت فراہم کرنا۔

۵ : سامانِ جنگ کی تکمیل۔

۶ : امن۔

۷ : لشکر کشی۔

۸ : تعاون۔

۹ : معنویات کا بندوبست،

۱۰ : جنگ کے دوران پیش آنے والے امور کا فیصلہ۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات سے اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ :

آپ ان ابتدائی مراحل کے مطابق کس طرح کام کیا کرتے تھے؟ اور بلاشبہ یہ چیز حد درجہ حیرت انگیز ہے۔

٭

اوّلاً : مقصد کو متعین کرنا اور اسکے مطابق عمل کرنا[1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے مقصد کو متعین اور منتخب فرماتے، اور اس مقصد تک پہنچنے کے لیے سیدھا راستہ اختیار فرماتے اور پھر اس کو حاصل کرنے کے لیے مناسب پالیسی اختیار فرماتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جو سب سے پہلا معاہدہ مسلمانوں اور مشرکین و یہود مدینہ کے درمیان طے کیا۔ اس میں مقصد کی تعیین کھل کر سامنے آتی ہے اس معاہدہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا تھا کہ کوئی مشرک قریش کے مال اور ان کی جان کو پناہ نہیں دے گا، اور اسے بچانے کے لیے کسی مسلمان کے راستے میں حائل نہیں ہوگا۔

قریش نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مکہ مکرمہ سے ظلم اور زیادتی کر کے نکال دیا تھا۔ آپ کا حق تھا کہ قریش کا معاملہ آپ کی زندگی کی بقا کے لیے ایک مقصد قرار پاتا، جسے آپ نے انتخاب کر لیا۔

---

[1] : مقصد کو متعین کرنا اور اسکے مطابق عمل کرنا

ہر جنگی حرکت میں ضروری ہے کہ مقصد کو اختیار کیا جائے، اور اس کی تعریف واضح طور پر ذہن میں موجود ہو، انتہائی مقصد یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے جنگی ارادے کو توڑ دیا جائے۔ ضروری ہے کہ جنگ کے ہر حصّے کو ملاحظہ کیا جائے، اور ہر حصہ علیحدہ طور پر اس اعلےٰ مقصد کی طرف متوجہ ہو، اور اس میں سے ہر ایک حصے کا ایک محدود مقصد ہوتا ہے، ضروری ہے کہ اسی کو واضح طور پر معلوم کیا جائے۔

مقصد متعین کرنے کی واضح ترین مثال شاید وہ معاملہ ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حدیبیہ میں سرانجام دیا۔ اس غزوہ کا مقصد قریش کی معنویات کو بغیر کسی جنگ کے متاثر کرنا تھا۔

آپؐ احرام کی حالت میں نکلے اور اپنے ساتھ صرف سوار کا اسلحہ (تلوار) لیا۔ جب آپؐ کو قریش کی فوجوں کے قریب آنے کا علم ہُوا تو آپؐ نے عام راستہ چھوڑ کر ایک غیر معروف راستہ اختیار کر لیا۔ جو نہایت مشکل تھا تاکہ آپؐ جنگ سے بچ سکیں۔ یہاں تک کہ آپؐ اپنا لشکر حدیبیہ میں لے آئے، اور پھر اس جگہ بھی آپؐ اپنے مقصد پر مصّر رہے۔ آپؐ نے گفتگو کے لیے میدان بڑا فراخ کر دیا، اور جب مشرکین کے کچھ آدمیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور مسلمانوں نے ان حملہ آوروں کو گرفتار کر لیا تو پھر بھی انہیں بغیر کسی قسم کی تکلیف دیئے چھوڑ دیا۔

آپؐ قریش سے جنگ نہ کرنے کے مقصد پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے صلح حدیبیہ کا معاملہ پُورا کر لیا۔ حالانکہ آپؐ کے بعض صحابہ اس صلح کی بعض شرائط کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اپنا ایک مقصد متعین کرتے تھے اور اپنے تمام جنگی اور غیر جنگی اعمال میں اس کو ملحوظ رکھتے تھے۔

ثانیاً : دشمن پر حملہ[1]

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ

---

[1] : دشمن پر حملہ کرنا

یہاں عربی لفظ "تعرض" ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

سوا احد اور خندق کی جنگ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پیش بندی کے طور پر دشمن پر حملہ کیا۔

ان دو جنگوں میں مشرکین نے مدینہ منورہ پر فوج کشی کی تھی، اور مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مختلف اسباب کی بنا پر دشمن کے ارادوں کو مناسب وقت سے پہلے پہلے معلوم کرنے میں ہمیشہ کامیاب رہے۔

یہی وجہ تھی کہ :

آپ دشمن پر حملہ کرنے، اور اس کی ظالمانہ کارروائیوں کو ختم کرنے میں ہمیشہ کامیاب ہوتے رہے۔

دشمن پر حملہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ :

خود شرارت کرکے دشمن کو چھیڑا جائے ——— بلکہ اس کا مطلب حملہ آوری کی وہ روح ہے۔ جس سے سپہ سالار آراستہ ہوتا ہے۔

اس لیے کہ :

صرف دفاع سے فتح اور حقیقی غلبہ نصیب نہیں ہوتا، بلکہ دفاع سے صرف وقتی اور مقامی غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ جس کے باعث صرف دشمن سے نجات ملتی ہے۔

اور تعرّض کے سبب انسان وہ کامیابی حاصل کرتا ہے، جو اس کو باب فتح تک پہنچا دیتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۵٦۴

جس کا مطلب ہے :

دشمن کو ختم کرنے کے لیے اس پر حملہ کرنا اور یہ تو ظاہر ہے کہ کامیابی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک دشمن پہ خود پہلے حملہ نہ کر دیا جائے۔

ثالثاً : غیر متوقع اور ناگہانی حملہ[1]

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسا مؤقف اختیار کر لیا جائے جس کی دشمن کو کوئی توقع نہ ہو اور نہ وہ اُس کے لیے تیار ہو۔ اس سلسلے میں اخفاء سب سے بڑا ذریعہ ہے جو ناگہانی اور غیر متوقع حملہ تک پہنچا سکے۔

یہ اخفاء یا تو اپنی طاقت اور اپنے ارادوں کو محفوظ رکھنے سے پورا ہو سکتا ہے، یا کوئی نیا ہتھیار استعمال کرنے سے، یا پھر موجُودہ اسلحہ کو کسی نئے طریقہ سے استعمال کرنے سے۔

اور ناگہانی حملہ :

یا تو جگہ کے لحاظ سے ہوتا ہے،

یا وقت کے لحاظ سے،

یا اسلوب کے لحاظ سے،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر اعتبار سے ناگہانی حملہ کیا ہے، یہاں تک کہ آپؐ کے تمام غزوات کو ناگہانی حملوں کے اسلوب کا ایک

---

[1] : ناگہانی اور غیر متوقع حملہ

غیر متوقع حملہ کرنا — جنگ میں سب سے طاقت ور اور دیرپا اثر کرنے والا عامل ہے، اور اُس کی معنوی تاثیر بہت بڑی ہے اور نفسی لحاظ سے اس کی تاثیر کو ان الفاظ سے بیان کیا جا سکتا ہے کہ دشمن سپہ سالار کی قوتِ فکریہ کو مفلوج کر کے رکھ دیا جائے۔

مندرجہ ذیل وسائل وہ ہیں، جن سے غیر متوقع (باقی اگلے صفحہ پر)

بہترین نمونہ سمجھا گیا ہے۔

مدینہ منورہ مسلمانوں کا مرکزی مقام تھا۔ لیکن یہ پانچویں کالم[1] سے بھرا پڑا تھا۔ یہ لوگ کسی طرح بھی مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں چاہتے تھے، اور مسلمانوں کے مقاصد کو ہر لحاظ اور ہر طرح سے ناکام بنانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔

اسی پانچویں کالم سے تعلق تھا:

یہودیوں کا،

منافقین کا،

قریش کے بدو جاسوسوں کا، اور

روم کے جاسوس نبطی لوگوں کا۔

بقیہ حاشیہ: صفحہ نمبر ۵۶۷

حملہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

۱: جنگی ضروریات کے لیے اپنی طاقت کو مخفی رکھنا اور اسی طرح احتیاطی طاقت کی حقیقت کو بھی مستور رکھنا۔

۲: ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف نہایت تیزی سے رُخ بدل لینا۔ تاکہ ایسے مقام پر ضرب لگائی جائے جس کی دشمن کو توقع نہ ہو۔

۳: دشوار گزار راستوں پر چلنا یا ایسی رکاوٹوں کو عبور کر جانا جس کی دشمن کوئی امید نہ رکھتا ہو۔

۴: نئے ہتھیار استعمال کرنا۔ جن کی جنگ میں امید نہ ہو یا کوئی ایسا نیا طریقہ ایجاد کر لینا جو پہلے رائج نہ ہو۔

[1]: پانچواں کالم (الرتل الخامس) اس سے جاسوس۔ وکلاء۔ گھات میں رہنے والے اور نگرانی کرنے والے لوگ مراد ہوتے ہیں۔

یہ لوگ ہر وقت مسلمانوں کی خبریں، جب بھی موقع ملتا، ان کے دشمنوں تک پہنچاتے رہتے تھے۔

لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ارادوں کو مخفی رکھنے کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ جب آپؐ کسی غزوہ کا ارادہ کرتے تو اس میں توریہ کر لیتے۔ ——— توریہ کا مطلب ہے کوئی ایسی بات یا ایسا کام جس کا — ظاہری مفہوم کچھ ہو اور اصل مقصد کچھ اور ——— اس طرح پانچواں کالم یہ غلط معلومات دشمن تک پہنچا دیتا، جس کی وجہ سے دشمنوں کے افکار اور بھی پریشان ہو جاتے۔

سختی سے اپنے راز کو مخفی رکھنے کے متعلق بہترین مثال وہ مخفی مکتوب ہے۔ جو آپؐ نے عبداللہ بن جحش کو دے کر روانہ کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کو حکم دیا تھا :

" اس خط کو دو دن کا سفر طے کر کے پھر کھولا جائے۔ جب اسے کھولو اور اس کے مضمون کو سمجھ لو پھر اس کے مطابق عمل کرو۔"

اس طریقہ سے مدینہ منورہ کے رہنے والوں میں سے کوئی آدمی بھی اس خط کے مضمون سے واقف نہ ہو سکا۔ باوجودیکہ لوگوں کے میلانات اور خواہشات مختلف تھے، لیکن کوئی آدمی بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارادے، اور عبداللہ کے سریہ کے فرائض اور مقاصد کو نہ جان سکا۔

آپؐ نے غزوۂ فتح مکہ میں بھی اپنے ارادے کو مخفی رکھا۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی حضرت عائشہؓ اور اپنے دوست ابوبکرؓ سے بھی۔

حضرت ابوبکرؓ اپنی بیٹی عائشہؓ کے پاس گئے۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سفر کا سامان تیار کر رہی تھیں۔

ابو بکرؓ نے اُن سے پُوچھا :

"بیٹی ! کیا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تم کو سامانِ سفر تیار کرنے کا حکم دیا ہے ؟"

انہوں نے کہا :

"ہاں۔"

پھر سامان تیار کر دیا گیا —

پھر ابو بکرؓ نے پوچھا :

"تمہارا کیا خیال ہے کہ آپؐ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

انہوں نے جواب دیا :

"خدا کی قسم ! مجھے معلوم نہیں۔"

اسی راز داری کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دس ہزار آدمی کے لشکرِ جرار کو مکّہ فتح کرنے کے لیے لے آئے ، اور قریش کو آپؐ کی نقل و حرکت اور آپؐ کے عزائم کا کچھ علم نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ لشکر مکہ کے قریب پہنچ گیا ، اور قریش ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

اور مقام کے لحاظ سے غیر متوقع حملہ کی مثال غزوۂ بنو لحیان ہے !

پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوجوں کا رُخ شمال کی طرف کیا۔ شام کے مقابل تاکہ قریش اور بنو لحیان آپؐ کی اصلی نقل و حرکت کو معلوم نہ کر سکیں۔ جب مسلمانوں کے شمال کی طرف کوچ کرنے کی خبریں مشہور ہو گئیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ناگہانی طور پر پلٹ کر بنو لحیان پر حملہ کر دیا ، اور اس طرح ان کو مقام کے لحاظ سے مغالطہ دیا۔

اور جنگِ خیبر میں رسول اللہ علیہ وسلم نے مقام رجیع کی طرف حرکت کی — جو

دیار غطفان کے قریب علاقہ ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی فوج میں سے تھوڑی سی جماعت تو غطفان کی طرف بھیج دی اور فوج کا بہت بڑا حصہ لے کر خیبر کی طرف پلٹ آئے۔ آپؐ نے اس طرح کی نقل و حرکت سے پہلے تو غطفان کو اس شبہ میں ڈالا کہ آپؐ کا رخ ان کی طرف ہے اور دوسری طرف یہود خیبر اس وہم میں مبتلا اور مطمئن رہے کہ آپؐ کا رخ یہود کی طرف نہیں ہے۔

آپؐ نے ایک ہی کام سے دونوں کو مغالطہ دیا اور ان دونوں کو مسلمانوں کیخلاف ایک دوسرے کی مدد کرنے سے روک دیا۔

وقت کے لحاظ سے غیر متوقع حملہ کی مثال غزوۂ بنو قریظہ ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف ایسے وقت میں کوچ کیا کہ انہیں اس وقت آپؐ کے حملے کی کوئی توقع نہ تھی۔ چنانچہ آپؐ نے ان کے معنویات ——— مورال ——— کو مفلوج کر دیا اور جارحانہ پوزیشن کو آپؐ نے معرکہ کے آخر تک اپنے ہاتھ میں محفوظ رکھا۔

اسی طرح "مسیر الاقتراب" جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں سکون اور وقار کے ساتھ چلایا۔ یہاں تک کہ آپؐ خیبر رات کے وقت پہنچے اور رات ہی میں خیبر کا محاصرہ پوری طرح مکمل کر لیا اور یہود کو آپؐ کے پہنچنے کے وقت، اور ان کے شہر کو گھیرے میں لینے کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ اس طرح کا سفر کرنا وقت کے لحاظ سے غیر متوقع حملہ سمجھا جاتا ہے۔

اسلوبِ جنگ میں غیر متوقع حملہ کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں صفیں بنا کر لڑائی لڑی اور اس سے پہلے قریش جنگی لحاظ سے صرف جنگِ مغلوبہ ہی کو جانتے تھے۔

اسی طرح جنگِ احزاب میں خندق کا کھودنا، یہ بھی اسلوبِ جنگ کے لحاظ سے

غیر متوقع چیز تھی۔ اس لیے کہ عرب لوگ اس سے قبل محاصرہ میں اپنی حفاظت کے لیے خندق کھودنے کے طریقے سے یکسر ناواقف تھے۔

آپؐ نے طائف کے محاصرہ میں دو نئے ہتھیاروں منجنیق اور دبّابہ سے کام لے کر اسلوبِ جنگ کے لحاظ سے ایک غیر متوقع حملہ کیا۔ بہترین اور ماہر ترین سپہ سالار وہ ہے جو اپنی تمام جنگوں میں کوئی نہ کوئی غیر متوقع چیز پیش کرے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام جنگوں میں ایسا ہی کیا ہے، اور اس چیز کا فیصلہ کن نتیجہ پر بڑا اثر ہوا۔

رابعاً : طاقت کا اجتماع [1]

اور سروسامانِ جنگ کی فراہمی

جس دن سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ اسی دن سے آپؐ نے دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں سرگرمی کے ساتھ کام کرنا شروع کیا، حکمت اور موعظۂ حسنہ کے انداز میں یہ کوشش شروع ہوئی۔ اس دعوت کے پھیلنے کا دوسرا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کی قوت بڑھے، اور ان کی طاقت پوری طرح مجتمع ہو جائے۔

مدینۂ منورہ کی طرف آپؐ کی ہجرت، جنگی لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے، کہ

---

[1] : طاقت کا اکٹھا کرنا

اس کا مطلب یہ ہے کہ :

اپنی سب سے بڑی طاقت یعنی جسمانی اور مادی کو اکٹھا کیا جائے اور ان سے ہر وقت اور ہر جگہ ہیں کام لیا جائے۔

تمام مسلمان ایک علاقے میں اکٹھے ہو جائیں تا کہ وہ ایک ہی قیادت کے ماتحت رہیں۔

اس وقت تک اسلام میں جہاد کی اجازت نہ مل سکی، جب تک کہ پوری طرح سامان اکٹھا نہ ہو گیا۔ جب مسلمان اس درجہ کی طاقت حاصل کر چکے، کہ اس کے ذریعہ اسلام کی مدافعت کر سکیں تب اجازت ملی، اور انہوں نے دفاعِ اسلام و مسلمین کا حق ادا کر کے لازوال مثال قائم کر دی۔

ہم بیعت عقبہ ثانیہ کو دیکھتے ہیں کہ کس طرح مشرکین کو اس بیعت کا حال معلوم ہو گیا، اور انصار اس وقت اس بیعت کے راز کے کھل جانے ــــ سے کیسے بے پروا رہے۔

عباس بن عبادہ نے کہا تھا :

" اے اللہ کے رسول! اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپؐ چاہیں تو ہم کل ہی اہلِ منیٰ پر اپنی تلواریں اٹھا لیں گے، اور شمشیر بکف ان پر ٹوٹ پڑیں گے اور بتا دیں گے جنگ کیا ہوتی ہے؟"

لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ بڑی دور رس تھی اور اس سے بہت ارفع بھی کہ اس پر جذبات غالب ہو جاتے۔

آپؐ نے فرمایا :

" ہمیں اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے، ابھی تم اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔"

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ منورہ میں اپنے انتظامات مکمل کر لیے اور وہاں کے رہنے والے یہودیوں اور مشرکوں سے معاہدہ کر لیا تو پھر آپؐ نے عملی طور پر لڑائی شروع کی۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی طاقت دونوں ــــــ مادی اور معنوی ــــــ لحاظ سے اتنی قوت پکڑ چکی تھی کہ وہ دعوت

کی حمایت کر سکیں اور آزادی رائے کو محفوظ رکھ سکیں اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے سرگرم کار ہو سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جنگ میں پہلے پوری طرح سامان مکمل کر لیا۔ اپنی مادی و معنوی انتہائی طاقت اکٹھی کرنے میں کبھی تردّد سے کام نہ لیا۔ پھر اس کے بعد جنگ شروع کی، اور دنیا نے اس دور اندیشی کے نتائج دیکھ لیے۔

خامساً : الاقتصاد بالمجہود [1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام غزوات میں اقتصاد بالمجہود کو ملحوظ خاطر رکھا، اور قوت کو اسی وقت استعمال کیا، جب اسے ہر اعتبار سے ضرورت کے مطابق پایا۔

ایک نگاہ پچھلے مضمون اور نقشوں پر پھر ڈالیے اور مسلمان فوجوں کا تقابل، دشمن کی فوج اور قوت کے ساتھ کیجئے۔

یہ چیز واضح طور پر ثابت ہو جائے گی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طاقت

---

[1] : اقتصاد بالمجہود

اقتصاد بالمجہود یہ ہے :

بحالی امن کے لیے کم از کم طاقت استعمال کی جائے، یا دشمن کے انتباہ کو کسی دوسری طرف پھیرنے کے لیے یا اپنے سے بڑی دشمن طاقت کو روکنے کے لیے کم قوت سے کام لیا جائے اور اپنے مقصود کو حاصل کر لیا جائے۔

اقتصاد بالمجہود اس بات پر دال ہے :

قوت و طاقت سے متوازن طور پر کام لیا جائے (باقی اگلے صفحہ پر)

استعمال کرنے میں احتیاط و اقتصاد کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔

سادساً : الامن [1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوجوں کی حفاظت کے لیے تمام غزوات میں انتظام کیے اور اپنی کوشش پوری طرح صرف کردی کہ دشمن کو معلومات حاصل نہ ہو سکیں اور اس طرح وہ امن میں رہ سکیں۔

طلایہ گرد دستے اور معلومات فراہم کرنے والے اور لشکر کا ساقہ (پچھلا حصہ) جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسیر الاقتراب میں اور غزوات سے واپسی کے وقت مقرر فرماتے تھے۔ اس کی غرض محض یہ ہوتی تھی کہ فوج کو دشمن کے ناگہانی حملہ سے محفوظ رکھا جائے۔

اسی طرح پہریداروں اور چوکیداروں کو بھی اپنی فوج کی حفاظت کے لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ دشمن ان پر ناگہانی حملہ نہ کردے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم دشمن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی بہت زیادہ

بقیہ حاشیہ : صفحہ نمبر ۵۷۳

اور نہایت حکمت کے ساتھ اپنے سروسامان کو استعمال میں لایا جائے تاکہ ایسے اسباب مہیا ہو جائیں جو زمان اور مکان دونوں پر مؤثر ہوں۔

[1] : الامن

یعنی دشمن سے مامون رہنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی قوت اور مواصلات کی نگہبانی کی جائے، تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے، نیز یہ کہ دشمن کو معلومات حاصل کرنے سے روکا جائے۔

کوشش فرماتے تھے۔ اور مختلف وسائل سے انہیں مہیا فرماتے تھے۔ جیساکہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، بالکل اسی طرح ——— آپؐ یہ بھی چاہتے تھے کہ دشمن کو کسی طرح بھی مسلمانوں کے متعلق معلومات حاصل نہ ہوں۔

آپؐ نے اپنے تمام اعمال میں رازداری سے کام لیا اور مسلمانوں کو اپنے راز محفوظ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

آپؐ نے یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ اگر کوئی اہم واقعہ رونما ہو تو سب سے پہلے اسکی خبر خود آپؐ کو دی جائے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سراغ لگانے والا انتہائی تعجب کرے گا کہ آپؐ کس طرح ان اہم معلومات کو حاصل کر لیتے تھے، جو عام مسلمانوں کی مصلحت پر اثر انداز ہو سکتی تھیں۔

آپؐ نے حاطب بن ابی بلتعہ کے رقعہ کو کس طرح پہچان لیا جس میں اس نے قریش کو مسلمانوں کے مکّہ فتح کرنے کے لیے نقل وحرکت کی اطلاع دی تھی؟

اور آپؐ کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ عنقریب ابوسفیان صلح کی مدّت بڑھانے کے لیے مدینۂ منورہ آرہا ہے؟

آپؐ منافقین کی تمام حرکات کو کیسے معلوم کر لیا کرتے تھے، اور کس طرح یہود کی تدابیر کو ناکام بنا دیا کرتے تھے؟

آپؐ نے ان تمام تدابیر کو کس طرح برباد کیا اور مسلمانوں کے ارادوں کو ناکام ہونے سے بچالیا؟

یہ تمام باتیں معلوم کراتی ہیں کہ آپؐ مسلمانوں کے ارادوں کو پوشیدہ رکھنے کے بڑے خواہشمند تھے اور اسی طرح اس چیز کے خواہشمند بھی تھے کہ دشمن مسلمانوں کے معلومات حاصل کرنے سے محروم رہے، اور مسلمانوں کی حرکات وسکنات اور ——

اغراض و مقاصد سے بے خبر رہے۔

سابعاً : المرونۃ[1]

مسلمانوں کی فوجیں اپنے مقصد کے مطابق پوری طرح اور تیزی سے حرکت کرتی تھیں۔

مسلمانوں کی فوجیں اپنی منزلِ مقصود پر مناسب وقت میں پہنچنے میں ہمیشہ کامیاب رہی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سرکش دشمن کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس سے پہلے پہلے کہ اس کی تیاریاں مکمل ہوں، اور وہ اپنے ارادوں کو کامیاب بنانے کے لیے سازگار فضا پیدا کرے۔

مسلمانوں کی فوجیں دومۃ الجندل، تبوک، فلسطین کے علاقوں اور طائف تک پہنچ گئیں اور یہ تمام مقامات مسلمانوں کے دارالخلافہ مدینہ سے بہت دُور تھے۔ اکثر سفر رات کو طے کیے گئے اور دور دراز کے سفر میں نقل و حرکت کی مشکلات، اور سردی، گرمی کے مصائب سبھی کچھ ہوتے ہیں جیسا کہ مسلمانوں نے غزوۂ بنی مصطلق کی واپسی کے وقت پُورے تیس گھنٹے تک مسلسل اپنا سفر جاری رکھا۔

---

[1] : **المرونۃ**

وہ طاقت جو دوسری عالمگیر جنگ سے پہلے "نقل و حرکت کی قابلیّت" کے نام سے مشہور تھی۔ آج اسی طاقت کو مرونۃ کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ حرکت کی قابلیّت صرف مادی حرکت پر دلالت کرتی ہے اور یہ ایک اضافی نسبت ہے۔ اس کی صحیح تعبیر اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک یہ دشمن کی استعداد حرکت کے برابر نہ ہو۔

مرونۃ اس سے زیادہ معانی پر مشتمل ہے اس لیے کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

آپؐ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ :

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنا نقشۂ جنگ تیار کرنے میں کتنے ماہر تھے ؟

اور پھر اس پر عمل کرنے میں بھی کتنے مشّاق تھے ؟

آپؐ مشکل اوقات میں ضرورت کے وقت کس طرح عمل کراتے تھے ؟

یہ تمام باتیں دلالت کرتی ہیں کہ :

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت مرونت اور آپؐ کی فوجوں کی حرکت سرعت سے ہوتی تھی ، ایسی تیزی ، جو اِس نئے زمانے کے نہایت طاقت ور لشکر کی تیز رفتاری سے کم نہیں ہے ۔

اس لیے کہ !

رات کے سفر اور طویل مسافتوں کو قطع کرنا اور مسلسل تیس گھنٹے تک بغیر آرام کے برابر سفر کرتے جانا ، یہ چیزیں دلالت کرتی ہیں کہ آپؐ کو مشکلات پر قابُو پانے کا بڑا ملکہ تھا ، اور اس اعتبار سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دوسرے اعتبارات کی مانند انتہائی ممتاز اور ارفع مقام پر فائز تھے ۔

بقیۂ حاشیہ : صفحہ نمبر ۵۷۶

یہ صرف قوت حرکت ہی کو متضمن نہیں ہے بلکہ یہ لفظ قوت عمل سریع کو بھی شامل ہے ، سپہ سالار کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ عقل کو دوڑائے اور اس کے ذمے یہ بھی ہے کہ اپنے حملہ کے نقشے وضع کرتے وقت اس مرونۃ کو ملحوظ رکھے اور یہ کہ وہ نقشے اس شکل کے ہوں کہ ان پر تیزی سے فوجیں حرکت کرسکیں یعنی جب حالات ناموافق ہو جائیں تو اس وقت فوجیں ان نقشوں پر بغیر کسی دشواری کے حرکت کرسکیں اور اپنے فرائض انجام دے سکیں ۔

ثامناً : التعاون[۱]

ہم دیکھتے ہیں کہ تیر اندازوں کی جماعت نے جنگِ بدر میں تلوار چلانے والوں سے کس طرح تعاون کیا۔ تیر اندازوں نے مشرکین کو اپنے تیروں سے چھید ڈالا تھا اور انہیں کتنے زبردست نقصان پہنچائے تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ تلوار چلانے والوں کی مہم بڑی آسان ہوگئی اور قریش کی قوتِ مقابلہ بری طرح ختم کر دی گئی۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری جنگوں میں سواروں نے پیادوں کے ساتھ تعاون کیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تعاون کی قوت کو اپنی تمام جنگوں میں برابر جاری رکھا، اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہر آدمی کو وہی خدمت سپرد کی جائے جو اسکے لائق ہو، جیسا کہ صفوں کا تعاون بھی وقت اور مکان کے لحاظ سے ہو نا رہا ہے۔ اس طرح سے تمام لوگوں کی متفقہ مہم سے مطلوبہ کامیابی کی طرف پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

تاسعاً : ادامة المعنویات (عزم مستقل)

معنویات کی تعریف ان الفاظ سے بیان کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک تجربہ کار اور مشّاق لشکر کو دوسری جماعتوں سے الگ کرتی ہے۔ اس کے ساتھ محبّت کی بناء پر

---

۱ : تعاون

تعاون تمام فوجوں اور ہر قسم کے کارکنوں کا ایک ہی مقصد کی طرف رُخ کرنا ہے تاکہ اپنے مقصد پر پہنچا جاسکے۔

اطاعت قائم رہتی ہے، اور جنگ کے وقت شجاعت ظاہر ہوتی ہے، اور مشکلات برداشت کرتے وقت صبر کا مظاہرہ ہوتا ہے اور تمام وہ خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں، جو ایک فوجی کو فرمانبردار، بہادر اور صابر بنا دیتی ہے۔ عزم و استقلال، اور مورال حد درجہ بلند ہوتا ہے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فوج کس درجہ مطیع تھی اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور یہ اطاعت طرفین کی باہمی محبت اور طرفین کے باہمی اعتماد پر مبنی تھی۔ نہ جنگ کے وقت اس فوج کی بہادری اور دلیری کی داستانیں سنانے کی ضرورت ہے اور نہ مشکلات برداشت کرتے وقت صبر بیان کرنا ضروری ہے۔ اس میں ایسا ارادہ تھا جو شکست اور رسوائی کو نہیں جانتا تھا، جو ہر تکلیف اور مصیبت کو خندہ جبینی کے ساتھ برداشت کر لے جانے کا خوگر تھا۔

میرے لیے یہی کافی ہے کہ میں ان دو چھوٹے بچوں کا واقعہ بیان کر دوں، جنہوں نے ابو جہل کو معرکۂ بدر کبریٰ میں قتل کیا تھا۔ یعنی وہ واقعہ جسے عبدالرحمان بن عوف نے بیان کیا ہے۔

اور پھر یہ بھی کافی ہے کہ میں نسیبہ مازنیہ (ام عمارہ) کا واقعہ بیان کر دوں۔ جو جنگِ اُحد میں پیش آیا۔ یہ دونوں قصے مشہور و معروف ہیں، ان کا ذکر اس کتاب میں اپنے مقام پر کیا جا چکا ہے۔

جب نوجوان بچوں اور مسلمان عورتوں کے معنویات اتنی بلند ہوں، تو مردوں کے معنویات کا کیا حال ہوگا؟

یہی وجہ ہے کہ!

قرآن مجید کے تمام معتبر مفسرین کہتے ہیں:

"فرشتوں کی امداد حسّی امداد نہیں تھی بلکہ معنوی امداد تھی۔"

وہ چیز جو معنویات کو زندہ اور دائم رکھتی ہے، وہ کسی مقصد کا وجود ہے، جس پر لشکری بہ طور خاص ایمان رکھتے ہوں اور عوام بصورۃ عام اور اس وقت تمام مسلمانوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنا اور دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کے لیے آزادی اور عمل کا حاصل کرنا تھا۔ اس طرح کہ کوئی اس میں مداخلت نہ کر سکے، اور اسلام کی سرزمین کو تمام لوگوں میں پھیلانا۔

یہ وہ مقاصد تھے۔ جس پر تمام مسلمان پختہ ایمان رکھتے تھے۔ اور اس کے لیے ہر چیز کو قربان کر دیتے تھے، خواہ وہ سستی ہو یا مہنگی۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

"باہر نکلو خواہ تم ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مال اور جان کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد کرو۔"

اس طرح ایک سچی رہنمائی معنویات کو پیدا کرتی اور اسے زندہ و قائم رکھتی ہے اور پھر جب امّت کو ایسا زعیم مل جائے جو عظیم، حکیم اور شجاع ہو تو وہ اپنی امّت میں حقیقی اعتماد، اور نہ ٹوٹنے والا استقلال پیدا کر دیتا ہے۔

کسی قوم کا مجھے کوئی ایسا زعیم نیا یا پرانا ایسا معلوم نہیں ہے جو سچّی زعامت کے صفات کا مالک ہو، جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان صفات کے مالک تھے، جبکہ ان کی امّت میں ایسے آدمی موجود تھے جو ان صفات اور خوبیوں کے لحاظ سے ایک امّت کے برابر تھے یا کسی نبی کی ایسی امّت ہو جو اس امّت کے ایک آدمی کے برابر بھی ہو۔

پس کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اگر مسلمان ایسی حالت میں معنویاتِ عالیہ سے آراستہ ہو گئے جب کہ وہ بالکل کمزور تھے، انہیں مکہ مکرمہ میں خود اپنے گھروں کے اندر لوگ ہر طرف سے اُچک رہے تھے مگر پھر وہی لوگ طاقت ور ہو گئے اور بغیر کسی کی مداخلت کے تمام جزیرۂ عرب کے مالک بن گئے۔

۱۰

عاشراً : امورِ ادار یہ

خواہ کتنی ہی کوئی حرکت دقیق ہو اور اس کی حرکت خواہ کتنی ہی معقول کیوں نہ ہو وہ اس وقت تک اپنے متوقع نتائج پیدا نہیں کر سکتی، جب تک اس کا اجراء نقل و حمل کے لحاظ سے مشکل ہو۔ بلکہ ممکن ہے کہ ہم اس سے اور زیادہ آگے بڑھ کر یہ کہیں کہ "جنگ کا ہر نقشہ نقل و حمل کی امکانیت کا مرہونِ منّت ہے۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امور نقل و حمل کا اہتمام اپنی ہر جنگ میں پیش نظر رکھا، تمام مسلمانوں نے مجاہدین کے سامان میں ہمیشہ تعاون کیا ہے :

خورد و نوش کے لحاظ سے ،

پانی کی فراہمی کے لحاظ سے ،

حمل و نقل کے لحاظ سے ،

اور اسلحہ جنگ مہیا کرنے کے لحاظ سے ۔

اسلام نے ہمیشہ جہاد بالارواح کے ساتھ جہاد بالمال کو بھی بیان فرمایا ہے :

الذین آمنوا و ھاجروا
وجاھدوا فی سبیل اللہ
باموالھم و انفسھم
اعظم درجۃ عند اللہ
واولئک ھم الفائزون۔

یعنی :
"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جان اور مال سے خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بڑے درجے والے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔"

پھر فرمایا : ـــــــــــــ

ومثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مأۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیھم۔

یعنی :

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ایک دانے کی طرح ہے، جس نے سات بالیاں اگائیں - ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالےٰ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ فراخی والا ہے جاننے والا ہے۔"

پھر فرمایا : ———————

ومالکم الاّ تنفقوا فی سبیل اللہ و للہ میراث السماوات والارض -

یعنی :

" تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور زمینوں اور آسمانوں کی میراث تو اللہ ہی کی ہے ۔"

پھر فرمایا : ———————

تومنون باللہ و رسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم -

یعنی :

" تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا تعالےٰ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو ۔"

پھر فرمایا : ———————

لا يستوي القاعدون من المؤمنين غير اولي الضرر والمجاهدون في سبيل الله باموالهم وانفسهم فضل الله المجاهدين باموالهم وانفسهم على القاعدين درجة۔

یعنی: "بغیر تکلیف کے بیٹھ رہنے والے مومن اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت زیادہ رتبہ دیا ہے۔"

بلکہ ان آیاتِ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ مال کو جان پر ہمیشہ مقدم رکھا ہے یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اسلام امور اداریہ کو نہایت اہم سمجھتا ہے۔

اور گھوڑوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل۔

یعنی: "اور ان کے مقابلہ کے لیے جتنی طاقت بھی تم فراہم کر سکو کرو۔ اور گھوڑے بھی پالو۔"

پھر ارشاد ہوتا ہے:

والعاديات ضبحا فالموريات قدحاً فالمغيرات صبحاً، فاثرن به نقعاً فوسطن به جمعاً۔

یعنی: "قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپ کر دوڑتے ہیں۔ جو اپنے سموں سے چنگاڑیاں جھاڑتے ہیں۔ جو صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں،

اور اس حملہ سے غبار اڑاتے ہیں اور
دشمن پر جا پڑتے ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ لوہے کے متعلق فرماتا ہے۔ جس سے اسلحہ جنگ تیار ہوتا ہے:

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب، ان اللہ قوی عزیز۔

یعنی: "اور ہم نے لوہا نازل کیا۔ اس سے سخت لڑائی لڑی جاتی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے جو غیب پر ایمان رکھتے ہوئے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ بڑا طاقت ور ہے بڑا غالب ہے۔"

پہلے لوگوں نے خدا کی راہ میں اپنے مال خرچ کیے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی۔

ابوبکر صدیقؓ نے اپنا تمام مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔ جس دن یہ مسلمان ہوئے اس دن قریش کے دولت مندوں میں شمار ہوتے تھے۔

عمرؓ بن خطاب نے اپنا آدھا مال خرچ کر ڈالا۔

اسی طرح عثمانؓ بن عفان نے بھی جیش العسرۃ یعنی غزوۂ تبوک میں بہ نسبت

دوسرے غزوات کے بہت زیادہ مال خرچ کیا۔

اور آلِ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی یہ حالت تھی جو امام حسن نے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔

اور فرمایا :

"خدا کی قسم، آج شام آلِ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس ایک صاع جو بھی نہیں ہیں"۔ خدا کی قسم آپؐ نے مستقل طور پر یہ نہیں فرمایا تھا۔ لیکن آپؐ نے یہ چاہا کہ آپؐ کی امّت بھی آپؐ سے موافقت کرے۔ آپؐ کے نقشِ قدم کی پیروی کرے، دنیا میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ اصل تکیہ آخرت پر کرے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ نے اپنے طرزِ عمل سے ان لوگوں کو درماندہ کر دیا۔ جو بعد میں آنے والے مسلمانوں میں سے ان کی پیروی کرنا چاہیں۔ ضروریاتِ زندگی کی طویل فہرست ہونے کے باوجود انہوں نے خدا کی راہ میں آج سے چودہ سو سال پہلے رفاہ عامہ کے لیے وہ وہ قربانیاں کی ہیں، جو آج بیسویں صدی کے مشرق و مغرب کے زعیم کبھی بھی نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ حقیقت میں مزدوروں فقیروں اور زمینداروں سے دفاع کر کے ایک قسم کی تجارت کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد اپنی زندگی نہایت عیش و آرام سے گزارتے ہیں۔

۳ - دُوسری خوبیاں اور دُوسرے فضائل و ملکات

الف - مساوات :

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز میں اپنے آپ کو صحابہ کے ساتھ

برابر کا شریک رکھا، بلکہ اپنے لیے ان سے زیادہ خطرات، دُگنی مشقت، ذمہ داری اور فوائد سے محرومی پسند کی ہے۔

جب مدینۂ منورہ میں مسجد تیار ہوئی تو آپؐ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح پتھر، مٹی، لکڑی اور اینٹ اٹھا کر لاتے رہے۔

جب آپؐ بدر کی جنگ کے لیے نکلے تو آپؐ نے حاصل شدہ اونٹ شمار کیے تو وہ ستّر تھے۔ آپؐ نے انہیں تقسیم کر دیا۔ آپؐ کے حصّہ میں جو اونٹ آیا، اس میں حضرت علی اور مرثد بن ابی مرثد غنوی بھی شریک تھے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس پر اپنی باری سے سوار ہوتے تھے، آپؐ نے بالکل اسی طرح کیا جیسے آپؐ کی فوج کے دوسرے آدمی کر رہے تھے۔

جو لوگ آپؐ کے ساتھ اونٹ میں شریک تھے، انہوں نے کہا :

"آپؐ کی باری میں ہم پیدل سفر کر لیا کریں گے، آپؐ سواری پر چلے چلیں۔"

تو آپؐ نے فرمایا :

"تم مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو، اور میں بھی اجر لینے سے بے نیاز نہیں ہُوں۔"

پھر غزوۂ خندق میں آپؐ اپنے ہاتھ سے خندق کھودتے رہے، پتھر اٹھاتے رہے۔ اپنے کندھے پر مٹی اٹھا کر پھینکتے رہے۔

براء بن عازب کہتے ہیں :

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خندق کے دن مٹی اٹھا کر لے جاتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ کا شکم غبار آلود ہو گیا۔"

مٹی نے آپؐ کے پیٹ کی جلد کو چھپا لیا تھا۔

آپؐ اپنے صحابہ سے کھانے میں، پینے میں، لباس میں، ہر چیز میں برابر کے

شریک رہتے، بلکہ ان کو اپنے سے اچھی چیز دیتے، اور خود معمولی، اور سخت چیز اختیار کر لیتے۔

آپؐ نے خطرناک ترین مواقع پر اپنے آپ کو ثابت قدم رکھا اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے صرف صحابہ کو تنہا نہیں چھوڑ دیا، بلکہ اپنے صحابہ کی خدمت کرتے، حالانکہ دوسرے سپہ سالار ماتحتوں سے اپنی خدمت لیتے تھے۔

ب - مشورت :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس معاملہ میں جس کا اثر عام مسلمانوں کی مصلحت اور حالت پر پڑتا ہو، اپنے صحابہ سے ضرور مشورہ کیا کرتے تھے، خواہ وہ معاملہ جنگی ہو یا نہ ہو۔

آپؐ نے غزوۂ حدیبیہ کے سوا باقی تمام غزوات میں صحابہ سے مشورہ بھی لیا، اور ان کی رائے کو ہمیشہ قبول بھی کیا، اگرچہ آپؐ کی ذاتی رائے ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، جیسے آپؐ نے عملی طور پر غزوۂ احد میں کر کے دکھا دیا۔

آپؐ کی رائے یہ تھی کہ :

مدینہ منورہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔

اور اکثر صحابہ کی رائے یہ تھی کہ :

باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔

اور غزوۂ حدیبیہ میں جو آپؐ نے ان سے مشورہ نہ لیا، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ بہرحال اپنے صلح کے ارادے پر قائم رہنا چاہتے تھے۔ کیوں کہ اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے پُرسکون حالات نہایت ضروری تھے۔

آپؐ اپنی دور اندیشی اور باریک بینی سے معلوم کر رہے تھے کہ صلح کے

نتائج دعوتِ اسلامیہ کے لیے بہتر رہیں گے، اور صحابۂ کرام وقت سے پہلے انتصارِ عاجل کے خواہشمند تھے۔

ج : اسالیبِ جدیدہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لڑائی میں ہمیشہ نئے انداز اختیار فرمائے۔

آپؐ نے جنگِ بدر میں صف بندی کر کے ایک نیا ڈھنگ ایجاد کیا، اور اس طریقہ سے قریش کی فوجوں پر غالب آئے۔ جو تعداد کے لحاظ سے تین گنا زیادہ تھی۔ کیوں کہ انہوں نے بدر کی جنگ اسی پرانے طریقہ سے لڑی۔ کبھی پیچھے ہٹنا اور کبھی آگے بڑھ کر حملہ کرنا۔

غزوۂ احزاب میں آپؐ نے خندق کھود کر ایک نیا طریقہ ایجاد کیا حالانکہ اس سے پہلے عرب لوگ اس طریقہ کو بالکل نہیں جانتے تھے۔

آپؐ نے غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ بنی قریظہ اور خیبر کی شہری جنگ میں مغالطہ دہی سے کام لیا۔ اور حیرت انگیز چیز یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے ڈھنگ اختیار کیے، جو اس جیسی لڑائیوں میں آج کے ترقی یافتہ دور میں استعمال ہو رہے ہیں۔

آپؐ نے طائف کے محاصرہ میں منجنیق اور دبابہ سے کام لیا۔ اس وقت ان دونوں ہتھیاروں کا استعمال عرب میں عجیب و غریب تھا۔

آپؐ نے جنگِ بدر میں اپنے ٹھہرنے کے لیے ایک علیحدہ جگہ تیار کرائی، اور اپنا ٹھکانہ انتخاب کرتے وقت تمام مناسب شروط کا لحاظ رکھا، اور اپنی حفاظت کے لیے پہرہ بٹھایا،

جیساکہ، آج کل کی نئی جنگوں میں ہوتا ہے۔

آپؐ نے تقسیمِ کار کو اختیار فرمایا، اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہر کام کا جائزہ لیا۔ جیسا کہ خندق کھودنے کے دوران میں ہُوا۔

آپؐ نے صبح کے وقت جا کر حملہ کیا، یہ وہ حملہ ہے جو رات بھر کی مشقت کا محتاج ہے جیسا کہ غزوۂ بنی مصطلق میں وقوع پذیر ہُوا۔

آپؐ نے پوشیدہ اور خفیہ لکھائی کا طریقہ ایجاد کیا۔

حالانکہ جرمنی کے لوگ موجودہ دور میں اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ سب سے پہلے انہوں نے اس طریق کو ایجاد کیا ہے۔

بلکہ آپؐ نے اجتماعی جنگوں کا تصوّر دنیا کو عطا کیا۔

آپؐ نے جنگی اغراض کے لیے تمام مادی اور معنوی طاقتوں کو اکٹھا کیا، اور یہ سب کچھ اس لیے کیا، کہ بہت سی دشمن جماعتوں سے دعوتِ اسلام کو محفوظ رکھا جائے حالانکہ اس طریقۂ جنگ کو دنیا نے اب آ کر دوسری عالمگیر جنگ میں معلوم کیا ہے، اور جرمنی اس بات پر فخر کرتا ہے کہ یہ طریقہ ہم نے ایجاد کیا ہے۔

۴ - مثالی قیادت

ہم نے دیکھ لیا کہ کس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک مثالی سپہ سالار کی کی ان تمام خوبیوں سے آراستہ تھے، جنہیں آج کل فنِ حرب پر لکھی ہوئی نئی کتابیں اسے تصریحاً بیان کرتی ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ :

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کس طرح مکمّل ترین جنگی قابلیتیں اپنے اندر پیدا کیں۔

اور ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ کس طرح آپ مزید دوسرے صفات سے بھی آراستہ تھے، جنہیں مذکورہ کتابیں بیان تک نہیں کرتیں۔ کیوں کہ جنگی مفکرین یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کسی سپہ سالار میں اس طرح کے صفات پیدا ہو سکتے ہیں، اور وہ ان سے متصف ہو سکتا ہے۔

اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ :

آپ نے کس طرح نئے نئے اسالیبِ جنگ سے کام لیا اور اسی طرح میدانِ جنگ میں نئے نئے ہتھیاروں کو کام میں لائے۔

بتایا جائے :

کون ایسا سپہ سالار ہے جو ان تمام خوبیوں سے متصف ہو اور مبادیاتِ جنگ کو پوری طرح جانتا ہو اور اس قسم کے نئے اسلوبِ جنگ ایجاد کر سکتا ہو ؟

مسلمانوں کی فتح اور غلبہ کا یہی پہلا سبب ہے، اور بڑے طویل عرصے سے یہ محاورہ چلا آرہا ہے کہ :

" دشمنوں پر رومی غالب نہیں آتے بلکہ قیصر غالب آتا ہے۔"

دُوسرا سبب

برتر اور بہتر فوج

۱۔ برتر اور بہتر فوج کے خصائص و کمالات

ہر اعتبار سے ایک بہتر اور برتر فوج کے اندر جو خوبیاں اور جو خصائص و کمالات ہونے چاہئیں، مختصر طور پر انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

۱ : عقیدۂ راسخہ
۲ : معنویاتِ (مورال) عالیہ
۳ : ضبطِ قویٰ
۴ : بہترین مشق
۵ : تنظیم صحیح
۶ : تسلیح (اسلحہ بندی) ممتاز

ایک اچھے سپاہی کی یہ خوبیاں ہر زمانے اور ہر ملک و قوم میں تسلیم کی گئی ہیں۔ اب فیصلہ طلب سوال یہ ہے کہ کیا جنودِ (عساکر) محمدؐ بھی ان ارفع و اعلےٰ صفات اور

خوبیوں سے بہ ہمہ وجوہ آراستہ تھے؟ یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں کام کرنے والی فوجیں بھی اعراب کے اسالیبِ جنگ پر قائم اور عامل تھیں؟

سچی بات تو یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، جنھوں نے جیشِ مسلمین کو ان صفاتِ رفیعہ اور کمالاتِ عالیہ سے بہرہ ور کرایا تھا۔ آپؐ کی انتہائی سرگرم کوشش یہ تھی کہ انھیں تمام خوبیوں اور جملہ صفات سے آراستہ کر دیں اور انھیں نفوسِ مسلمین میں راسخ کر دیں۔

یہی وجہ تھی کہ آپؐ ایک ایسی فوج تیار کرنے میں کامیاب ہوئے، جو شکست اور ہزیمت سے کبھی دوچار نہیں ہوئی، اور جس پر کوئی بڑی سے بڑی فوج بھی غالب نہیں آسکی، حالانکہ یہ لوگ آپؐ کی قیادت میں آنے سے پہلے، عام عربوں کی طرح تھے اور قبائلی جنگ کے خوگر چلے آ رہے تھے، یہ ذاتی انانیت کے غلام تھے، ضبط اور نظام کے مفہوم اور معنیٰ سے بھی آشنا نہیں تھے، اور صحیح معنیٰ میں ان کے پیشِ نظر کوئی ولولہ انگیز عقیدہ بھی نہیں تھا۔

یہ بات کبھی بھی آسان تصوّر نہیں کی جا سکتی تھی، جسے آپؐ نے کر کے دکھا دیا۔ آپؐ اپنے آدمیوں کی نفسیّت، طبیعت اور فطرت کو بدل کر ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپؐ کی یہ کامیابی، ایک بہت بڑا معجزہ ہے —— وہم و خیال سے ماورا۔

۲۔ کمالات و خصائص کی تفصیل:

الف: عقیدۂ راسخہ

مسلمان، محمدؐ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ عقیدے کی اس تبدیلی کے باعث

ان پر عدوان وطغیان، اور جور وستم کے پہاڑ ٹوٹے لیکن جرأت اور دلیری کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے رہے، اور ایمان کے تحفّظ، اور دفاع کے لیے، جدال وقتال پر ہمیشہ کمربستہ رہتے۔

ان کا مقصد کیا تھا؟

صرف اتنا کہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے، انہوں نے ہر طرح کی کٹھنائیاں برداشت کیں، ظلم سہے، خدا کی راہ میں، اور خدا کے لیے، انہوں نے وطن چھوڑا، اور مال ودولت سے دستبردار ہو گئے۔ خطرات اور مہالک کیلئے سینہ سپر رہے اور برابر مصروفِ جنگ رہے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انہیں اپنی اولاد، اپنے اہلِ خاندان، اپنے دوستوں، اور اپنے قبیلے والوں کے سامنے تلوار کھینچ کر آنا پڑا۔

جس عقیدے کو انہوں نے اختیار کر لیا تھا۔ اس کی خاطر اپنی ہر چیز فنا کر دی۔ خواہ وہ گراں تھی یا ارزاں!

باپ بیٹوں کے سامنے خنجر بکف آئے۔ بھائیوں نے بھائیوں سے لڑنے اور اپنا یا اُن کا خون بہا دینے میں تامل نہ کیا۔ قرابت داروں، اور رشتے داروں میں ٹھنی۔ اور دونوں ایک دوسرے کے مقابل حریف اور دشمن بن کر آموجود ہوئے۔ ان کے مقاصد میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ تلوار نے ان میں جدائی ڈال دی تھی۔

ابوبکرؓ مسلمانوں کے ساتھ تھے، ان کے بیٹے عبدالرحمان مشرکوں کے گروہ میں۔ عتبہ بن ربیعہ قریش کے دامن سے وابستہ تھا، اور اس کا لختِ جگر ابو حذیفہؓ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ۔

بدر کے اسیرانِ جنگ کے بارے میں، جب آپؐ نے حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

تو انہوں نے بے تامل فرمایا :

" فلاں آدمی مجھے مرحمت ہو تاکہ اس کی گردن اڑا دوں !"

اور یہ " فلاں آدمی " ان کا بہت قریبی عزیز تھا۔

پھر عمرؓ نے کہا :

" علیؓ سے کہیئے کہ اپنے بھائی عقیل بن ابی طالب کو قتل کر دیں ، حمزہؓ کو حکم ہو کہ اپنے فلاں بھائی کو دنیا سے رخصت کر دیں ، یہاں تک خدا تے بزرگ و برتر جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لیے کسی طرح کی ہمدردی ، اور ذرا بھی گنجائش نہیں ہے !"

جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈالا جا رہا تھا —— جو جنگِ بدر میں قتل ہوا تھا —— تو آپؐ نے اس کے بیٹے ، حذیفہؓ بن عتبہ پر ایک نظر ڈالی ، تو محسوس فرمایا ، حد درجہ نڈھال ، اور غمگین ہیں۔ چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے ۔

آپؐ نے فرمایا :

" حذیفہؓ ، ایسا معلوم ہوتا ہے ، تم اپنے باپ کے بارے میں کچھ سوچ رہے ہو ؟"

جواب میں ابو حذیفہؓ نے کہا :

" نہیں ، اے خدا کے رسولؐ مجھے نہ اپنے باپ کے بارے میں کبھی کوئی شبُہہ ہوا ، نہ اس کے انجام کا غم ہے ، لیکن میرا باپ دانش مند ، بردبار اور صاحب فضل و کمال تھا ، مجھے آس تھی شاید یہ چیزیں بالآخر ایک دن اسے اسلام کے آستانے پر لے آئیں ۔ مگر میرے سامنے یہ منظر ہے کہ اس کی موت کفر کی حالت میں ہوئی ، بس اس کا مجھے غم ہے !"

غزوۂ بنی مصطلق میں، راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے مہاجرین اور انصار کے مابین اختلاف و عناد کی چنگاریاں بھڑکانے کی کوشش کی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فوراً کوچ کا حکم صادر فرمادیا، تاکہ یہ فتنہ سر نہ اٹھائے۔ جب مسلمان مدینہ میں داخل ہوئے تو اس کا مسلمان بیٹا، جس کا نام خود بھی عبداللہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اجازت طلب کی، تاکہ اپنے باپ کو ہلاک کر دے کہ اس نے ازراہ شرارت مسلمانوں میں عناد و اختلاف کی آگ بھڑکانے کی کوشش تھی۔

مگر آپؐ چونکہ منافقوں کو سزا نہیں دیتے تھے، اسلیے اسے بھی معاف کر دیا اور اس کے بیٹے سے کہا :

"ایسا نہ سوچو، ہم اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے، جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے ہم اس سے بدسلوکی نہیں کریں گے!"

بنو قریظہ کی جنگ میں یہود نے ابولبابہ کو مشورہ کے لیے طلب کیا، تاکہ ان سے مشورہ کریں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی تامل کے ابولبابہ کو ان کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

یہودیوں نے ابولبابہ سے پوچھا :

"کیا ہم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حسب الحکم اپنے قلعوں سے باہر نکل آئیں ؟"

ابولبابہ نے جواب میں کہا :

"ہاں"——

اور ساتھ ہی ساتھ اپنے گلے کی طرف اشارہ کرنے لگے، گویا انہیں بتا رہے

تھے کہ تمہارا حشر یہ ہوگا کہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یہودیوں کے مشورے پر ابولبابہ کے اشارے کو کسی مسلمان نے نہیں دیکھا تھا، لیکن خود ان کے دل میں معاً یہ خیال آیا کہ میں یہ کیا کر گزرا؟ اس طرح تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غدر و خیانت کا ارتکاب کیا ہے، اسی عالمِ اضطراب میں واپس آتے اور اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ کر، اپنی رسوائی اور تحقیر و تذلیل کا سامان خود فراہم کر لیا۔ ——— تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔

غزوۂ فتح مکہ سے پہلے ابوسفیان مدینہ آیا، اور اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے پاس گیا۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں، ابوسفیان، یعنی اپنے باپ کو دیکھتے ہی ام حبیبہؓ نے بسترِ رسولؐ لپیٹ دیا، کیوں کہ انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ اس بستر پر ایک مشرک بیٹھے، اگرچہ مشرک سفر سے آنے والا ان کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔

ابوبکرؓ نے جس روز اسلام قبول کیا، ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا مال راہ خدا میں اس فیّاضی سے لٹایا کہ مُفلس، اور قلاش ہو گئے۔

کیا عقیدۂ راسخ اور ایمانِ محکم کے سوا کوئی اور چیز بھی ہے جو لوگوں کو ایسے اعمالِ رائعہ، اور افعالِ رفیعہ کا عادی اور خوگر بنا دے؟

کیا ایسا عقیدۂ راسخ رکھنے والے لوگ بھی، ویسی ہی لڑائیاں لڑ سکتے ہیں، جس طرح وہ لوگ جنگ آزما ہُوا کرتے ہیں جو بے عقیدہ ہوں ——— اور ان کی پونجی اہواءِ جاہلیّہ ——— عصبیّتِ انانیہ، اور حب ——— فخر و غرُور ہو؟

اس عقیدۂ راسخ نے مسلمانوں کو موت سے نڈر کر دیا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں قتال و جدال جویا رہتے تھے۔

ب : معنویاتِ عالیہ

کوئی لشکر خواہ کتنا ہی بڑا ہو، اس کے پاس ساز و سامان کتنی ہی کثرت سے ہو، آلات و اسلحۂ جنگ کی کیسی ہی فراوانی ہو، تنظیم کتنی ہی مکمّل ہو، لیکن اگر وہ عزم و استقلال سے محروم ہے ——— اس کا مورال پست ہے ——— ہمت و جرأت سے نا آشنا ہے، تو صرف آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

دوسری عالمگیر جنگ میں اٹلی کی فوجیں بالکل نئے آلاتِ جنگ سے لیس اور بہترین اسلحہ سے آراستہ تھیں، تنظیم بھی بہت عمدہ تھی، اور تعداد بھی بہت زیادہ، لیکن مورال پست، عزم و استقلال نابود، اور ہمّت و جرأت کا فقدان، اتنی بڑی، اچھی اور مسلح فوج جرمن کے لیے ایک بوجھ بن کر رہ گئی۔ اٹلی کے حلیف اس علاقے سے انخلاء کر جاتے تھے، جہاں یہ فوجیں جا کر پڑاؤ کرتی تھیں، اس لیے کہ ان کی پست ہمّتی کا یہ عالم تھا کہ مدّمقابل لشکر حریف کو دیکھا اور بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے، جب بھی انہیں کوئی حقیقی یا وہمی خطرہ درپیش ہوتا۔ ان کے پاس ایک ہی تدبیر تھی، ہتھیار پھینکو، اور بہ رضا و رغبت جنگی قیدی بن جاؤ۔

جنگ بدر سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو شجاعت، اور دلیری کی تلقین کی، پھر دورانِ جنگ میں بھی آپؐ ان کی ہمّت و جرأت کو مہمیز کرتے رہے، اور انہیں شجاعت و تہوّر کے مظاہرے پر اکساتے رہے۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ قریش کثرتِ تعداد کے باوجود نہ صرف ان پر غالب نہ آ سکے بلکہ بری طرح ہار گئے۔

اس کا سبب یہ تھا کہ اس معرکے میں اور دوسری جنگوں میں مسلمانوں کا مورال

بلند تھا، اور وہ عزم و استقلال کی ہمّت سے مالامال تھے۔

حد یہ تھی کہ نوعمر لڑکوں تک کا یہی حال تھا۔ عفراء کے دونوں بیٹے ایک دُوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہُوئے، ابوجہل جیسے مردِ میدان کو، عین معرکۂ کارزار میں قتل کر آئے۔

کیا غزوۂ بدر میں فتح و انتصار حاصل کر لینا مسلمانوں کے امکان میں تھا؟ اور غزوۂ احد کے صرف ایک دن بعد، لشکرِ مشرکین کے تعاقب میں نکل کھڑا ہونا، اور ایک نئی جنگ کے لیے پورے طور سے آمادہ اور مستعد ہو جانا ——— ان کے بس میں تھا؟

کیا معنویاتِ عالیہ سے متصّف ہُوئے بغیر جنگِ احزاب میں وہ پامردی دکھا سکتے، اور آخر وقت تک ثابت قدم رہ سکتے تھے؟

کیا ان سے صفاتِ عالیہ کو حاصل کیے بغیر ان میں اتنا ولولہ پیدا ہو سکتا تھا کہ تبوک کی جنگ میں آگے بڑھ کر خود حملہ کرتے، اور متوقع نتائج و خطرات کی کوئی پروا نہ کرتے؟

جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے معنویات کو درجۂ رفیع تک پہنچانے میں مختلف طرق اور مناسبات سے کام لیا، اسی طرح آپؐ نے دشمن کے معنویات کو پست کرنے کے لیے بھی مختلف طرق اور مناسبات سے کام لیا، نگاہِ غور سے اگر دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ غزوۂ حدیبیّہ، اور عمرۃ القضاء اور غزوۂ تبوک، یہ سب معنویات کے معرکے تھے ——— نہ کہ میدانِ جنگ کے معرکے۔

عمرۃ القضاء نے مشرکین کے دل کا دروازہ کھول دیا، کیوں کہ اس نے ان کے معنویات کو مضمحل کر دیا تھا۔

اسی طرح غزوۂ تبوک کا نتیجہ رومیوں کے معنویات کی زبردست شکست ہے، اس غزوہ نے اعراب کے قلوب میں یہ خیال جاگزیں کر دیا کہ مسلمان اتنے طاقت ور ہیں کہ رومیوں سے لڑ سکتے، اور نمٹ سکتے ہیں، ورنہ اس سے قبل تو یہ بات بعید از قیاس سمجھی جاتی تھی کہ رومیوں کا مقابلہ کیا جا سکتا، اور ان سے جنگ لڑی جا سکتی ہے اس بات کو از قبیل ناممکنات و محالات سمجھا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر جنگ میں ہمیشہ یہ امر پیشِ نظر رکھا کہ دشمن کے معنویات کو متزلزل کر دیا جائے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ:

آپؐ مادّی شکست دینے کے مقابلے میں معنوی ——— مورال کی ——— شکست دینے کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے کہ آپؐ نے اس امید کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا کہ جن لوگوں کو بالآخر راہ ہدایت پر گامزن ہونا ہے، ان کی جان لینا، اور ان کا استیصال کر دینا مناسب نہیں ———!

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اکثر غزوات معنوی تھے، جو قلوب و نفوس پر اثر انداز ہوا کرتے تھے، نہ کہ خسائر اور نقصاناتِ جان و مال کی جنگیں۔

ہمیں یہ بات بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ مسلمانوں کا عقیدۂ قضا و قدر ان کی ہمت بلند کرنے، نتائج سے بے پروا ہونے، اور موت سے نڈر ہونے میں ہمیشہ بہت زیادہ معاون و مددگار ثابت ہُوا ہے۔ یہی مادّہ جس میں ہو، وہ خطرات و مہالک میں مافوق الفطرت، شجاعت اور دلیری سے گھس پڑتا ہے مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ تقدیر الٰہی ہر حالت میں، اور ہر صورت میں پوری ہو کر رہے گی، پس شہید جنّت کا سزاوار ہو گا، اور جو بچ گیا وہ غازی کہلائے گا، اور ان

دو بھلائیوں میں سے ایک بہر حال راہ خدا میں لڑنے والوں کے حصہ میں آئے گی، معنویات کے ارتفاع میں بے انتہا معین ثابت ہوا ہے۔

ج : ضبطِ قویٰ

مسلمان محمدؐ کی اطاعت اس طرح کرتے تھے، جس کی نہ کوئی حد تھی، نہ مثال، جو فرمان نطق رسالت سے صادر ہو گیا، اس کے ایک ایک حرف کی تعمیل دل و جان سے کرتے تھے ــــــ بلا کسی تردّد اور تامّل کے ــــــ اور مکمل شوق و امانت کے ساتھ، خواہ ظروف کتنے ہی صعب ہوں، اور واجبات، کیسے ہی شاقہ ہوں۔

اس موقع پر قوتِ ضبط مسلمین کی مثالیں پیش کرنا کچھ زیادہ بہتر نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ ان کا شمار ناممکن ہے، اس لیے کہ اسلام میں اطاعت کا مقام دینی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

یاایھا الذین آمنوا	یعنی :
اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول	"مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو
واولی الامر منکم ۔	رسولؐ کی اطاعت کرو، اور ایسے
	اولی الامر کی اطاعت کرو، جو تم
	میں سے ہوں!"

د : تدریبِ جیّد

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو مشقّت اور مشکل پسندی کی زندگی کا خوگر بنا دیا تھا۔ وہ اس طرف انہیں برابر مائل کرتے رہتے تھے ــــــ

تیراندازی، اسپ رانی اور دوسرے اسی طرح کے اُمور کی ترغیب دیتے رہے، ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے تیراندازی سیکھی، اور پھر اُسے چھوڑ دیا۔ تو اُس نے ایک نعمت حاصل کی، اور اسے ٹھکرا دیا۔"

علاوہ ازیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو صرف تیراندازی، اور اسپ رانی کی مشق ہی نہیں کرائی، بلکہ اس پر اکتفانہ کرتے ہوئے کہ انہیں عہد جدید میں انفرادی مشق سے تعبیر کیا جاتا ہے، بلکہ انہیں مسلسل سفر، جنگ کے اسالیب مختلفہ، پہرے داری، اور طلایہ گردی کے فرائض انجام دینے کی بھی تواتر کے ساتھ مشقیں کرائیں، جنہیں آج کل "مشقِ اجماعی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مسیر اقتراب میں تشکیلاتِ مناسبہ کا اپنے جملہ غزوات میں آپؐ نے استعمال فرمایا، اس طرح آپؐ نے فوجوں کو خود کار سر و سامانِ تحفظ مہیّا فرما دیا، اور دشمن کے غیر متوقع اور ناگہانی حملے کی زد سے بچنے کا گُر سکھا دیا۔

معرکۂ بدر اور معرکۂ احد میں صف بندی کے اصول پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قتال و جدال میں حصّہ لیا۔ دوسرے غزوات میں بھی صف بندی کو آپؐ نے ایک اہم اصول قرار دیا۔ جنگِ احزاب میں خندق کے عقب میں دفاعی مورچے قائم کئے۔ نیز مدینۂ منورہ کی پہرے داری کا بھی پورا پورا انتظام کیا۔

یہودیوں کے خلاف، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شہری اور جماعتی جنگ مغالطہ دے کر لڑی۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سریۂ بنو اسد میں صبح صبح مسلمانوں نے یکایک حملہ کر دیا، ان دونوں مواقع پر مسلمانوں کی کامیابی اسی تدبیرِ جیّد، اور سپہ گری کے نئے اصولوں پر عمل درآمد کا نتیجہ تھی۔

۵ : تنظیمِ صحیح

جیشِ مسلمین مہاجرین، انصار، اور دوسرے قبائل کے اکثر مسلمانوں پر مشتمل تھا، جو اپنے عہد کے کافی جانے پہچانے، اور معروف لوگ تھے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہُوا کہ جیشِ مسلمین جملہ قبائل سے مرکّب تھا۔ کسی ایک قبیلہ سے اس کا کوئی تعلّق نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی فتح و انتصار کا تعلّق کسی ایک قبیلہ سے نہیں تھا کہ اس پر فخر و ناز کر سکتا، اور دُوسرے قبیلے کو اپنے اس افتخار کے باعث ہیچ اور ناکارہ تصوّر کرتا، اسے پست سمجھتا، یا اس کا استہزار کرتا، یہ جیشِ مسلمین جملہ قبائل کا لشکر تھا، اس کی فتح سب کی فتح تھی۔

اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ :

اس فتح و انتصار کا تعلق قبائلِ عرب کیا، عرب سے بھی نہیں تھا۔ یہ فتح مند لشکر اسلام کا تھا۔ اس کے معتقدین میں، اور فداکاروں اور جاں نثاروں میں، عربی کے پہلو بہ پہلو عجمی، گورے کے دوش بدوش سیاہ فام، مالدار کے ساتھ فقیرِ بے نوا، سب شامل تھے۔ یہ ایک " دین " کا لشکر تھا، جو رنگ و نسل، اور نسب کے امتیاز سے ماوراء تھا۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ :

یہ ایسی تنظیم تھی، جو صرف وحدتِ عقیدہ پر قائم تھی، اس کے لیے کسی اور طرح کے مؤثرات سے اسے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ ایسی چیز تھی، جس نے تمام قبائلِ عربیہ کو ایسے حالات میں لا ڈالا تھا کہ کوئی قبیلہ بھی مسلمانوں سے جنگ آزما ہونا اور جیشِ مسلمین کی مقاومت اور مزاحمت کرنا، اپنے بس سے باہر سمجھتا تھا، لڑائی کسی ایک قبیلہ سے ہوتی، تو وہ مردِ میدان بن کر میدان میں کُود پڑتا،

اس کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو جاتا، اور وہ اسے زک دینے کے لیے سب کچھ کر گزرتا۔ اس صورت میں نہ فتح و انتصار کا تعلق کسی ایک قبیلہ کے لیے موجبِ نازش و افتخار تھا، نہ شکست و ہزیمت کسی ایک قبیلہ کے لیے ننگ و عار کا سبب بن سکتی تھی۔ یہ لشکر جملہ قبائل کا تھا، یہ لشکرِ عرب بھی نہیں تھا، مسلمان تھا، اس کے پیروؤں میں عرب و عجم سب شریک تھے، اور مکمل مساوات اور اخوّت سے بہرہ ور تھے، یہی وہ چیز تھی جس نے مسلمانوں کے مہمات کو آسان تر اور فتح و انتصار کو زیادہ سے زیادہ سہل بنا دیا تھا۔

و : تسلیح ممتاز

رفتہ رفتہ مسلمانوں کے پاس جنگ کے آلات و اسلحہ میں اضافہ ہوتا گیا، ان کی اسلحہ بندی کی قوت میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ اس اعتبار سے پہلے تو وہ مشرکین کے مقابلے میں فرومایہ اور پسماندہ تھے، اور اب ان پر تفوق و برتری رکھتے تھے۔ جنگِ خندق تک مشرکین کا تفوق قائم رہا۔ اس کے بعد، مسلمان بڑھتے اور ممتاز ہوتے چلے گئے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر اس موقع پر عسکر سبز کا ذکر کر دیا جائے، جس کے جلو میں، غزوۂ فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ اس لشکرِ مسلمین کے سپاہیوں کا حال یہ تھا، کہ از سر تا قدم، غرقِ آہن تھے۔ صرف آنکھیں تھیں، جو نظر آتی تھیں۔

اسلحہ سازی کے بارے میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی کہ :

"ایک تیر، تین مسلمانوں کے داخلۂ جنت کا سبب بن جاتا ہے :

ا : بنانے والا، جو اپنے عمل میں ثواب و اجر خداوندی کا یقین رکھتا ہو۔

۲ : جہاد فی سبیل اللہ میں تیر اندازی کرنے والے کو۔

۳ : اور اس شخص کو جو گرے ہوئے تیر اٹھا کر، پھر تیر انداز کے حوالے کرتا ہے۔

پس تم تیر اندازی کیا کرو،

اسپ رانی کیا کرو،

اور ہاں :

تمہاری تیر اندازی،

تمہاری اسپ رانی سے مجھے زیادہ عزیز ہے!"

تیسرا سبب

حربِ عادلہ

۱- حربِ عادلہ کا مطلب کیا ہے؟

یہ جنگ عبارت ہے، ہر ایسے گمراہ اور جماعت کے خلاف، جس سے ظلم کا ارتکاب ہوتا ہو، اسی طرح وہ ان گروہوں اور جماعتوں کے خلاف ہے جو انکے عدوان وطغیان کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں۔

حربِ عادلہ کی یہ تعریف جملہ بین الاقوامی قوانین جنگ وصلح کے مصادر اور مآخذ کے عین مطابق ہے،

اس حربِ عادلہ کی شرط اوّل، اور لازم کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہُوا کہ:

۱ : یہ جنگ تمام تر دفاعی ہے نہ کہ جارحانہ۔

۲ : اس کا مقصد دائمی طور پر امن وعافیت کو قائم رکھنا ہے۔

۳ : اس کی غرض انسانیّت کا احترام ہے۔

۴ : اس جنگ میں بے گناہوں سے تعرض نہیں کیا جا سکتا، نہ ان کی جان لی جا سکتی ہے، نہ ان کی دولت واملاک پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

۵ : اس جنگ میں اسیرانِ جنگ اور رہائن —— یرغمال —— کے ساتھ عمدہ اور بہتر سلوک کیا جاتا ہے۔

بیسویں صدی عیسوی میں، بین الاقوامی قوانین جنگ وصلح جو وضع کئے گئے ہیں، ان کے مقابلے میں اسلام کی جنگ کہیں زیادہ عادل اور منصف نظر آئے گی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلام کی جنگ کبھی اور کسی حالت میں عصبیّت کو بھڑکانے اور برافروختہ کرنے کا سبب نہیں بن سکتی، نہ اس کے حالات کبھی اور کسی حالت میں مادّی اور استعماری ہو سکتے ہیں۔

آئندہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان تمام شروط کی عملی تطبیق —— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اعمالِ عسکری میں وضاحت وصراحت کے ساتھ نظر آئے گی۔

۲۔ حرب عادلہ کے مفہوم ومعنی کی تفصیل

الف : دفاعی جنگ

مسلمان جب تک مکہ میں رہتے رہے، قریش نے ان کی اذیّت رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ انہیں ہر طرح سے ہدفِ جور وستم بنایا۔ ان پر لرزہ خیز مظالم توڑے، اس ظلم وعدوان سے بچنے کی اب مسلمانوں کے لیے صرف ایک ہی تدبیر رہ گئی تھی، وہ یہ کہ مال ودولت اور اہل وعیال سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر، مکہ سے ہجرت کریں، اور مدینہ کے دارالامن میں پہنچ جائیں۔

مکہ سے جن لوگوں نے ہجرت کی تھی، یہ صرف اپنے عقیدے کے تحفظ کیلئے اس قربانی پر تیار ہوئے تھے کہ مال ومنال اور اہل وعیال سے رشتہ قطع کر کے ایک اجنبی دیس میں پہنچ جائیں۔ ان مہاجرین میں کافی تعداد ایسے لوگوں کی تھی، جو اپنے خاندان اور کنبے کی پشت پناہی کے باعث اس ہولناک انجام سے بچ گئے تھے، جو اُن ضعیف و کمزور اور بے مایہ لوگوں کے مقسوم میں لکھا تھا، جنہیں قریش نے اذیّت رسانی کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا اور جنہیں ایسے ایسے نت نئے عذاب دیئے جاتے تھے کہ کئی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ان ستم آرائیوں سے محفوظ نہیں تھی، آپؐ کو بھی تکذیب اور اہانت سے دوچار ہونا پڑا۔ آپؐ کے خلاف قریش نے جو سرتاسر جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر رکھا تھا، عجیب وغریب صبر وتحمل کے ساتھ آپؐ یہ ناروا باتیں سنتے رہتے اور خاموش رہتے۔ اس دین جدید کے خلاف قریش نے کذب و دروغ کا جو طومار کھڑا کر رکھا تھا، اسے بھی آپؐ خاموشی سے —— برداشت کرتے۔

اسلام کے خلاف، مسلمانوں کے خلاف، اور داعئ اسلام علیہ التحیۃ و سلام کے خلاف مشرکین قریش نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے بس میں تھا، وہ اس دعوت کو ناکام بنا دینا چاہتے تھے، اور اس نئے دین کو کسی درجے میں بھی کامیاب اور کامران دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے، جب تک آپؐ نے اسلام کی صدا بلند نہیں کی تھی، یہ مشرکین آپؐ کو صادق اور امین کے نام اور خطاب سے یاد کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نام سنتے ہی ان کے حواس جواب دے گئے اور انتہائی شدّت کے ساتھ اپنے تمام وسائل اور ذرائع بروئے کار لاکر اس کے خلاف صف آرا ہو گئے اور اسے تباہ و برباد کر دینے پر تُل گئے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قریش کی ان محکم اور مضبوط تدبیروں سے بچ نکلے جو انہوں نے آپؐ کو دھوکہ سے قتل کر دینے کے بارے میں تجویز کر رکھی تھیں، لیکن آپؐ آخر کار مدینہ منورہ کی طرف جاتے ہوئے طرح طرح کی صعوبتوں اور ہولناک حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے قریش کے تعاقب سے بچ نکلے، اور وہ بالکل ناکام ہو گئے۔

بتایا جائے کہ کونسا ظلم اور کونسی زیادتی اس سے بڑھ کر ہو سکتی ہے جو مسلمانوں کو دی جا رہی تھی؟ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مکّہ مکرمہ فتح کیا، تو قریش کو یہ "سزا" دی کہ فرمایا:

"جاؤ تم آزاد ہو۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کسی دشمن سے لڑائی کی تو مجبور ہو کر کی آپؐ کے تمام غزوات زیادتیوں کو روکنے کے لیے وقوع پذیر ہوئے یا زیادتی کی نیّت کو ختم کرنے کے لیے۔ اور جب بھی کسی دشمن نے صلح کی طرف ہاتھ بڑھایا — تو بے تامّل ہمیشہ اس میلان کی حوصلہ افزائی کی، اور دشمن سے معاہدہ کر کے اس سے تعلق قائم کر لیا۔

اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا علمی سطح پر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ خواہشات سے دُور تھے۔ یہ چیز ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں نے کبھی کسی پر زیادتی نہیں کی۔

اس لیے کہ:

"اللہ تعالےٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" [1]

اس مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ:

مسلمانوں نے — لڑائی کر کے کبھی کسی آدمی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں

---

[1]: ان اللہ لا یحب المعتدین۔

کیا، کیوں کہ بہت سے قریشی فتح مکہ کے بعد بھی اپنے مشرکانہ عقائد پر قائم رہے۔ حالانکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگِ حنین میں شامل بھی ہوئے تھے اور مسلمانوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ لوگ اپنے پہلے عقیدے پر قائم رہیں گے۔ اس کے باوجود کسی آدمی نے ان کو دین تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا۔

کیوں کہ :

"دین میں زبردستی نہیں ہے۔" [1]

انہی لوگوں میں سے، صفوان بن امیّہ، ابوسفیان اور کلدہ بن الجنید بھی تھے۔

کیا اس بات کا امکان نہیں تھا، کہ مسلمان ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتے؟ کیوں کہ اب قریش ہتھیار ڈال چکے تھے، اور مکّہ نے اپنے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیئے تھے۔

یہ بات کہ :

"اسلام میں جنگ کا مقصد دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت ہے۔"

ایک ایسا لغو دعوٰے ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ :

لڑائی کا مقصد دعوتِ اسلامیہ کی آزادی کی حفاظت ہے، اور ان دونوں مقصدوں میں بہت فرق ہے۔

اس کے باوجود اسلامی جنگیں دفاعی ہیں۔ کیونکہ وہ ظلم اور زیادتیوں سے بالکل پاک و صاف ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ دفاع مخفی نہیں ہے بلکہ کھل کر سامنے آکر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ نئی جنگی اصطلاحات میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] : لا اکراہ فی الدین

اس کا مطلب یہ ہے کہ :

مسلمان کبھی زیادتی نہیں کرتے لیکن وہ اپنی جان بچانے کے لیے ہر زیادتی کو روکتے ہیں اور زیادتی کرنے والوں کی طاقت کو مقابلہ کر کے ختم کر دیتے ہیں۔

ب : امن کو برقرار رکھنے کیلئے جنگ

مدینہ کے مشرکین اور یہودیوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد صلح کے لیے میلان ظاہر کیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس میلان کی ہمت افزائی کی، اور ان سے معاہدہ کر لیا، جس سے تمام لوگوں کو رائے اور امن کی آزادی نصیب ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس قبیلہ سے صلح کی جس نے بھی صلح کے لیے رغبت کا اظہار کیا۔ جیسا کہ آپؐ نے بنو ضمرہ سے غزوہ ودان میں کیا اور بنو مدلج سے غزوہ عشیرہ میں اور قریش سے غزوہ حدیبیہ میں۔

بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صلح کے اغراض کے لیے اپنی پوری طاقت خرچ کر دی۔ یہاں تک کہ آپؐ کے کچھ صحابہ بعض اوقات صلح کے شرائط کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

جیسا کہ غزوہ حدیبیہ میں وقوع پذیر ہوا۔

صلح زندگی میں ایک ٹھہراؤ پیدا کرتی ہے اور اسلام صلح حدیبیہ کے پرسکون ماحول میں پھیلا اور لوگوں میں بہت تیزی سے پھیل گیا۔

اور اس کے ساتھ ہی صلح کی طرف جھکنا "دین" ہے۔

"اگر وہ صلح کے لیے مائل ہوں تو آپؐ بھی صلح کے لیے جھک جائیں۔"

"ہمیں اس بات سے تعجب نہیں ہوتا، کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو

دیکھتے ہیں کہ آپؐ صلح کی تمام ایسی کوششوں کو قبول فرما لیتے ہیں، بلکہ ان کی ہمّت افزائی کرتے ہیں جنہیں آپؐ کا کوئی دشمن کسی وقت اور کسی جگہ بھی پیش کرے۔

صلح اسلام کا بنیادی کام ہے اور جنگ استثنائی حالت ہے۔ یاد رہے، اسلام سلامتی کا علمبردار تو ضرور ہے، لیکن ہتھیار ڈال دینے کا نہیں —— حوالے کر دینے کا نہیں!

ج : انسانیّت کی جنگ

اوّلاً : بے گناہوں کا احترام

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی جنگوں میں کسی بے گناہ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، اور ہمیشہ بے گناہوں کے مال اور جان کی حفاظت کے خواہشمند رہے۔ جب بنو قریظہ نے ہتھیار ڈال دیئے تو مسلمانوں نے صرف اُن مردوں کو قتل کیا، جنہوں نے ان سے عملی طور پر لڑائی کی تھی۔ اس لیے کہ انہوں نے معاہدہ توڑ دیا تھا۔ اور مسلمانوں کو ہلاکت کے لیے پیش کر دیا تھا۔ لیکن بنو قریظہ کے بال بچوں، اور عورتوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی۔ اسی طرح ان یہودیوں کو بھی تکلیف نہیں دی گئی جو اپنے عہد پر قائم رہے۔

بنو قریظہ کی وہ تنہا عورت جسے قتل کیا گیا تھا، یہ وہ عورت تھی جس نے ایک مسلمان کو چھت سے چکّی کا پاٹ گرا کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس کا قتل اس کے قاتلانہ جرم کی سزا تھا، جیسا کہ معاملہ بالکل صاف اور واضح ہے۔

جب مسلمان غزوۂ مؤتہ پر جانے لگے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں وصیّت فرمائی کہ :

"عورتوں، بچّوں اور معذور لوگوں کو قتل نہ کیا جائے۔ کسی مکان کو نہ گرایا جائے کوئی درخت نہ کاٹا جائے۔"

اسلام میں کوئی بے گناہ آدمی کسی کے جرم میں ماخوذ نہیں ہو سکتا۔

"کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

اسلام کا مرکزی نقطہ یہی ہے، جس سے وہ کبھی بھی روگردانی نہیں کرتا۔

ثانیاً: قیدی اور یرغمال

مسلمانوں نے غزوہ بدر میں سترّ آدمی قید کئے تھے، ان سترّ میں سے ارسٹھ آدمیوں کو اپنے صحابہ پر تقسیم کر دیا اور فرمایا:

"قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔"

دولت مند قیدیوں نے تو بہ آسانی زرفدیہ ادا کر دیا اور غریب قیدیوں کو بغیر کسی معاوضہ کے چھوڑ دیا گیا اور تعلیم یافتہ قیدیوں کو یہ تکلیف دی گئی کہ مسلمانوں کے بچّوں کو لکھنا پڑھنا سکھلائیں۔ پھر ان بچّوں کی تعلیم کے بعد انہیں بھی مفت چھوڑ دیا گیا۔

لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سترّ قیدیوں میں سے صرف دو قیدیوں کے قتل کا حکم دیا۔ اس لیے کہ ان دونوں نے مسلمانوں کے متعلق حد درجہ شدید جرم کیے تھے، یہ کمزور مسلمانوں کو سزائیں دیتے رہے تھے، اور اسلام کے متعلق پروپیگنڈا کرتے رہتے تھے۔ گویا ان کا قتل ان کے جرم کی وجہ سے تھا نہ اس لیے کہ وہ قیدی تھے۔

جیسا کہ بعض اغراض پسند لوگ بیان کرتے ہیں۔

یہ دونوں قیدی جنگی مجرم تھے۔ جس طرح آجکل بھی جنگی تعبیر کے لحاظ سے ان پر جنگی مجرم ہونے کا اطلاق ہوتا ہے، لہٰذا ان کی سزا ان کے جرائم کے بدلے میں

واقع ہوئی۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دو قیدیوں کو بھی فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا جو عبداللہ بن جحش کے سریہ نے گرفتار کر لیے تھے۔ پھر اس کے بعد ان میں سے ایک آدمی تو مسلمان ہو گیا اور دوسرا مکہ واپس چلا گیا۔

یہ وہ اصول ہے جو مسلمانوں نے قیدیوں کے متعلق اختیار کیا، اور یہ وہی فیصلہ ہے جو قیدیوں کے متعلق اس نئے ترقی یافتہ دور کے قوانین جنگ میں کیا گیا ہے۔

باقی رہا یرغمال کا معاملہ تو تاریخ اس چیز کے بیان کرنے سے قاصر ہے کہ مسلمانوں نے کبھی بھی ان پر کسی طرح کی زیادتی کی ہو۔ اس لیے کہ رہائن —— یرغمال —— درحقیقت امانت ہیں۔

اور قرآن مجید بیان کرتا ہے:

"امانت میں خیانت نہ کیا کرو۔"

ثالثاً: زخمی اور مقتول

جنگِ بدر میں مشرکین کے بعض قیدی زخمی بھی تھے۔ مسلمانوں نے ان کا علاج معالجہ کیا اور ان پر اسی طرح توجہ کی، جس طرح اپنے زخمیوں پر توجہ کرتے رہے۔ دونوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔

مسلمانوں نے کسی جنگ میں بھی زخمیوں کے علاج معالجہ سے کبھی کوتاہی نہیں کی، اس لیے کہ زخمیوں کے علاج کی طرف توجہ کرنا انسانی معاملہ ہے اور اسلام شروع سے لے کر آخر تک انسانیت کا دین ہے۔

مسلمانوں نے جنگِ بدر میں مشرکین کی لاشوں کو بھی اسی طرح دفن کیا، جس طرح انہوں نے اپنے شہیدوں کو سپردِ خاک کیا اور مشرکین کی لاشیں کھلے میدان میں نہیں

چھوڑ دی گئیں، لیکن مشرکین نے جنگِ اُحد میں مُسلمان شہیدوں کا مُثلہ کیا اور بہت بری طرح مثلہ کیا، اور مسلمانوں کے متعلق کبھی نہیں ثابت کیا جاسکتا کہ انہوں نے کبھی کسی وقت میں مُثلہ کیا ہو۔

۳ - عقیدے کی جنگ :

الف : شخصی اغراض سے ماوراء

اسلام میں جنگ کے شعلے کبھی شخصی اغراض کی وجہ سے نہیں بھڑکے، کیونکہ اسلام حقیقت میں مفادِ عام کی دعوت ہے اور رفاہ عامہ کے لیے آگے بڑھا ہے۔ اگر چہ اس میں شخصی اغراض گم ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

اسلام میں جنگ کو کبھی شخصی اغراض اور بڑائی کی خواہش نہیں بھڑکا سکی۔ قریش نے عتبہ بن ربیعہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ یہ ایک بڑا باوقار اور بردبار شخص تھا۔

اس نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا :

" اے میرے بھتیجے ! آپؐ کو معلوم ہے کہ آپؐ کا مقام ہم میں کتنا بلند ہے، مرتبہ کے لحاظ سے بھی اور نسب کے لحاظ سے بھی۔ آپؐ اپنی قوم کے پاس ایک بہت بڑا معاملہ لے آئے ہیں۔ جس نے آپؐ کی قوم کی جمعیت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے، میری کچھ باتیں سنیئے، شاید ان میں سے بعض باتیں آپؐ کے لیے قابلِ قبول ہوں۔ اگر آپؐ اس طرح مال اکٹھا کرنا چاہتے ہیں تو، ہم اتنی دولت اکٹھی کر دیتے ہیں، کہ آپؐ قریش میں سب سے زیادہ دولت مند بن جائیں، اور اگر آپؐ سرداری چاہتے ہیں تو ہم آپؐ کو اپنا سردار منتخب کر لیتے ہیں۔ ہم آپؐ کی مرضی کے سوا

کسی معاملہ کا کوئی فیصلہ نہیں کیا کریں گے، اور اگر آپؐ بادشاہ بننا چاہتے ہیں، تو ہم آپؐ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں۔"

لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس تمام ترغیب و تحریص کی ذرا بھی پروا نہ کی۔

قریش کی عداوت سختی اختیار کرتی گئی۔ ابوطالب کے لیے اپنی قوم کو چھوڑنا اور اس کی دشمنی کا برداشت کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا۔ آخر انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا :

"اپنے آپؐ پر بھی اور مجھ پر بھی رحم کیجئے۔ مجھ سے وہ بوجھ نہ اٹھوائیے جو میں اٹھا نہ سکوں۔"

تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"عم محترم! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں اس کام کو کبھی نہ چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کردے یا میں اس کی راہ میں مارا جاؤں۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہی بیان کرتے رہے کہ میں تم جیسا آدمی ہوں۔ آپؐ نے کبھی بھی فقیروں، ضعیفوں، مسکینوں، اور غلاموں سے بڑھ کر اپنے آپؐ کو پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ آپؐ کی سیرت ان تمام باتوں میں ضرب المثل ہے۔

اسلام میں صرف عقیدے کی نشر و اشاعت کی آزادی نے جنگوں کو بھڑکایا ہے۔ کبھی بھی اسلام میں جنگ کے شعلے شخصی اغراض اور مفاد نے —— خواہ تھوڑے ہوں یا بہت —— بھڑکانے میں کامیابی نہیں حاصل کی۔

ب : جنگ ــــ لیکن عصبیّت کیلئے نہیں

اسلام نہ تو کسی خاص قبیلہ کا دین ہے اور نہ کسی قوم یا اُمّت کا نہ یہ عجمی اور عربی کا دین ہے بلکہ یہ تمام دنیا اور تمام انسانوں کا دین ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

"آپؐ کہہ دیں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔" [1]

اسلام ایک فکر جلیل کے لیے کام کرتا ہے اور یہ فکر ہے، یعنی :

"وحدتِ انسانیّت!"

یہ ایسا دین ہے جو تعصب اور دھڑے بازی کا مقابلہ کرتا ہے۔ جو تمام عناصر اور قومیتوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ چاہتا ہے کہ تمام دنیا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائے۔ ان کا کلمہ ایک ہو ان کا خدا ایک ہو۔

"مومن سب بھائی ہیں۔" [2]

"کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں۔" [3]

"سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہے۔" [4]

ان تمام چیزوں کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ اسلام ایک ایسی قومیّت اور دین ہے، جس میں تمام قومیتیں اور تمام دین گم ہو جاتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اجماعی جنگ جس کی طرف جرمنی نے لوگوں کو دعوت دی۔

---

[1] : قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔

[2] : انما المؤمنون اخوۃ۔

[3] : ولیس للعربی فضل علی العجمی الا بالتقویٰ۔

[4] : سلمان منا اھل البیت۔

وہ بھی جرمنی قومیّت اور عصبیّت کی جنگ تھی۔

اور ہم دیکھتے ہیں!

امریکہ اور جنوبی افریقہ کے شہروں میں کالے اور گورے کی وجُود؛ تفریق انتہا درجے کی شدّت اختیار کرچکی ہے اور یہ سب کچھ اس بیسویں صدی میں ا؛ روشنی اور ترقی کے زمانہ میں ہو رہا ہے۔

لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے تمام عنصریات اور تمام اجناس یعنی عصبیّت و قومیّت کا مقابلہ کیا۔ اسلام نے لوگوں کو وحدتِ مقصد کی دعوت دی، جس نے بھی اسلام کا عقیدہ اختیار کیا، اس کا خوُن، مال اور عزّت تمام مسلمانوں پر حرام ہوگیا۔

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے!"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قریشی تھے، لیکن جب قریش نے مسلمانوں پر ظلم ا؛ زیادتیاں کیں تو آپؐ نے قریش سے بھی جنگ لڑی۔ آپؐ عربی تھے، لیکن اسلام سے دفاع کرتے ہوئے آپؐ نے عربوں سے بھی جنگ لڑی۔

اور جب رومیوں نے آپؐ کی دعوت کو ختم کرنا چاہا تو آپؐ ان سے بھی لڑے اور جب آپؐ نے ملاء اعلیٰ کا سفر اختیار فرمایا تو آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء نے ایرانیو؛ سے جنگ کی۔ اور ان کے علاوہ اور قوموں اور ملّتوں سے بھی جنگ کی۔

مسلمانوں کے دشمن اپنی اجناس اور قومیتوں کے اختلاف کے باوجود جب اسلام کے حلقہ میں داخل ہوگئے تو پھر ان کو وہی حقوق مل گئے جو مسلمانوں کے تھے او؛ ان کے فرائض وہی قرار پائے جو مسلمانوں کے تھے۔

اسلام نے لوگوں میں دنیا اور آخرت کی مساوات قائم کی ہے۔ دنیا کے سامنے بھی اور خدا کے سامنے بھی مساوات کو پیش کیا ہے:

"خبردار تم میں سے سب سے زیادہ وہ معزّز ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

ج : مادّی جنگ بھی نہیں

اسلام میں جنگ کا مقصد مادّیت کا حصول، بازاروں، بالاخانوں اور سامانِ عیش و عشرت اور استعماریّت کی فراہمی ہرگز نہیں ہے۔

مسلمان ابوسفیان کے قافلہ کو روکنے کے لیے نکلے تھے، جب وہ غزوۂ بدر میں شام سے واپس آرہا تھا۔ کیوں کہ مسلمان چاہتے تھے کہ قریش کو مکّہ سے شام کی طرف جانے والے تجارتی راستہ سے محروم کر دیں، اور اس طرح قریش کی اقتصادی طاقت کو کمزور کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے متعلق ان کی زیادتی میں مالی کمزوری کے باعث کچھ تخفیف ہو جائے۔

لیکن قافلہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ مگر اس کے باوجود مسلمانوں کا لشکر مشرکین سے بھڑ گیا۔

اگر صرف مادّیت کا حصول ہی ان کا مقصد ہوتا، جس کے لیے وہ بدر کی طرف نکلے تھے تو جب اُن کو معلوم ہو گیا تھا کہ ابوسفیان کا قافلہ نکل گیا ہے اور مکّہ پہنچ چکا ہے تو وہ واپس آجاتے، اور اس طرح وہ نہایت آسانی کے ساتھ جنگ سے بچ سکتے تھے۔

اور جنگِ حنین کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ تک ہوازن کے وفد کا انتظار کرتے رہے کہ اگر وہ آجائیں تو ان کو ان کا مال واپس کر دیا جائے، جو مسلمانوں نے غنیمت کے طور پر ان سے حاصل کیا تھا۔ لیکن جب وہ ایک ماہ تک بھی نہ آئے تو آپؐ نے مجبور ہو کر مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔

اور جب مالِ غنیمت اور قیدی تقسیم ہو چکے اور بعد ازاں ہوازن کا وفد آگیا، تو

پھر بھی آپؐ نے ان کے قیدیوں کو واپس کر دیا۔

اور ان غنائم میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حصّہ کیا تھا؟

صرف پانچواں حصّہ!

اور وہ پانچواں حصّہ بھی پھر انہی لوگوں کو واپس مل گیا۔ کیوں کہ اس پانچویں حصّے کو مسلمانوں کی جنگی اور غیر جنگی مصلحتوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ :

کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مال میں سے کچھ اپنے لیے بھی رکھا؟

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں :

"آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ جب وہ اپنے گھر میں ہوتے، تو کبھی کھانا نہ مانگتے، اور نہ کسی کھانے کی خواہش کرتے۔ اگر آپؐ کو کھانا دے دیا جاتا تو کھا لیتے اور جو کچھ بھی دے دیا جاتا اسے قبول کر لیتے اور جو پینے کو مل جاتا، پی لیتے۔"

اور فرماتی ہیں :

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات تک، آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دو دن متواتر جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی۔"

اور فرماتی ہیں کہ :

"ہم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے گھرانے والے مہینہ مہینہ بھر آگ نہ جلاتے، بس کھجوروں اور پانی پر گذارا ہو جاتا۔"

اور فرماتی ہیں کہ :

"جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میرے پاس کوئی ایسی

چیز نہ تھی، جس کو کوئی جاندار کھا سکتا۔ ہاں کچھ جو ضرور تھے۔ جو میرے توشہ دان میں پڑے تھے، اور جب آپؐ کی وفات ہوئی تو آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو میں گروی رکھی ہوئی تھی۔"

یہی کچھ تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے رکھا تھا۔ اگر آپؐ کو دولت کی خواہش ہوتی تو اپنے پاس اپنی بیوی خدیجہ کا مال ہی رکھ لیتے۔ کیا وہ بیشمار دولت نہیں تھی؟ تھی مگر راہ خدا میں خرچ ہو گئی۔

چونکہ آپؐ کے مقاصد حد درجہ بلند تھے۔ لہٰذا آپؐ نے ان کے حصول کی خاطر اپنی جان اپنے گھر والوں اور صحابہ کو کھپا دیا تاکہ وہ رہتی دنیا تک دوسرے تمام مسلمانوں کے لیے ایک اچھا نمونہ بن سکیں۔

۴۔ مثالی جنگ:

انصاف کی جنگ کی تعریف جیساکہ حکومتوں کے قانون کی کتابیں بیان کرتی ہیں، وہ نئی اور پرانی جنگوں کی نسبت زیادہ اچھی تعریف ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ صرف کاغذات پر سیاہی کے کچھ نشانات سے عبارت ہے، عمل کہیں بھی نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ تعریف بھی اسلام کی جنگوں کی صحیح تعریف کرنے سے یکسر قاصر ہے۔

سب سے زیادہ صحیح تعبیر جس کا اطلاق ان جنگوں پر ہو سکتا ہے۔ وہ مثالی جنگ ہے۔

مثالی، اس لیے کہ اس کا مقصد آزادئ رائے کی حفاظت اور امن وسلامتی کی فضا کو ہموار کرنا ہے۔ وہ بے گناہوں اور کمزوروں کے مال وجان کی حفاظت کرتی ہے۔ وہ قیدیوں اور یرغمال پر پوری توجہ کرتی ہے۔ وہ بیماروں اور زخمیوں سے ہمدردی کرتی ہے۔ وہ لاشوں کا مثلہ نہیں کرتی، بلکہ اپنے شہیدوں کی طرح دشمن

کی لاشیں بھی سپردِ خاک کرتی ہے۔ اس جنگ کے بھڑکانے میں شخصی اغراض عصبیت مادّی منافع، لوگوں کو غلام بنا لینے کی ہوس اور جذبہ استعمار کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔

اگر ایسی جنگ بھی مثالی جنگ نہیں کہلائی جا سکتی تو پھر بتایا جائے، تاریخ کی وہ کونسی جنگ ہے جس پر اس لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

عجیب تر بات یہ ہے کہ اسلام کی یہ جنگ قبل اس کے کہ فوج اور سلاح جنگ کے ساتھ قلعوں اور محلوں کو فتح کرے، عقول اور قلوب پر چھاپہ مار کر انہیں فتح کر چکی ہوتی تھی۔

اسلام کی ان مثالی جنگوں نے مغلوبوں کے رِستے ہوئے زخم بہت جلد مندمل کر دیئے، اور وہ رضا و رغبت کے ساتھ فتح مندوں اور غالبوں (مسلمانوں) کے جتھے میں آ آ کر شریک ہونے لگے، تا کہ سب ایک ہی پرچم تلے آ جائیں ——— یعنی پرچم اسلام۔

اگر اسلام کی جنگیں ظالمانہ ہوتیں، تو یہ ظلم قائم نہ رہ سکتا۔ کیوں کہ ظلم کو دوام نہیں، اور اگر وہ ہمیشہ غالب رہے تو غالب اور مغلوب ختم ہو جائیں، کیا ظالم ان باتوں کو نہیں سمجھتے یا ان کے قلوب پر تالے چڑھے ہوئے ہیں؟

لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ:

اسلام کی جنگیں انصاف اور عدل کی جنگیں تھیں، اور وہ بھی مثالی حد تک۔

یہی وجہ تھی کہ: عربوں نے یہ مقاصد رفیع قبول کر لیے۔

پھر یہی مقاصد لے کر وہ دنیا کے سامنے گئے۔ پھر اسے شام، ایران اور بہت سی امتوں نے دل و جان سے قبول کر لیا۔

پھر وہ مشعل ہدایت لے کر مشرق و مغرب کی طرف بڑھے ———

مشرق اسلام کے نور سے اس وقت منوّر ہو چکا تھا، جب مغرب ابھی جہالت اور ظلم کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا!

○

۲۳

چوتھا سبب

ضُعفِ اعداء

کثرتِ تعداد کے باوجود اعدائے اسلام پر ضعف طاری ہو چکا تھا، کیوں کہ فوج کی بہت بڑی نفری کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ اگر معنویاتِ عالیہ سے آراستہ، اور عزم و استقلال سے بہرہ ور نہ ہو۔

گزشتہ صفحات میں طرفین کے عسکری موقفِ عام پر ایک نگاہ ڈالتے ہوتے ہم یہ اندازہ کر چکے ہیں کہ عرب ایک باہمی طور پر افتراق کا شکار تھے، وہ اپنے سرداروں میں سے کسی ایک کی قیادت پر متفق نہیں تھے، جو انہیں جس راستے پر چاہتا لے جا سکتا، البتہ مختلف سرداروں کی قیادت میں وہ برسرِ کار تھے اور مختلف سرداروں کا حال یہ تھا کہ یہ کسی ایک مقصدِ عالی پر متفق نہیں تھے بلکہ ان پر ہوائے نفس اور عصبیت کی حکومت تھی، جس کے سامنے یہ بالکل بے بس تھے۔

رومیوں اور ایرانیوں کا نظام بھی یکسر فاسد تھا۔ ان میں سے کسی کے سامنے کوئی ایسا بلند نصب العین اور مقصد نہیں تھا، جو ان کا ایمان بن جاتا، اور اس کے

تحفظ و دفاع کے لیے یہ جان و مال کی بازی لگاتے، اور اپنی ہر چیز قربان کرنے پر تیار ہو جاتے، برعکس اس کے مسلمان ان جملہ صفات سے متصّف تھے۔

اعدائے مسلمین کی قیادت کسی اعتبار سے بھی نتیجہ خیز نہیں تھی، اس لیے کہ قبائلِ عربیہ کی قیادت ان کے سرداروں کے ہاتھ میں تھی۔

روم، اور فارس کی قیادت وہاں کے اعیان و اشراف کے ہاتھ میں تھی، اور یہ سردار، اور یہ اشراف و اعیان صورت احوال سے نمٹنے کی استعداد سے محروم تھے، ان میں وہ فراست اور دُور بینی نہیں تھی، جو انہیں راہِ راست پر گامزن کر سکتی۔

پس اگر اعدائے مسلمین کے ضعف کا ہم تجزیہ کریں، تو اس کے مندرجہ ذیل اسباب نظر آئیں گے۔

۱ : قیادت کا ضعف، اس کے موروثی ہونے کے باعث۔

۲ : نظامِ عسکری کا فاسد ہونا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فوج کے سپاہی لڑنے اور جان دینے کے لیے فوج میں نہیں داخل ہوتے، بلکہ ان کے پیش نظر یا تو حصولِ رزق ہوتا ہے، یا اشراف و اعیان کا خوف، اور یہ طبقۂ عالی اپنی فوج کے شعور و احساس میں نہ صرف یہ کہ شریک نہیں ہوتا، بلکہ دونوں میں بعد المشرقین ہوتا ہے۔

۳ : کسی ایسے مثالی نصب العین اور مقصد کا فقدان، جس کے حصُول کے لیے عرب، ایران، اور روم کی فوجیں سر دھڑ کی بازی لگا دیتیں۔

ایسا لشکر ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ خواہ تعداد کے اعتبار سے کتنا ہی بڑا ہو، جس میں یہ اسباب ضعف پائے جائیں، اور جس کی قیادت اور نظام، اور معنویات میں یہ کمزوریاں ہوں۔

الارض للصالحین

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قیادت میں، مسلمانوں کی جنگ و پیکار کے جو عسکری نتائج بر آمد ہوئے، اسی وقت سے متوقع نظر آرہے تھے، جب پہلے پہل جنگ کا آغاز ہُوا تھا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بے شمار اعداء سے جنگ کی صُورت میں جُملہ وسائل فتح و انتصار مہیا کر لیے تھے۔ لہٰذا انہیں اپنی فتح کا یقین کامل تھا۔ چنانچہ ہر موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نصر و فتح کی بشارت دی۔

دو ایسی قوتوں میں تصادم ہُوا، جو برابر کی نہیں تھیں۔ مسلمانوں کی قیادتِ موحدہ مثالی حیثیت رکھتی تھی، اور یہ قیادت تھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی — جسے ہر اعتبار سے عبقری اور بے مثل کہا جا سکتا ہے۔

اس کے برعکس اعداء مسلمین کی قیادت ایسے قواد کے ہاتھوں میں تھی، جنہیں موروثی طور پر یہ درجۂ بلند مل تو گیا تھا، لیکن ان میں ضروری استعداد اور صلاحیت کی بہت زیادہ کمی تھی۔

مسلمانوں کے جدال و قتال دفاعی تھے۔ وہ اپنے عقیدے کے تحفظ کے لیے، اور حریت نشرِ دعوتِ اسلام کے لیے لڑ رہے تھے۔

لہٰذا!

ان کی جنگ بہ ہمہ وجوہ مبنی بر عدل و انصاف اور مثالی تھی۔

اس کے مقابلے میں اعداء مسلمین کی جنگ ظلم و عدوان کو قائم اور برقرار

رکھنے کے لیے تھی۔ لہٰذا ظاہر ہے، یہ مبنی بر عدل و انصاف نہیں ہو سکتی تھی۔

مسلمان عقیدۂ راسخہ، اور مقاصد معلومہ کے لیے برسرِ جنگ تھے اور اعداء اسلام کے پاس نہ کوئی عقیدہ تھا، نہ مقصد۔

یہ ہیں وہ اسباب جن کے باعث ایک چھوٹی سی جماعت ایک بہت بڑے گروہ پر غالب آگئی، اور ہر زمان و مکان میں یہ اسباب انتصار مؤثر اور کارگر ثابت ہوتے رہے ہیں۔

بلاشبہ اس زمین کے وارث اللہ کے صالح بندے ہیں۔

اور جن جنگوں کا حال اس کتاب میں مذکور ہوا ہے۔ اس وقت کے مسلمان بے شک دریب خدا کے سب سے زیادہ صالح اور نیکوکار بندے تھے، چنانچہ وہ زمین کے، اور زمین کی ہر چیز کے بجا اور جائز طور پر وارث بن گئے۔ اور اس منصب پر اس وقت تک قائم رہے، جب تک اپنے اوصاف اور خصائص سے محروم نہیں ہو گئے۔

یہاں تک کہ!

ایک وقت ایسا آیا کہ:

وہ بدل گئے۔

وہ بدلے تو:

حالات بھی بدل گئے۔

اس کتاب میں:

ہم نے حیاتِ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے صرف عسکری پہلوؤں پر گفتگو کی ہے۔

اگر ہم نے ــــــــــ

اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی ہے، تو یہ توفیقِ خداوندی ــــــــــ

کا نتیجہ ہے۔

اور اگر !

کہیں ہم سے غلطی ہوئی ہے تو کمال صرف ــــــــــ خدا ہی کے لیے

سزاوار ہے۔

ہمارے لیے یہ فخر کافی ہے کہ :

رسول اکرم (صلے اللہ علیہ وسلم) کی عسکری زندگی سے متعلق یہ ــــــــــ

فنی کتاب ــــــ سب سے پہلے ہم نے لکھی۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ پہلو حد درجہ وسیع اور ادق ہے

اور حیرت انگیز واقعات سے بھرپور۔

توفیقِ خداوندی پر ــــــــــ

میں اس کی حمد پڑھتا،

اور اس کی تسدید پر شکر بجا لاتا ہوں۔

اور درود بھیجتا ہوں ــــــــــ

محمدؐ، رسول، اور میرِ سپاہ پر !

٭

محمود شیت خطاب

اس کتاب کے

عربی مراجع اور مآخذ

نمبر	نام	مؤلف
۱	تفسیر طبری (جامع البیان فی تفسیر القرآن)	ابوجعفر محمد بن جریر الطبری
۲	تفسیر الکشاف	الزمخشری
۳	تفسیر المنار	محمد رشید رضا
۴	کتاب البخاری (الجامع الصحیح)	امام بخاری
۵	المنتقیٰ من اخبار المصطفیٰ	ابن تیمیہ
۶	تیسیر الوصول فی جامع الاصول	ابن ربیع الشیبانی
۷	زاد المعاد فی ہدی خیر العباد	ابن قیم جوزی
۸	ہدی الرسول (مختصر زاد المعاد)	محمد ابوزید
۹	المحلی (الجزء السابع) من الجہاد	ابن حزم
۱۰	الخراج	القاضی ابویوسف
۱۱	سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)	ابو محمد عبدالملک بن ہشام

نمبر	نام	مؤلف
۱۲	حیاتِ محمدؐ	محمد حسین ہیکل
۱۳	الوحی المحمدی	محمد رشید رضا
۱۴	محمد المثل الکامل	محمد احمد جاد المولی
۱۵	عصر الانطلاق	محمد اسعد لملس
۱۶	الفکر الخوالد للنبی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم	محمد علی
۱۷	المثل الاعلی فی الانبیاء	خ - کمال
۱۸	خاتم النبیینؐ	محمد خالد
۱۹	سیرۃ الرسولؐ	محمد عزۃ دردزہ
۲۰	جوامع السیرۃ	ابن حزم
۲۱	نقد السیرۃ	محمد الغزالی
۲۲	عبقریت محمدؐ	عباس محمود العقاد
۲۳	نفسیتہ الرسول العربی	لبیب الریاشی
۲۴	محمد الثائر الاعظم	فتحی رضوان
۲۵	الابطال	کارلائل
۲۶	فی منزل الوحی	محمد حسین ہیکل
۲۷	تاریخ الرسل و الملوک	ابو جعفر محمد بن جریر طبری
۲۸	تاریخ الکامل	ابن الاثیر
۲۹	مروج الذہب	علی بن الحسین المسعودی

مؤلف	نام	نمبر
احمد امین	فجر الاسلام	۳۰
ابو الفدا	المختصر من تاریخ البشر	۳۱
حسن ابراہیم حسن	تاریخ الاسلام السیاسی	۳۲
ابن الاثیر	اسد الغابہ	۳۳
جرجی زیدان	تاریخ التمدن الاسلامی	۳۴
علی سالی النشار	شہداء الاسلام فی عہد النبوۃ	۳۵
ابو زید شلبی	سیف اللہ خالد بن ولید	۳۶
عبد الوہاب النجار	قصص الانبیاء	۳۷
محمد اسعاف النشاشیبی	الاسلام الصحیح	۳۸
محمد عبدہ	الاسلام و النصرانیۃ	۳۹
عبد العزیز جاویش	الاسلام دین الفطرۃ	۴۰
محمود الآلوسی	سفرۃ الزاد لسفرۃ الجہاد	۴۱
محمود شلتوت	القرآن و القتال	۴۲
ابن تیمیہ	السیاسۃ الشرعیہ	۴۳
جمال الدین عباد	نظم الحرب فی الاسلام	۴۴
حسن علی ابراہیم حسن	النظم الاسلامیہ	۴۵
محمد اسعد	منہاج الاسلام فی الحکم	۴۶

مؤلف	نام	نمبر
نجیب الارمنازی	الشرع الاولی فی الاسلام	۴۷
محمد المعراوی	شریفہ الحرب فی الاسلام	۴۸
سلیمان الندوی	الرسالۃ المحدیہ	۴۹
الرئیس الرکن نعمان ثابت	الجندیہ فی الدولۃ العباسیہ	۵۰
کارل بوکلمن	العرب والامبراطوریہ العربیہ	۵۱
محمد فرید وجدی	دائرۃ معارف القرن العشرین	۵۲
صالح محمد فرج	العبقریۃ العسکریہ فی غزوات الرسولؐ	۵۳
الصالح جمال الدین حماد	معارک الاسلام الکبریٰ	۵۴
بکباشی محمد جمال الدین محفوظ	معارک الاسلام الاولی	۵۵
ی۔ ھل	الحضارۃ العربیۃ	۵۶
مصطفیٰ صادق الرافعی	وحی القلم	۵۷
جوستان جرونیبادم	حضارۃ الاسلام	۵۸
سالی جاتینہ	قانون الحرب والحیاد	۵۹
عبد العزیز القوصی	اسس الصحۃ النفسیہ	۶۰
العمیۃ الرکن طہ الہاشمی	الجغرافیۃ العسکریہ الجزء الاوّل (الاسس)	۶۱
کتاب رسمی	نظامات الخدمت السفریہ	۶۲
"	ادارۃ الحرب	۶۳

نمبر	نام	مؤلف
۶۴	الفرقة فی المعرکہ	کتاب رسمی
۶۵	فوج مشاۃ فی المعرکہ	" "
۶۶	مجموعۃ المجلۃ العسکریہ العراقیہ	الاعداد ۵۳، ۵۶، ۶۳، ۶۷
۶۷	مجلۃ المجلۃ العلمی العراقی	المجلد الرابع والمجلد الخامس
۶۸	نظام السلم والحرب فی الاسلام	الدکتور مصطفےٰ سباعی

المراجع الاجنبیہ

(1) The Spirit of Islam by Sayed Amir Ali

(2) Life of Mahomed by Sir William Muir

(3) Mohammad by Margaliouth

(4) Quran & War by Maulavi Sadruddin

(5) War & Religion by Mohammad Marmaduke Pikthal

(6) The Battle Fields of the Prophet Mohammad by Muhammad Hamidullah

(7) Chambers Encyclopedia

(8) Encyclopedia Britannica